خوفناک، پُراسرار اور حیرت وتحیر کا انوکھا شاہکار

سنہری جونک

ایم اے راحت

فہرست

707 کا دیوہیکل طیارہ سبک رفتاری سے فضا میں تیر رہا تھا۔ خوبصورت لباس میں ملبوس خوبصورت اور متناسب الاعضاء ایئر ہوسٹس اِدھر سے اُدھر آجا رہی تھیں۔ مسافروں کے اشارے کی منتظر۔ ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے تیار۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں چپکی ہوئی تھیں۔

کاروباری مسکراہٹیں لیکن حقیقت سے قریب کیونکہ یہ اب ان کی عادت بن چکی تھی۔ جہاں کوئی مسافر ان کی طرف دیکھتا۔ یہ اس کے سامنے جھک جاتیں۔ مجھے لمبے قد' دبلے بدن کی وہ ہوسٹس بہت پسند آئی تھی جس کے سرخ وسفید رخساروں میں ننھے ننھے گڑھے تھے۔ یہ گڑھے اس کی مسکراہٹ کو اور دلکش بناتے تھے۔ اس کی آنکھیں کسی حد تک چھوٹی تھیں لیکن بے پناہ کشش کی حامل۔ سیاہ اور چمکدار۔

تیسری بار جب میں نے اسے مخاطب کیا تو میرا خیال تھا کہ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سمٹ جائے گی۔ ممکن ہے وہ پوری توجہ سے میری طرف نہ آئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دوبار بھی میں نے اسے بس یوں ہی مخاطب کیا تھا۔ کسی ایسی ضرورت کا اظہار نہیں کیا تھا جو واقعی ضرورت ہوتی۔

صاف ظاہر تھا کہ میں بس اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اسے بلاتا ہوں۔ چنانچہ اسے اشارہ کرنے کے بعد میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔

لیکن ہوسٹس کی مسکراہٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ میرے نزدیک آئی اور جھک گئی۔ بلکہ اس بار کچھ زیادہ ہی جھک گئی۔ اتنی کہ اس کے خوبصورت بالوں کی بھینی بھینی خوشبو میرے نتھنوں میں داخل ہوگئی۔

"یس پلیز۔" وہ دلکش آواز میں بولی۔

"ایک ضروری بات معلوم کرنی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے۔"

"آپ کون سا شیمپو استعمال کرتی ہیں؟"

"کیوں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس کی خوشبو بہت حسین ہے۔"

"شکریہ۔" ہوسٹس نے ہلکی سی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"ویسے پہلی بار کی طرح اس بار بھی مجھے آپ سے کوئی کام نہیں ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" ہوسٹس فراخ دلی سے بولی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"ہوسٹس۔" میرے برابر بیٹھے ہوئے آدمی نے ہوسٹس کو مخاطب کیا۔

"یس سر۔" ہوسٹس جلدی سے بولی۔

"میں پانی پینا چاہتا ہوں۔" بوڑھا بولا۔ اور ہوسٹس گردن خم کر کے چلی گئی۔ میں نے قہر آلود نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھا۔ دوسری بار بھی جب میں نے ہوسٹس کو بلا کر اس سے بات کی تو اس نے مداخلت کی تھی۔

کریہہ شکل بوڑھا مجھے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرایا اور مجھے اس سے خار چڑھ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بوڑھے نے جان بوجھ کر مداخلت کی ہے۔ ٹھیک ہے بڑے میاں۔ تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔ میں نے دل میں سوچا اور پھر میں بوڑھے کی خبر لینے کے لئے تیار ہو گیا۔

میں نے بڑے اخلاق سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور وہ بھی مسکرا دیا۔ "کتنی عجیب بات ہے جناب ہم لوگ ایک گھنٹہ سے ہم سفر ہیں لیکن ہمارے درمیان ابھی تک تعارف نہیں ہوا۔"

"ہاں، میرے بچے تم اس ہوسٹس میں اس قدر مصروف تھے کہ شاید مجھے دیکھ بھی نہیں سکے تھے۔" بڑے میاں نے چوٹ کی۔

"آپ کی عمر کیا ہے محترم..........؟" میں نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"بتائیے تو۔"

"تقریباً پینسٹھ سال۔"

"کمال ہے، آپ ابھی تک زندہ ہیں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہوسٹس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں تمہاری طرح فضول انسان نہیں ہوں۔ تم کیوں اس بیچاری کو بار بار تنگ کر رہے ہو۔" بڑے میاں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"میرا نام شاہ رخ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہوگا، مجھے کیا۔"

اتنی دیر میں ہوسٹس پانی لے آئی۔ اس نے گلاس بڑے میاں کو پیش کر دیا اور بڑے میاں خواہ مخواہ پانی پینے لگے۔

"سنا تم نے۔ ان کی عمر پینسٹھ سال ہے۔" میں نے ہوسٹس سے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔"

"پھر۔ تم سے مطلب۔" بڑے میاں جھلائے ہوئے انداز میں بولے۔

"معاف کیجئے گا محترم۔ ایسے ہی کہہ دیا تھا۔"

"میں جاؤں جناب۔" ہوسٹس نے پوچھا۔

"تھینک یو ہوسٹس۔" میں نے کہا اور ہوسٹس چلی گئی۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔" میں نے پھر بوڑھے کو چھیڑا۔

"عادل اختر۔" بوڑھے نے بیزاری سے کہا۔

"بڑے شرم کی بات ہے۔" میں نے منہ بنایا۔

"کیا۔ کیا مطلب؟" بڑے میاں اچھل پڑے۔

"لغو اور فضول نام۔ عادل۔ اور پھر اختر بھی۔ دونوں میں کیا مماثلت تھی۔"

"فضول بکواس سے پرہیز کرو صاحبزادے۔" بڑے میاں بھنا کر بولے۔

"انتہائی جاہل لوگ تھے جنہوں نے آپ کا یہ نام رکھا۔"

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔" بڑے میاں غرائے اور میں خاموش ہو گیا۔ ایک دم گرم کر دینا مناسب نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ کام کرنا ٹھیک تھا۔ چنانچہ میں کئی منٹ تک خاموش رہا اور بڑے میاں رہ رہ کر مجھے گھورتے رہے۔ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب میں کچھ نہیں بولوں گا تو انہوں نے رخ بدل لیا۔

"کیا نام بتایا تھا آپ نے محترم؟"

"تم خاموش نہیں رہو گے۔" بڑے میاں جھلا کر بولے۔

"جی۔ میں نے نام پوچھا ہے۔"

"میں تم جیسے لفنگوں سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"دیکھئے محترم۔ ہم ہمسفر ہیں۔ یہ طویل سفر خاموشی سے کیسے کٹے گا۔"

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"صرف نام بتادیں۔ شاید۔ شاید۔ کیا بتایا تھا آپ نے؟ ہاں' ہاں۔ اختر عادل۔ یا پھر۔ عادل اختر۔ کیا فرق پڑتا ہے چاہے پہلے عادل ہو یا اختر۔ انتہائی ذلیل نام ہے۔"

"ابے تو چپ نہیں رہے گا۔" بڑے میاں اپنی سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولے۔

"ہاں۔ ہاں۔ قبلہ۔ آرام سے تشریف رکھئے۔ جہاز کے دوسرے مسافر آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے۔"

"اس کے بعد ایک لفظ تمہارے منہ سے نہ سنوں۔" بڑے میاں بولے۔

"خدا کے واسطے صرف ایک بات اور بتا دیں۔" میں نے کہا اور بڑے میاں پھر تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ "آپ کی عمر بقول آپ کے پینسٹھ سال ہے۔ آپ اب دنیا کو معاف کیوں نہیں کردیتے۔"

"کیا مطلب۔ کیامطلب ہے تمہارا؟" بڑے میاں پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولے۔

"دیکھئے نا دنیا کتنے سنگین مسائل سے گزر رہی ہے۔ غذا کا مسئلہ' دواؤں کا مسئلہ اور دوسرے مسائل۔ آپ نے پینسٹھ سال تک اس دنیا کا خون چوسا ہے۔ اب آپ کو چاہئے کہ آپ رضاکارانہ طور پر مرجائیں۔ تاکہ وہ آسائشیں جن پر آپ مسلط ہیں کسی اور نوجوان کے حصہ میں آئیں۔"

"ابے کیا میں کسی سے بھیک مانگتا ہوں۔" بڑے میاں غرائے۔

"سوال بھیک کا نہیں ہے۔ آخر آپ کا بوجھ کب تک برداشت کیا جائے۔ میرا بس چلے تو آپ کو اٹھا کر ہوائی جہاز سے نیچے پھینک دوں۔"

"تیری ایسی کی تیسی۔" بڑے میاں بالآخر سیٹ سے کھڑے ہوگئے دوسرے لمحے میں بھی سہمے ہوئے انداز میں اپنی سیٹ سے کود کر ایک طرف ہٹ گیا۔ بڑے میاں پھر میری طرف بڑھے اور جہاز میں بیٹھے ہوئے مسافر بوکھلا کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔

"ہوسٹس۔ ہوسٹس' انہیں دیکھو۔ نہ جانے بیٹھے بیٹھے کیا ہوگیا۔" میں چیخا۔

"کیا ہوگیا۔ کیا ہوگیا؟" دوسرے مسافر بھی بول پڑے۔

"میرے خیال میں یہ بزرگ صحیح الدماغ نہیں ہیں۔ پہلے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر مجھے گالیاں دینے لگے اور آخر میں ہاتھاپائی پر اتر آئے ہیں۔"

"پاگل؟" کسی سیٹ سے ایک نسوانی آواز ابھری۔

"ہاں سوفیصد پاگل ہیں۔ خوفناک ذہنی مریض۔ ان سے خطرہ ہے۔" میں نے لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"پاگل کے بچے۔" بڑے میاں نے آگے بڑھ کر میری گردن دبوچنے کی کوشش کی لیکن کئی دوسرے مسافروں نے پیچھے سے انہیں دبوچ لیا۔ عملہ کے کچھ افراد ان کی مدد کو آئے تھے۔ بڑے میاں چیختے رہے لیکن سب لوگ انہیں پکڑ کر اسموکنگ روم میں لے گئے اور ذہنی مریض کو بند کردیا گیا۔ تب میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر سکون کا سانس لیا۔ اب آرام سے ہوسٹس سے عشق لڑا سکتا تھا جو خود بھی میری طرف مائل تھی۔

چند منٹ کے بعد میں نے اسے پھر اشارہ کیا اور ہوسٹس مسکراتی ہوئی قریب آگئی۔

"کیا خیال ہے..........؟ اب ہم سکون سے گفتگو کریں گے۔" میں نے ہوسٹس سے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کسی کو پریشان کرنا اچھی بات نہیں ہے جناب۔"

"تو تم بھی نصیحتیں کرو گی۔" میں نے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"اوہ نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ آپ نے ان محترم کو پاگل کرنے کے لئے کون سا گُر استعمال کیا؟"

"ہوسٹس پلیز۔ میں نے تمہارا نام پوچھا تھا۔" میں اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

"شہلا۔" اس نے جواب دیا۔

"خوبصورت نام ہے۔"

"ایکسکیوزمی۔ ابھی حاضر ہوئی۔" ہوسٹس کو کسی دوسرے مسافر نے اشارہ کیا تھا۔

میں نے گردن ہلائی اور وہ آگے بڑھ گئی۔ تب میں ایک طویل سانس لے کر اپنی کرسی کی پشت سے لگ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ ہوسٹس میرے لئے بہت بڑی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس جیسی بے شمار لڑکیاں میری خواب گاہ کی زینت بن چکی تھیں فطرت

ہی ایسی تھی۔ پیشہ ہی ایسا تھا۔ زندگی میں کھانے اور عیش کرنے کے علاوہ کون سا کام تھا۔ رقم ختم ہو جاتی تو کوئی اونچا ہاتھ مار لیتا دولت جمع کرنے کا شوق نہیں تھا۔ ہاں ضرورت پوری کرنے کے لئے جس قدر درکار ہوتی اس کا حصول میرے لئے مشکل نہ تھا۔ سیاحت سے خاص رغبت تھی۔ اس لئے دیس دیس مارا مارا پھرتا تھا۔ اور ہم جیسے لوگوں کا کاروبار دنیا کے کون سے ملک میں نہیں ہے۔ بڑے بڑے نقب زنوں کا خیال تھا کہ تجوریاں توڑنے میں میرا ثانی رُوئے زمین پر نہیں ہوگا۔ نشانہ بازی میں یکتا تھا۔ گو لوگوں کو قتل کرنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ بھلا زندگیاں لینے سے کیا فائدہ۔ خود بھی جیو اور دوسروں کو بھی جینے دو۔

ہوسٹس دوسرے مسافر کے نزدیک تھی کہ اچانک جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ جھٹکا اتنا شدید اور اچانک تھا کہ بہت سے لوگ سیٹوں سے گر پڑے۔ میری پسندیدہ ہوسٹس نے دوہری قلابازیاں کھائی تھیں۔ میں بھی خود کو گرنے سے بمشکل بچا سکا تھا۔

پورے جہاز میں سہمی سہمی آوازیں ابھریں۔ دوسرا اور تیسرا جھٹکا لگا اور اب تو مسافر باقاعدہ چیخنے لگے۔ تب پائلٹ روم سے آواز اُبھری۔

"ہوشیار۔ ہوشیار۔ جہاز کے سارے انجن سیز ہو گئے ہیں' مسافر بیلٹ باندھ لیں۔"

عورتوں کو زندگی سے کچھ زیادہ ہی پیار ہوتا ہے۔ اس لئے چیخنے والوں میں ان کی آوازیں نمایاں تھیں لیکن کچھ مرد بھی تھے جو شاید چیخنے میں عورتوں سے باقاعدہ مقابلہ کر رہے تھے۔ بدحواس لوگوں کی بگڑی ہوئی شکلیں دیکھ کر مجھے ہنسی آنے لگی۔ اور اچانک مجھے اسموکنگ روم میں بند بوڑھے کا خیال آیا۔

غیر انسانی بات تھی۔ میری وجہ سے وہ بیچارہ اسموکنگ روم میں بند ہوا تھا۔ چنانچہ اس وقت جب جہاز کے سارے مسافر الٹی سیدھی حرکتوں میں مصروف تھے۔ میں اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔ پائلٹ جہاز کو سنبھالنے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے لیکن جہاز اب صاف نیچے گرتا محسوس ہو رہا تھا۔ پائلٹ کی کوشش سے اسے مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے۔

میں سیٹیں پکڑتا ہوا خود کو گرنے سے روکتا ہوا اسموکنگ روم میں پہنچ گیا۔ دروازہ کھولا محترم اختر عادل یا عادل اختر ایک دیوار کے سہارے سر کے بل کھڑے ہوئے تھے۔ پھر ایک جھٹکے نے انہیں سیدھا کر دیا۔ ان کی پیشانی سے کافی خون بہہ رہا تھا۔ میں نے ان

کی کمر میں ہاتھ ڈال کر انہیں سنبھالا اور پھر اطمینان سے ان کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔ جھٹکا ایسا ہی شدید تھا۔

"ابے۔ ابے۔ یہاں بھی آ گیا۔" بڑے میاں چلائے لیکن ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے۔ میری توجہ مائیک پر گونجنے والی آواز پر ہو گئی۔ فرسٹ پائلٹ گھبرائے ہوئے لہجے میں اعلان کر رہا تھا۔

"جہاز کو سنبھالنے کی ساری کوششیں ناکام ہو گئی ہیں۔ ہم اس وقت افریقہ کے گھنے جنگلات پر پرواز کر رہے ہیں۔ اپنے طور پر ہوشیار رہیں۔ اب اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں رہ گئی ہے کہ جہاز کو کسی ہموار جگہ تلاش کر کے اتارنے کی کوشش کی جائے۔ اس کوشش میں نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

اور کان پھاڑ دینے والی چیخوں سے پورا ماحول گونجنے لگا۔ لوگ ضبط کا دامن چھوڑ چکے تھے۔ ساری شخصیت رکھی رہ گئی تھی۔ سب کے سب پاگلوں کی طرح چیخ رہے تھے۔

میں نے بڑے میاں کو باہر دھکا دیا اور خود بھی نکل آیا۔

زندگی کو بارہا خطرات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ موت درجنوں بار نزدیک آ کر نکل گئی تھی۔ اس لئے موت کے خوف سے میری وہ حالت تو نہ ہوئی جو جہاز میں بیٹھے دوسرے لوگوں کی تھی لیکن بہرحال زندگی کو اس طرح ضائع کرنا مجھے بھی پسند نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے بھی انفرادی طور پر اپنی حفاظت کے بارے میں سوچا۔

مگر.......... اس خطرناک حادثے سے زندگی بچانا کافی مشکل تھا یہاں بالکل بے دست و پا کی کیفیت تھی۔ جہاز اب بے جان پتھر کی طرح نیچے گر رہا تھا اور پائلٹ اسے سنبھالنے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھے۔

زمین تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا لیکن یہ لمحات جس قدر روح فرسا تھے۔ آج بھی انہیں سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پائلٹ نے آخری وقت تک اپنے فرائض انجام دینے کی کوشش کی۔ اس نے پہئے کھولے۔ جہاز کا رخ سنبھالا اور بلاشبہ اگر جہاز منہ کے بل زمین سے ٹکراتا تو شاید ایک بھی مسافر زندہ نہ بچتا لیکن وہ سیدھا ہی نیچے آیا تھا۔

خوفناک دھماکے ہوئے اور سارے مسافر الٹ پلٹ ہو گئے میں بھی گو مضبوطی سے ایک سیٹ پکڑے ہوئے تھا لیکن کہاں کی سیٹ کیسی سیٹ۔ سیٹ نہ جانے کہاں چلی گئی

میں اچھل کر کسی چیز سے ٹکرایا اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ سارے ہنگامے گم ہوگئے۔

گو زندگی بے حد ناپائیدار ہے۔ سڑک پر چلتے ہوئے لوگ گرتے اور مرجاتے ہیں۔ ہوٹلوں میں بیٹھے، گفتگو کرتے ہوئے اچانک ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور جب موت نہیں آتی۔ تو پہاڑ گر پڑتے ہیں اور لوگ بچ جاتے ہیں۔ جہاز کا خوفناک حادثہ ہوا تھا۔ بچنے والے کس طرح بچے تھے۔ ابھی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن بہرحال میں زندہ تھا۔ سوچ سکتا تھا۔ سن سکتا تھا۔ بول سکتا تھا، کیا یہ کم حیرت کی بات تھی۔

بہرحال میں نے اردگرد کے ماحول کو دیکھا۔ جہاز کافی فاصلے پر پڑا تھا۔ گویا میں جہاز سے باہر تھا۔ لوگ چلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ جہاز بری طرح تباہ ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود لوگ زندہ تھے نہ جانے کیسے۔ نہ جانے کیسے، میں نے اٹھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوگیا۔

کوئی خاص طور سے میری طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ سب کے چہرے پریشانی کے مظہر تھے۔ زندگیاں بچ گئی تھیں لیکن اب آئندہ کا خوف..........

پوری طرح حواس بحال ہونے میں بہت زیادہ دیر نہیں لگی اور جب حواس بحال ہوگئے تو سر پر ایک گرفت کا احساس ہوا۔ ٹٹول کر دیکھا تو پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پٹی کے احساس کے ساتھ سر میں دکھن کا احساس بھی ہوا۔ گویا باقاعدہ ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔ اور شاید بے ہوش ہونے کی وجہ بھی یہی تھی۔ بہرحال تکلیف ایسی نہ تھی جس کا کوئی خاص احساس ہوتا۔ چنانچہ میں اس کی طرف سے لاپرواہ تھا۔

اب میرے دل میں تجسس بیدار ہوگیا تھا کہ جہاز کے بارے میں مکمل تحقیقات کروں۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے جہاز کے ڈھانچے کے قریب پہنچنے کا فیصلہ کیا۔

ابھی میں اس سے کافی دور تھا کہ ایک نوجوان آدمی میرے پاس پہنچ گیا۔ "اگر آپ ٹھیک ہوں جناب۔ تو براہِ کرم دوسروں کی مدد کریں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ مجھے بتاؤ۔ کیا کرنا ہے۔"

"ابھی کچھ لوگ جہاز میں پھنسے ہوئے ہیں۔ انہیں نکالنا ہے۔ جہاز غرق ہورہا ہے۔ اگر ہم کامیاب نہ ہوئے تو کچھ لوگ دلدل میں غرق ہوجائیں گے۔"

"دلدل..........!" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"براہِ کرم جلدی کریں۔ پلیز.........." اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ جہاز کی طرف دوڑا۔ صورتِ حال کی مزید تفتیش کی ضرورت نہ رہی۔ ایک مخصوص جگہ پہنچ کر وضاحت ہوگئی جہاں بہت سے لوگ مصروف تھے۔ جہاز کے بچ جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ دلدل میں گرا تھا۔ کافی نرم دلدل تھی۔ اتنی بھی نرم نہیں کہ کوئی چیز اس میں گرتے ہی دفن ہوجائے۔

اس دلدل کی وجہ سے جہاز کو شدید نقصان بھی نہیں پہنچا تھا لیکن بہرحال جھٹکا تو لگا تھا جس سے اندر کی دنیا اتھل پتھل ہوگئی تھی۔ تاہم مسافروں کو شدید چوٹیں لگی تھیں اور جانی نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بالکل محفوظ تھے۔ اس وقت سب کے دل انسانی ہمدردی سے معمور تھے اور سب ہی ایک دوسرے کی مدد کے جذبے سے سرشار تھے۔

دلدل اس قدر نرم ضرور تھی کہ اس پر چلنا ناممکن تھا۔ ہاں یہ شکر کی ضرور بات تھی کہ جہاز دلدل کے بالکل کنارے پر آکر گرا تھا۔ بڑی انوکھی بات تھی۔ گوناگوں دلچسپیوں کی مظہر۔ یعنی اگر جہاز دلدل کے درمیان گرا ہوتا تو کسی ایک مسافر کا زندہ بچنا ناممکن تھا۔ دلدل کافی وسیع تھی۔

دلدل سے تھوڑا سا ہٹ کر جہاز زمین پر گرا ہوتا تو اس کے پرخچے اڑ جاتے ایسا لگتا تھا جیسے جہاز کا گرنا مسلم، اور اس کا بچنا بھی قدرت خداوندی کا مظہر.......... یعنی وہ اس طرح گرا کہ جن کی زندگی مقصود تھی، بچالی گئی۔ زمینی لوگوں نے بڑے بڑے کپڑے جہاز کے دروازے سے کنارے تک بچھائے تھے اور ان پر گھٹنوں کے بل چل چل کر کنارے تک پہنچ رہے تھے۔ انتہائی تیزی سے کام ہورہا تھا کیونکہ اب جہاز کا دروازہ آدھے کے قریب دلدل میں دھنس چکا تھا۔

میں نے بھی زیادہ غوروخوض میں وقت برباد نہیں کیا اور دوسرے لوگوں کی مانند موٹے کپڑوں پر قلابازیوں کھاتا ہوا جہاز کے دروازے پر پہنچ گیا اور پھر یوں جہاز میں داخل ہوگیا۔ اندر کافی بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ سیٹیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوگئی تھیں۔ بہت سے لوگ سیٹوں کے درمیان اپنا سامان تلاش کررہے تھے۔ ایک گروہ صرف سامان ڈھونڈنے پر لگا ہوا تھا۔

لیکن میرے نزدیک انسانی زندگی کی اہمیت زیادہ تھی، چنانچہ مجھے جوں ہی ایک سیٹ

کے نیچے دو ٹانگیں نظر آئیں میں نے انہیں نکالنے کی جدوجہد شروع کردی۔ کامیابی دشوار نہیں ہوئی' لیکن خوبی قسمت دیکھئے کہ یہ وہی بڑے میاں تھے یعنی دشمن جاں۔

مجھے ہنسی آئی۔ بہرحال میں انہیں کمر پر لاد کر باہر نکل آیا اور پھر دوسروں کی ترکیب پر عمل کرتے ہوئے میں نے انہیں کنارے پر پہنچادیا اور واپس چل پڑا۔

دوسری بار کی کوشش میں ایک نوجوان لڑکی ہاتھ لگی اور میں اسے بھی نکال لایا۔

تیسری بار نہیں گیا۔ کوئی بھی اس جہاز کی طرف جانے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ جہاز کے دروازے کی جگہ اب صرف ایک سوراخ رہ گیا تھا۔ بقیہ جہاز دلدل میں غرق ہوگیا تھا۔

لوگ کنارے پر کھڑے چیخ رہے تھے اور اندر رہ جانے والوں سے جو رضاکارانہ کام کررہے تھے' جلد از جلد باہر آجانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ وہ انہیں وارننگ دے رہے تھے کہ جہاز ڈوب رہا ہے۔

اور بہت سے لوگ سوراخ سے باہر رینگ آئے۔

بس.......... اس کے بعد ایک بھیانک منظر سامنے آیا۔ دروازے کا آخری سوراخ بند ہوگیا تھا۔ جس سوراخ کا آخری حصہ دلدل میں بیٹھ رہا تھا' کچھ ہاتھ باہر نکلے اور کسی غیر مرئی شے کو پکڑنے کی جدوجہد کرتے ہوئے دلدل میں بیٹھ گئے۔

بڑا روح فرسا منظر تھا۔ میں بھی بہرحال انسان ہوں۔ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اب جہاز کی چھت کی سفیدی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آرہا تھا اور پھر.......... تھوڑی دیر کے بعد یہ سفیدی بھی سیاہ دلدل میں غروب ہوگئی۔

جہاز غرق ہوچکا تھا۔ جدوجہد ختم ہوچکی تھی۔ اب صرف یہ اندازہ لگانا تھا کہ کون بچ گیا۔ کس کی موت اسے ان میدانوں میں لائی تھی۔ میں نے اردگرد کے ماحول پر نگاہ ڈالی۔ زخمی اپنے زخموں کو بھولے ہوئے دوسروں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے انسان بہرحال کسی نہ کسی وقت ساری ریاکاریوں سے الگ ہوکر صرف انسان رہ جاتا ہے۔ ماحول کے غلاف اس کی شخصیت پر چڑھ کر اس کی شکلیں تبدیل کردیتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی جب ان غلافوں سے انسان جھانکتا ہے تو دنیا بڑی خوشنما ہوجاتی ہے۔

اس وقت فریب وریا کی کوئی بھیانک شکل نگاہوں کے سامنے نہ تھی۔ جذبے تھے جو ایک دوسرے پر لٹائے جارہے تھے۔ نہ جانے کیوں یہ ماحول مجھے بے حد پسند آیا۔

اور اچانک میرے ذہن میں خوبصورت ہوسٹس ابھر آئی۔

"ارے.......... میں چونک پڑا" کیا.......... "کیا وہ بھی جہاز کے ساتھ دلدل میں غرق ہوگئی؟" میری نگاہیں اسے چاروں طرف تلاش کرنے لگیں۔

زندہ بچ جانے والوں میں عورتیں بھی تھیں۔ جنہیں ایک سمت اکٹھا کردیا گیا تھا۔ کچھ مخصوص قسم کے لوگوں نے بچ جانے والے مسافروں کی ساری ذمہ داریاں اپنے سرپر لے لی تھیں۔ انہوں نے عورتوں کے لئے علیحدہ بندوبست کیا تھا۔ بہرحال اس طرف جانے کی ممانعت تو نہ ہوگی۔

میں اس طرف چل پڑا۔ ساری شکلیں تقریباً جانی پہچانی تھیں انہیں جہاز میں دیکھ چکا تھا لیکن میری نگاہیں ہوسٹس کو تلاش کررہی تھیں۔

اور لوگوں کی خدمتگار.......... اس وقت خود خدمت کی طلبگار تھی۔ وہ مجھے نظر آگئی۔ ایک طرف خون میں نہائی ہوئی تھی۔

میں بے ساختہ اس کی طرف دوڑا۔

"مسٹر۔ مسٹر پلیز۔ کیا آپ فارغ ہیں؟" ایک بوڑھے آدمی نے پوچھا۔

"جی فرمایئے۔"

"ان ہی خاتون کی بات کررہا ہوں۔ ان کے چہرے کا خون صاف کرکے بینڈیج کردیں۔ ہمارے پاس بینڈج کا سامان موجود ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ ضرور۔ ضرور۔" میں تیار ہوگیا۔

"تھینک یو۔" بوڑھے مستعد آدمی نے کہا اور بینڈیج کا کچھ سامان میری طرف بڑھا دیا۔

"کیا آپ ان کا زخم دیکھ چکے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ پیشانی کی کھال پھٹ گئی ہے۔ بائیں رخسار پر زخم آیا ہے۔ سر کی پشت زخمی ہوگئی ہے۔ باقی جسم محفوظ ہے۔"

میں پانی سے ہوسٹس کا چہرہ صاف کرنے لگا۔ وہ بے ہوش تھی۔

"گڈ۔ میرا خیال ہے تم یہ کام بخوبی کرلو گے؟" بوڑھے نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔

"جی ہاں۔ بے فکر رہیں۔ ویسے کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟"

"ہاں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "طیارہ جس وقت زمین تک پہنچا۔ زمین سے ٹکرایا اور زندگیاں باقی رہنے کا امکان نظر آیا تو میں نے پہلے اپنے آپ کو دیکھا۔ میں زندہ تھا۔ زخمی بھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ اپنے اپنے سامان کی تلاش میں سرگرداں تھے لیکن ایک ڈاکٹر کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ میں بخوبی جانتا تھا۔ چنانچہ میں نے جہاز کے دروازے سے باہر آنے سے قبل جو چیز تلاش کی وہ فرسٹ ایڈ کا ضروری سامان تھا۔ اور یہی سامان ایک ڈاکٹر کی سب سے پہلی اور سب سے اہم ضرورت ہوتا ہے۔"

"یقیناً ڈاکٹر۔" میں نے گردن ہلائی۔

"میرا نام جوزف ہے۔ اوکے۔ اب میں دوسرے لوگوں کو دیکھتا ہوں۔"

"ضرور۔ ضرور۔" میں نے ہوسٹس کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اس کے چہرے کو صاف کرتا رہا۔ پھر میں نے اس کے سارے جسم پر دوا لگائی اور بینڈیج کردی۔

عورت کچھ بھی ہو۔ کہیں بھی ہو۔ کچھ بھی بن جائے۔ معصوم ہوتی ہے۔ ایئر ہوسٹس جہاز میں تھی تو بے حد اسمارٹ نظر آتی تھی۔ ایسا لگتا تھا' جیسے پوری زندگی وہ کسی شخص کو خود پر حاوی نہ ہونے دے گی لیکن اب وہ بے ہوش تھی تو سارے جہاں کی معصومیت اس کے چہرے سے آچپکی تھی' میں اسے غور سے دیکھتا رہا۔ اب وہ بالکل ٹھیک تھی۔

لیکن ابھی آثار ہوش میں آنے کے نہیں تھے۔ میں اسے مزید آرام سے لٹا کر آگے بڑھ گیا۔ دوسرے بہت لوگ بھی ابھی امداد کے محتاج تھے۔ بہرحال بچ جانے والوں کی تعداد کافی تھی۔ میں نے قرب وجوار میں نگاہ دوڑائی اور تب پہلی بار میں نے اس ماحول کے بارے میں سوچا' چھوٹا سا سنگلاخ چٹانی میدان تھا۔ میدان کے انتہائی سرے پر درختوں کے جھنڈ نظر آرہے تھے۔ جس طرف دلدل تھی اس طرف بھی ایک چھوٹا سا میدان درختوں کی حدود تک گیا تھا۔ پورا میدان دلدلی تھا ممکن ہے درختوں سے کچھ پہلے سخت زمین ہو۔ ورنہ دلدل میں تناور درخت نہیں کھڑے رہ سکتے۔

اس ویرانے میں زندہ بچ جانے والے کہاں جائیں گے۔ ابھی سب اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ زخموں سے چُور اذہان ابھی صرف زخموں کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ جب ان کی تکلیف میں کمی ہوگی تب وہ اس زبردست مصیبت کے بارے میں سوچیں گے جو آنے والی ہے۔

اور نہ جانے دل کے کس گوشے سے مسرت کی ایک ہلکی سی لہر کیوں ابھر آئی۔ میں فطرتاً ایڈونچر پسند ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری تفریحات شہروں تک محدود رہیں۔ ویرانہ گردی اس سے قبل کہیں نہیں کی تھی۔ نہ ہی ذہن میں اس کے بارے میں کوئی خیال تھا لیکن اب جبکہ ویرانے خود مجھ تک چلے آئے تھے تو ان کی دلکشی سے محظوظ نہ ہونا بھی کفرانِ نعمت تھا۔

اور پھر خاص طور پر ایسی شکل میں جب کہ کچھ حسین چہرے بھی موجود تھے۔ عورت کی دلکشی سے منکروں کی تعداد اول تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو ہیں ان پر کم از کم میں تو یقین نہیں کرسکتا۔ ویرانہ ہو یا آبادی' سمندر ہو یا خشک زمین۔ تنہا انسانوں کے بلکہ مردوں کے ایک گروہ کو چھوڑ دیا جائے' تو ان کی زندگی چند ہی دنوں میں بارِگراں بن جائے گی لیکن اگر ان کے ساتھ عورت کی چاشنی ہو تو ویرانے بھی گلزار نظر آتے ہیں۔ عورت۔ عورت۔ عورت ساری کائنات پر مسلط۔ ہر وجود پر حاوی۔ ہاں اس حقیقت سے انکار فریب ہے۔ صرف فریب۔ بہرحال آگے دیکھنا ہے کہ زندگی کون سا رخ اختیار کرتی ہے۔ میرا کیا ہے؟ کسی طویل میدان میں کھڑے ہوئے درخت کی مانند تنہا۔ نہ کسی کی یاد دل میں چٹکیاں لے گی۔ نہ کسی کے دل کا درد بنوں گا۔ زندگی سانسوں کی زنجیر۔ کہیں بھی گزر جائے۔ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہوں۔ زندہ رہنا جانتا ہوں۔ یہاں موجود لوگوں کے دلوں میں نہ جانے کون کون سے خیالات ہوں گے۔ نہ جانے کیا کیا جذبات ہوں گے۔ میں ان سارے خیالات' سارے جذبات سے مستثنیٰ تھا۔ اس پورے گروہ کا سب سے زیادہ بے فکر۔ سب سے زیادہ آزاد انسان۔

خیالوں کی زنجیریں کافی لمبی تھیں لیکن عقب سے آنے والی ایک آواز نے سلسلہ منقطع کردیا۔

"سنو۔" اور میں چونک کر پلٹا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپنے عادل اختر تھے۔

"اوہ۔ فرمائیے۔ فرمائیے۔" میں نے کہا۔

"بڑی گڑبڑ ہوگئی۔" بڑے میاں بوکھلائے ہوئے انداز میں بولے۔

"ارے کیا ہوگیا؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہے؟" عادل اختر بھنا کر بولے۔

"ہو سکتا ہے۔"

"تم خواہ مخواہ مجھے غصہ دلانے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟"

"غلط فہمی ہے محترم۔ بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"جہاز تباہ ہوگیا۔ نہ جانے کتنے افراد مرگئے اور تم تعجب سے پوچھ رہے ہو کہ کیا ہوگیا؟"

تو اس میں گڑبڑ کی کیا بات ہے؟"

"ارے تمہارا ستیاناس۔ کیا اس جنگل میں ہی سڑو گے؟" بڑے میاں دانت پیس کر بولے۔

"غالباً آپ کی عمر ۶۵ سال ہے۔ جبکہ یہاں بیس سے تیس سال تک کے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ آخر آپ زندگی سے کیوں چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔"

"تم خود مرجاؤ۔" بڑے میاں واپس مڑ گئے۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور ٹہلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ آزادی تھی۔ بظاہر کوئی کام نہ تھا جس طرح باقی لوگ زندگی گزاریں گے۔ میں بھی گزار لوں گا۔ ان کی جدوجہد میں بھی شریک ہوجاؤں گا۔ اپنے طور پر سوچنے کی ضرورت مجھے کیا پڑی ہے۔

تقریباً سارے زخمیوں کی مرہم پٹی ہوگئی تھی۔ ہمت والے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر حالات پر تبصرہ کررہے تھے۔ تینوں پائلٹ ہلاک ہوچکے تھے۔ مرنے والوں کی فہرست بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سب ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ تقریباً سارا سامان جہاز کے ساتھ دلدل میں غرق ہوچکا تھا۔

میں بھی ان کے ساتھ جاکھڑا ہوا۔ ایک ذہین صورت درمیانی عمر کا شخص کہہ رہا تھا۔

"اس مصیبت میں ہمیں چاہئے کہ خود کو ایک ہی خاندان کا فرد سمجھیں۔ مل جل کر ایک دوسرے کی امداد سے زندہ رہیں اور یہاں سے نکلنے کی سوچیں۔ میرے خیال میں سب سے پہلے ہمیں ایک دوسرے سے مکمل طور پر تعارف حاصل کرنا چاہئے۔ اس طرح ہمیں ایک دوسرے کا پروفیشن بھی معلوم ہوجائے گا اور ہم سوچیں گے کہ کون آدمی کس کام آسکتا ہے۔"

"بالکل مناسب خیال ہے۔ یہاں اس ویرانے میں ہم سب ایک جان ہیں۔ سب کو

ایک دوسرے سے توجہ کی ضرورت ہے۔ ہم میں سے کوئی خودغرض بن کر نہیں سوچے گا! میرے خیال میں سب لوگوں کے پروفیشن معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ یہاں، ہمیں کون کون سے لوگوں کی ضرورت ہوگی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تو پہلے ہم ایک دوسرے کے ناموں سے واقف ہوجائیں۔"

"شاہ رخ۔" میں نے اپنی باری آنے پر کہا اور تھوڑی دیر بعد سارے لوگ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرچکے تھے۔

"اب۔ سب سے پہلے ڈاکٹروں کا تعین ہوجائے۔ ہم میں ڈاکٹر کتنے ہیں۔"

جہاز کے مسافروں میں پانچ ڈاکٹر تھے۔

"بہت مناسب تعداد ہے۔ گو ہمارے پاس دوائیں نہیں ہیں لیکن بہرحال کسی آفت پر آپ کے بہتر مشورے تو مشعلِ راہ ہوسکتے ہیں۔"

"کیا ہم میں سے کوئی جغرافیہ داں ہے۔"

"میں.........." کیپٹن البرٹو نے کہا۔ "میں کچھ جانتا ہوں۔"

"اوہ.......... مسٹر البرٹو۔ کیا اس سے قبل آپ نے افریقہ کا سفر کیا ہے۔"

"ہاں۔ میں اس کے مختلف حصوں میں آچکا ہوں۔"

"خوب۔ کیا آپ یہاں سے آباد علاقوں کے رخ کا تعین کرسکتے ہیں۔"

"اس طرح نہیں۔ ہاں ہم ایک سمت اختیار کرکے چل پڑیں گے۔ پھر میں راستوں کا تعین کروں گا۔"

"بڑے قیمتی ہیں آپ۔ آپ کی رہنمائی کی اشد ضرورت ہوگی۔"

اسی طرح دوسرے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ پھر ایک شخص کو شکار کی تلاش پر لگایا گیا۔ اس کے سپرد غذا کی فراہمی تھی اور اس ٹولی میں، میں بھی شریک تھا۔

جہاز سے تھوڑا بہت سامان بچا کر لایا گیا تھا۔ جو اس وقت کھانے کے لئے سب میں تقسیم ہوگیا اور پھر سب آرام کرنے لیٹ گئے۔

میں نے ہوسٹس کی طرف رخ کیا تھا۔ وہ اب ہوش میں تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

"ہیلو مس۔ بدقسمتی سے مجھے آپ کا نام ابھی تک نہیں معلوم ہوسکا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"غنیمت ہے۔ آپ اس ماحول میں مسکرا سکتے ہیں۔"

"ماحول کی تبدیلیاں تو زندگی کے ساتھ ہیں۔ ان میں مسکرانا اور نہ مسکرانا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"بڑی شاندار بات ہے۔ افسوس عملے کے سارے لوگ مارے گئے۔"

"ہاں۔ مجھے بھی افسوس ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟" ہوسٹس بولی۔

"وہی جو زندگی کی ضرورت ہے۔ فرق صرف ہمارے سوچنے کا ہے۔ ہم نے چند حالات کا تعین کرلیا ہے۔ اگر ہم شہر میں رہتے ہیں۔ آرام دہ مکانات ہیں۔ تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم محفوظ ہیں۔ ہماری زندگی کی ضمانت ہے۔ حالانکہ بڑی احمقانہ بات ہے۔ زلزلہ آسکتا ہے۔ مکان گر سکتا ہے۔ سڑک پر حادثہ ہوسکتا ہے۔ کوئی بھی حادثہ ہماری زندگی ختم کردے۔ گویا زندگی کو خطرہ موجود ہے۔ میرے اپنے خیال میں یہی کیفیت یہاں بھی ہے۔ ہم ویرانے میں ہیں۔ زندہ بھی رہ سکتے ہیں۔ مر بھی سکتے ہیں۔ ان دو باتوں کے علاوہ تو اور کوئی خاص بات یہاں نہیں ہوگی۔"

"میرے خدا.......... آپ کی باتیں کس قدر حوصلہ بخشتی ہیں۔" ہوسٹس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ حوصلہ شکنی کررہی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ابھی تک۔ میں آپ کے نام سے ناواقف ہوں۔"

"ہوں۔ تو یہاں بھی آپ کو بکواس کرنے کی فرصت مل گئی۔" اچانک عقب سے آواز سنائی دی اور ہم دونوں چونک کر دیکھنے لگے۔

بوڑھا عادل اختر تھا۔

"مجھے صرف ایک بات کا افسوس ہے خاتون۔" میں نے کہا۔

"کیا؟" ہوسٹس مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس حادثے میں یہ بزرگ نہ جانے کس خوشی میں بچ گئے۔ اگر ان کی جگہ کسی

نوجوان کی زندگی بچ جاتی تو کتنا اچھا ہوتا۔"

"اجارہ داری ہے نوجوانوں کی کیوں۔ تم نوجوانوں نے تہذیب کی جو مٹی پلید کی ہے۔ اسے بس کیا کہا جائے۔ لعنت ہے تم پر۔" بڑے میاں بولے۔

"آپ کے سر میں تکلیف ہے قبلہ۔"

"تو پھر۔ تمہیں کیا۔"

"ڈاکٹر نے آپ کو بولنے سے منع کیا ہے۔"

"ڈاکٹر کی ایسی کی تیسی۔"

"تو آپ بولیں گے ضرور؟"

"کون روکے گا مجھے؟" بڑے میاں سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔

"بہتر ہے بولتے رہیئے۔" میں زچ ہوکر بولا۔ اور پھر ہوسٹس کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ "ہاں تو خاتون آخری بار۔ میں آپ سے آپ کا نام پوچھ رہا ہوں۔"

"آخری بار کیوں؟" ہوسٹس ہنس کر بولی۔

"خداحافظ۔" میں جھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہونے لگا لیکن ہوسٹس نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے۔ ارے۔ پلیز۔ آپ برا مان گئے۔"

"ہاں جانے دو جی۔ ان لوگوں کو منہ لگانا زیادہ اچھا نہیں ہوتا۔ آج نام پوچھیں گے۔ کل اظہار عشق کرنے لگیں گے۔ ارے اس نئی نسل کو اس کے سوا آتا کیا ہے۔" بڑے میاں بولے۔

"اے بوڑھے برگد۔ اپنی زہریلی چھاؤں سمیٹ کر یہاں سے دور ہوجا۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ تاریکی میں، میں تجھے اٹھا کر دلدل میں پھینک دوں اور تجھ سے نجات حاصل کرلوں۔" میں نے کہا۔

"دیکھ لیا۔ دیکھ لیا۔ یہ تہذیب ہے۔ لڑکی تم گواہ ہو۔ اس نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی ہے۔ اگر میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو براہ کرم اس کی نشاندہی کردینا۔ میرا قاتل اس شخص کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔" بڑے میاں نے واویلا کرنے والے انداز میں بولے۔

عجیب نامعقول شخص تھا۔ درحقیقت اس نے مجھے زچ کرکے رکھ دیا تھا۔ ہوسٹس

ہنس رہی تھی۔

"پلیز مسٹر۔" اس نے بوڑھے کو مخاطب کیا۔

"عادل اختر۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"بس اسی بات پر اختلاف ہے۔ انہوں نے دو دو ناموں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو۔ اب تو یہ فیشن چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔

"نہیں چھوڑوں گا۔ بالکل نہیں چھوڑوں گا۔ آخر کیا سمجھتے ہو مجھے۔"

"کیوں نہ آپ دونوں صلح کر لیں۔ کیا خیال ہے عادل صاحب۔"

عادل اختر کہئے۔" بڑے میاں نے احتجاج کیا۔

"کہہ کر دیکھیں۔" میں نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

"خیر........... خیر........... میرا نام عابدہ ہے۔" ہوسٹس بولی۔ اسے میرے برا مان جانے کا خطرہ تھا۔

"اور میرا عادل اختر۔" بڑے میاں بولے۔

"نہایت لغو نام ہے۔" میں نے ناک چڑھا کر کہا اور عابدہ ہنس پڑی۔

"خدا کی قسم.......... آپ دونوں کی نوک جھونک نے دل سے خوف کا احساس ہی ختم کر دیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"خوفزدہ یہ نوجوان ہوتے ہیں۔ ہم بوڑھے نہیں۔"

"ہم تو آپ ہی سے خوفزدہ ہیں قبلہ۔ ترقی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ۔" میں نے کہا اور پھر کافی دیر تک ہم فضول بکواس کرتے رہے اور یہ حقیقت ہے کہ شکی بوڑھا بڑی نایاب شے تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اس کی موجودگی کم از کم ذہن تازہ رکھے گی۔

پھر نیند آنے لگی اور خود کو ماحول کے رحم وکرم پر چھوڑ کر سو گئے۔

دوسری صبح سب اداس تھے۔ انہیں بے سروسامانی کا احساس ہو رہا تھا۔ اب یہاں اس خوفناک دلدل کے کنارے کسی قسم کا انتظار حماقت تھا۔ کرنل فریڈرک نے کہا کہ ہم سفر شروع کر دیں اور اس دوران سفری ضروریات پوری کی جائیں اور سفر کے لئے دلدل کے اس طرف کے جنگلات کا رخ کیا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف جانے کی سوچنا ہی حماقت تھی۔ چنانچہ جو کچھ مل سکا اسے ہتھیار کے طور پر نوجوانوں کے سپرد کر دیا گیا۔ عورتوں کو

قافلے کے درمیان لے لیا گیا اور مرد آگے پیچھے ہو گئے۔ یوں ہم نے جنگلات کا رخ کیا اور سست روی سے جنگلات میں داخل ہو گئے۔ عورتیں بہت خوفزدہ تھیں۔ زخمی بھی تھیں اس لئے انہیں سفر میں بہت مشکلات پیش آ رہی تھیں۔

تاہم چلنا ہی تھا اور ہم رات تک چلتے رہے۔ اس دوران سارے کام بخوبی ہوتے رہے۔ شکار بہت آسان ثابت ہوا۔ کئی جانور خود ہمارے سامنے شکار ہونے آ گئے اور ہم نے انہیں گھیر کر مار لیا۔ ان چھوٹے جنگلات میں شکار کی کیا کمی تھی۔

پھر رات ہو گئی اور آرام کے لئے ایک جگہ کا انتخاب کر لیا گیا۔ جنگل میں سب سے زیادہ خطرہ درندوں کا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے صرف آگ روشن کر لی گئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔

میر کارواں البرٹو تھا۔ ظاہر ہے اتنی جلدی وہ بے چارہ بھی کوئی رائے نہیں دے سکتا تھا۔ بہرحال عجیب سماں تھا۔ سب کے دلوں میں خوف جاگزیں تھا لیکن اس ناگہانی سے بچنا ان کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ ہمت سے کام لینا تھا۔ نہ لیتے تو کرتے بھی کیا۔

رات پھر میں نے عابدہ کے قرب میں گزاری۔ وہ بھی مجھ سے مانوس ہو گئی تھی۔ خوش بختی سے اس وقت عادل اختر صاحب ہمیں تلاش نہ کر سکے اور اس رات عابدہ نے مجھ سے کافی باتیں کیں۔ وہ مجھ سے متاثر معلوم ہوتی تھی لیکن تیسری رات اس قدر پُرسکون نہ تھی۔

اس کی وجہ عادل اختر صاحب تھے۔ انہوں نے دن میں ہی ہمیں تاک لیا تھا اور رات کو وہ ہمارے سروں پر براجمان ہو گئے۔

"آخر یہ سفر کب تک جاری رہے گا؟" وہ عجیب سے انداز میں بولے۔

"جب تک آپ زندہ ہیں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"نحوست بھی ایک چیز ہوتی ہے قبلہ۔"

"گویا میں منحوس ہوں۔"

"شکل سے ہی لگتے ہیں۔"

"ابے تو خود اپنی شکل تو دیکھ۔ میں کہتا ہوں بدتمیزی نہ کر۔ ورنہ اب بھی ان بوڑھی ہڈیوں میں بہت قوت ہے۔ میں تیری زبان بند کر سکتا ہوں۔"

"ارے۔ ارے۔ یہ بری بات ہے عادل صاحب۔" عابدہ نے مداخلت کی۔

"پھر عادل صاحب۔ میں کہتا ہوں میرا نام اختر عادل ہے۔ ویسے تم اسے نہیں دیکھ رہیں۔ میرے اوپر چوٹیں کررہا ہے۔" بڑے میاں آنکھیں نکال کر بولے۔

"آپ آرام کریں عادل اختر صاحب۔ ہم گفتگو کررہے ہیں۔" عابدہ نے کہا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا گفتگو کر رہے ہوگے۔" بڑے میاں گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"بھلا کیا؟" میں نے پوچھا۔

"وہی عشق و محبت کی باتیں۔ وہی چھچھورا پن۔"

"آپ نے عشق کیا عادل اختر صاحب؟" میں نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"سڑکوں پر نہیں کیا۔ گلیوں میں نہیں کیا۔ تم لوگوں نے معاشرے کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔"

"بہرحال کیا ضرور ہے۔ فرق صرف اتنا ہے آپ پوشیدہ طور پر گل کھلاتے تھے اور ہم جو کام کرتے ہیں کھل کر کرتے ہیں۔"

"اسی لئے تو ساری مصیبتیں آرہی ہیں۔" بڑے میاں بولے۔

"مس عابدہ۔ کیا آپ ان سے متفق ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں...........!" عابدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں' ہاں کیوں متفق ہوں گی۔"

"محترم عادل صاحب۔ میں عابدہ سے عشق کرتا ہوں۔ آپ کو کیا اعتراض ہے۔"

"وہ بے بس ہے یہاں تم اسے مجبور نہیں کرسکتے۔"

"کیا آپ بے بس ہیں عابدہ صاحبہ!"

"ہرگز نہیں۔" عابدہ خود بھی میرے ساتھ شریک ہوگئی تھی۔

"کیا آپ ان بوڑھے لوگوں کی مسلط کی ہوئی اخلاقی قدروں کی مخالف ہیں۔"

"یقیناً۔ یہ بے مقصد ہیں۔"

"تو پھر آئیے۔ ہم ان قدروں کے منہ پر طمانچہ رسید کردیں۔" میں نے کہا اور عابدہ کو آغوش میں لے لیا۔ عابدہ نے اعتراض کیا تھا لیکن بڑے میاں لاحول پڑھتے ہوئے اٹھ گئے تھے اور پھر وہ ہم سے کافی دور چلے گئے۔

"معاف کیجئے مس عابدہ۔ مجھے یقین تھا کہ اسی طرح ان سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔" عابدہ کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ تھی۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

لیکن اس رات کے بعد اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک پیدا ہوگئی۔ اس کے انداز میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اب وہ میرا بہت خیال رکھتی تھی۔ میرے زیادہ سے زیادہ قریب رہتی تھی اور میں نے اندازہ لگایا کہ ذہنی طور پر اس نے مجھے قبول کرلیا ہے۔ رہ گئے عادل اختر تو وہ اپنی عادت سے باز آنے والے کہاں تھے۔

جب بھی موقع ملتا تو مجھے بور کرنے بیٹھ جاتے۔

البرٹو اب کسی قدر پُرامید ہوگیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ہم بہرحال افریقہ کے بیرونی رخ کی طرف جارہے ہیں۔ یہ اندازہ اس نے راستے سے نہیں لگایا تھا بلکہ موسمی اثرات سے اس نے یہ نظریہ قائم کیا تھا۔

بہرحال امید افزا بات تھی۔ ابھی تک لوگوں میں بہترین تعاون چل رہا تھا۔ حالانکہ سفر کرنے والوں میں چند سرکش لوگ بھی تھے جن میں قابل ذکر جیک لوئیس تھا۔ ایک نوجوان اور قوی ہیکل آدمی صورت ہی سے غنڈہ نظر آتا تھا۔ عورتوں کے لئے وہ کافی تکلیف دہ تھا کئی بار مختلف لڑکیوں کے قریب جانے کی کوشش کی تھی لیکن بہرحال حد سے گزری ہوئی کوئی بات اس نے کبھی نہیں کی تھی۔

لڑکیوں کی شکایت پر اسے سمجھایا گیا تو وہ مان گیا تھا۔

اور پھر سفر کا گیارہواں دن شروع ہوگیا۔ لڑکیاں سفر کرتے کرتے تھک گئی تھیں۔ اب وہ اکثر روتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اس روز ایک حادثہ ہوگیا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت نے دم توڑ دیا تھا۔

سب لوگ افسردہ ہوگئے۔ اس وقت ہم ایک میدانی علاقے سے گزر رہے تھے۔ خشک اور بنجر میدان تھا۔ جہاں جگہ جگہ پہاڑی کوہان ابھرے ہوئے تھے۔ عورت کو وہیں دفن کردیا گیا اور ہم نے اسی میدان میں قیام کیا۔ رات بڑی خاموش خاموش تھی۔

عابدہ میرے نزدیک ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ گردن جھکائے ہوئے۔ کافی دیر کے بعد اس نے زبان کھولی۔ "شاہ رخ۔"

"ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ہم صحیح سلامت مہذب دنیا تک پہنچ جائیں گے۔"

"یقیناً!"

"پورے اعتماد سے کہتے ہو۔"

"ہاں!"

"لیکن آثار۔"

"آثار کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

"میں تمہاری عظمت کا اعتراف کرتی ہوں شاہ رخ۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کون ہے جس کے چہرے پر تفکرات کے آثار نہیں ہیں۔ سوائے تمہارے، یقین کرو۔ تم ان سب میں سے الگ انسان ہو۔ میں نے اکثر تمہارا چہرہ دیکھا ہے۔ تم اس پورے ماحول سے اس طرح لاپرواہ ہو۔ جیسے یہ سب سفر کررہے ہوں اور تم کوئی فلم دیکھ رہے ہو۔"

"میں زندگی سے ہارنے والوں میں نہیں ہوں عابدہ۔ میں جانتا ہوں سانس کی انتہا ہے کسی بھی وقت ہوجائے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سانس جاری ہے تو منزل کا وجود بھی ہے۔"

"اوہ............ اوہ۔ تمہاری باتیں رگ وپے میں زندگی دوڑادیتی ہیں۔ کیا تم شادی شدہ ہو شاہ رخ!"

"نہیں۔"

"دوسرے لوگ؟"

"کوئی نہیں۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"رئیس ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر ذریعہ آمدنی؟"

"کچھ اچھا نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"نقب زنی کرلیتا ہوں۔ تجوری توڑ لیتا ہوں۔ غرض بہت دولت کی ضرورت ہوتی ہے تو کسی نہ کسی طور حاصل کرلیتا ہوں۔"

"سچ؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"ہاں۔"

"میں یقین نہیں کرتی۔ میرے خیال میں تم ایسے انسان نہیں ہو۔"

"میرے سوچنے کا انداز مختلف ہے عابدہ۔ میں یہ سب کچھ کرتا ہوں۔ اس کے باوجود خود کو برا آدمی نہیں سمجھتا۔ میں ان برے لوگوں کے بارے میں سوچتا ہوں جو یہی سب کچھ کرتے ہیں جو میں کرتا ہوں۔ وہ بلیک مارکیٹنگ کرتے ہیں۔ اسمگلنگ کرتے ہیں اور بڑے آدمی کہلاتے ہیں۔ صرف کام کرنے کا انداز ذرا مختلف ہے۔ ورنہ کام ان کا بھی یہی ہے۔ پھر میں ذرا چھوٹے پیمانے پر یہ کام کرلیتا ہوں تو کیا برا ہے؟"

اور عابدہ لاجواب ہوگئی۔

کافی دیر تک وہ خاموش رہی۔ پھر اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "شاہ رخ۔"

"ہوں۔"

"اگر ہم مہذب دنیا تک پہنچ گئے تو تم پھر بھی یہی کام شروع کروگے۔"

"ظاہر ہے عابدہ۔ یہ میرا پیشہ ہے۔"

"شاہ رخ۔ اگر میں تم کو منع کروں تو؟"

"تم؟"

"ہاں شاہ رخ۔ اگر میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کرلوں۔ ہم دونوں ایک ہوجائیں اور اس کے بعد میں تم سے ایک مہذب زندگی گزارنے کی فرمائش کروں تو۔"

"مجھے سوچنا پڑے گا عابدہ۔"

"اوہ۔" عابدہ اداسی سے بولی۔ "میں دراصل اپنے جذبات کا امتحان لے رہی تھی۔"

"کیا؟"

"میں۔ میں سچ سچ تم سے محبت کرنے لگی ہوں شاہ رخ۔ میں ساری زندگی تمہارے

ساتھ گزارنے کی آرزو رکھتی ہو۔ میں نے تمہاری نگاہوں میں اپنی حیثیت معلوم کرنا چاہی تھی۔"

"تمہاری محبت سے تو میں انکار نہیں کرسکتا عابدہ لیکن.........."

"کوئی بات نہیں ہے شاہ رخ۔" عابدہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

اور اس دن کے بعد سے عابدہ اداس رہنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے چراغ بجھ گئے۔ مجھے افسوس تھا لیکن میں خود کشمکش میں تھا۔ میں اس سے وعدہ کیسے کرلیتا۔

تب سفر کا سولہواں دن شروع ہوگیا۔ البرٹو اب بھی پُرامید تھا۔ جبکہ دوسرے لوگ سب مایوس ہوگئے تھے۔ سب کے چہروں پر بیزاری نظر آرہی تھی۔ سیاہ رنگ کے پہاڑوں کا ایک وسیع علاقہ تھا، جہاں جگہ جگہ غار تھے۔ شکار کا گوشت، پانی وافر مقدار میں موجود تھا۔ اس لئے طے لیا گیا کہ اب چند روز یہاں آرام کیا جائے گا۔ تاکہ مسلسل سفر کی تھکن دور کرکے تازہ دم ہوجایا جائے۔

اس بات سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور قیام کے لئے مناسب جگہوں کا انتخاب کرلیا گیا۔ پورا دن لوگوں نے مختلف کاموں میں گزارا۔

اور شام کو پروفیسر ٹینس نے نوجوانوں کو جمع کرکے ایک خوفناک انکشاف کیا۔

"میں نے جس غار میں قیام کیا وہاں ایک عظیم خزانہ موجود ہے زیورات، جواہرات، اور سونے کے بکسوں پر مشتمل۔ چونکہ ہماری پوزیشن اس وقت ایک خاندان کی سی ہے۔ اس لئے میں نے دیانتداری سے سب کو آگاہ کردیا۔ ہم خزانہ آپس میں تقسیم کرلیں گے اور اگر زندہ بچ گئے تو.........."

اور میں نے سوچ لیا کہ اب اس گروہ میں پھوٹ پڑی۔

سب نے خزانہ دیکھا اور پھر میری پیشگوئی بھلا غلط کیسے ہوسکتی تھی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ سامنے آگیا۔ تیسرے دن ہی نتیجہ سامنے آگیا۔ خزانہ جمع کرلیا گیا اور اسے تقسیم بھی کرلیا گیا تھا۔ سب نے اپنے اپنے حصے اپنے پاس رکھ لئے تھے لیکن بہت سی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔

اور ان میں جیک لوئیس پیش پیش تھا۔ نوجوانوں کی کاناپھوسی پر میں بخوبی غور کررہا تھا۔ جیک لوئس نے بارہ نوجوانوں کو اپنے ساتھ شامل کرکے ایک گروہ بنالیا تھا۔

اور بالآخر تیسری رات انہوں نے کارروائی شروع کردی۔ تاریک رات میں جیک

لوئیس اور اس کے ساتھیوں نے سارے خودساختہ ہتھیار لوگوں کے پاس سے چرالئے۔ دوسری صبح جب سب جاگے تو جیک لوئیس اور اس کے ساتھی ہتھیاروں سے لیس ایک جگہ جمع تھے۔ ان کے چہروں پر خوفناک تاثرات نظر آرہے تھے۔

"سنو۔ ان ویرانوں میں، جہاں ہم ابھی زندگی اور موت کا یقین نہیں کرسکتے۔ میں نہیں چاہتا کہ کچھ لوگ وقت سے پہلے مرجائیں۔ اس لئے میں تمہارے سامنے ایک تجویز رکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے جیک؟" بوڑھے فریڈرک نے کہا۔

"اس خزانے پر ہمارا حق ہے۔ دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے ان واقعات سے کہ طاقتور کو ہمیشہ افضلیت حاصل رہی ہے۔ میں اور میرے ساتھی تم سب کو موت کی نیند سلاسکتے ہیں۔ چنانچہ اگر زندگی چاہتے ہو تو اپنے خزانے سے دستبردار ہوجاؤ۔ خزانہ ایک جگہ جمع کردو اور یہاں سے ہمارے تمہارے راستے الگ ہوجائیں گے۔ ہم اپنے ساتھ ایک عورت بھی لے جائیں گے۔ یہ ہمارا حق ہے اور ہمیں اس سے کوئی نہ روک سکے گا۔"

"لیکن جیک۔ یہ ناانصافی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہے۔ بولو کیا تم تیار ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" جوشیلے تھامپسن نے کہا۔

"تو پھر سنو۔ جو لوگ مجھ سے تعاون پر آمادہ ہوں۔ وہ اپنا حصہ ایک جگہ رکھ کر دور چلے جائیں۔ باقی لوگوں کو دیکھ لیا جائے گا۔"

"ہمیں ہمارے ہتھیار واپس کردو۔ اس کے بعد فیصلہ ہوجائے گا۔"

"میں نے ان ہتھیاروں کے حصول کے لئے رات بھر محنت کی ہے۔"

"ہم اتنے بزدل بھی نہیں ہیں جیک۔" تھامپسن نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم میں سے کوئی میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے؟" جیک نے خونخوار نگاہوں سے دوسرے لوگوں کو دیکھا لیکن میں نے دیکھا کوئی بھی خزانہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔

تب میں نے مسکراتے ہوئے عابدہ کو مخاطب کیا۔

"کیا خیال ہے؟"

"میں۔ میں۔ مجھے خزانہ نہیں چاہئے۔"

"ویری گڈ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر میں نے بوڑھے عادل اختر کو مخاطب کیا۔ "آپ کا کیا خیال ہے جناب عادل اختر صاحب!"

"اس کی ایسی تیسی۔ میری ہڈیوں میں ابھی بہت قوت ہے۔"

"گو آپ اس قابل نہیں ہیں لیکن محبت کا ایک ہی مشورہ دوں گا آپ کو۔"

"کیا؟"

"خزانے سے دستبردار ہو جاؤ۔"

"لیکن یہ زیادتی ہے۔"

"اسے قبول کرو۔ میرا یہی مشورہ ہے۔" میں نے کہا اور پھر میں تیسرے شخص کی طرف بڑھ گیا۔ جس کا نام البرٹو تھا۔

"مسٹر البرٹو۔"

"ہوں۔" البرٹو چونک پڑا۔

"میں آپ سے کچھ ذاتی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے۔"

"میری خواہش ہے کہ آپ بھی خزانہ چھوڑ دیں۔"

"اوہ۔"

"اور اس کے بعد تماشہ دیکھیں۔ یہ تماشا روکنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے۔"

"شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ افسوس چمکدار شے یہاں بھی آ گئی۔"

تب میں نے اپنا حصہ سب سے پہلے رکھتے ہوئے جیک لوئیس کے حق میں دستبرداری کا اعلان کیا۔

سب نے نفرت کی نگاہ سے مجھے دیکھا تھا۔

پھر میرے بعد عادل اختر اور پروفیسر البرٹو نے اور آخر میں عابدہ نے۔ ہم نے اپنے حصے زمین پر ڈھیر کر دیئے۔ جیک لوئیس نے ہمارے اقدام کی تعریف کی تھی۔ پھر اس نے کہا تھا۔

"ذہین لوگو، تم نے ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ تم یہاں سے فوراً آگے بڑھ جاؤ

اور اتنی دور چلے جاؤ کہ ہمیں تمہارے بارے میں کوئی شک نہ رہے۔ اس کے علاوہ میں دوسرے لوگوں کو صرف پندرہ منٹ دیتا ہوں فیصلہ کر لیں اور اس کے بعد.........!"

تھامپسن نے ہمیں برا بھلا کہا تھا۔ میں نے البرٹو اور عادل اختر کو اشارہ کیا۔ ہم پر آوازے کسے گئے تھے لیکن میں روانہ ہو گیا۔ عابدہ میرے ساتھ تھی۔

ہم نے ایک لمبا راستہ اختیار کیا اور کافی دور نکل گئے۔ پھر میں رک گیا۔

"کیوں؟" عادل اختر نے پوچھا۔

"کیا آپ رکیں گے نہیں مسٹر عادل اختر۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم نے خزانہ چھوڑا نہیں ہے۔"

"کیا تمہارے دماغ کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے ہیں۔" عادل اختر حسب معمول بگڑ گیا۔

"آؤ دوستو!" میں نے کہا۔ البرٹو معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ عابدہ بھی حیران تھی۔ میں ایک سیاہ پہاڑی کی طرف بڑھ گیا اور پھر ہم تھوڑی سی جدوجہد کے بعد پہاڑی پر پہنچ گئے۔

اور اس وقت ہمیں شور کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پہاڑی کی بلندیوں سے ہم نے دیکھا۔ میدان کار زار گرم ہو گیا تھا۔ جیک اور اس کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا تھا اور نہتے لوگ زبردست مدافعت کر رہے تھے۔ عورتیں دہشت سے چیخ رہی تھیں۔

"میرے خدا۔ میرے خدا۔" البرٹو غمگین لہجے میں بولا۔

"دولت۔ ایسے ہی کھیل دکھاتی ہے مسٹر البرٹو۔"

"کیسے دیوانے ہیں یہ لوگ۔ ابھی انہیں اپنی زندگی پر یقین نہیں ہے لیکن یہ دولت کے لئے لڑ رہے ہیں۔"

"مجھے علم تھا پروفیسر۔"

"میں تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔"

"لیکن اب تم کیا تیر مارو گے؟" عادل اختر نے کہا۔

"صرف انجام دیکھیں گے مسٹر عادل اختر اور پھر یہاں سے چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسی دولت کس کام کی جو انسان کو انسان نہ رہنے دے اور دیکھو۔ دیکھو۔ چمکدار سکوں نے سرخ لہو کی قیمت کس قدر گرا دی۔"

عابدہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

"افسوس۔ افسوس۔" وہ سسکتے ہوئے بولی۔ "کل تک یہ کس قدر یگانگت سے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک تھے۔ افسوس۔"

"ہاں۔ دولت کا رنگ صرف سرخ ہوتا ہے لال سرخ!" میں نے کہا۔

"لیکن اب ہم یہاں کیوں رکے ہوئے ہیں۔ نکل چلو یہاں سے۔" عادل اختر صاحب کے حواس بھی ٹھکانے آگئے تھے۔

"تماشہ مکمل ہوجانے دو عادل اختر صاحب۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مجھے۔ مجھے بھی وحشت ہورہی ہے شاہ رخ۔ نکل چلو۔" عابدہ نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ کئی زندگیاں۔ کئی زندگیاں۔" البرٹو نے کہا اور پھر اچانک وہ اچھل پڑا۔

"میرے خدا۔ میرے خدا وہ دیکھو شاہ رخ۔"

اور میری نگاہ بھی اس کے اشارے کی سیدھ میں دوڑ گئی۔

ایک سیاہ پہاڑی چٹان سے تین افریقی اتر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور دوسرے ہتھیار تھے اور وہ نہایت خاموشی سے اتر رہے تھے۔

"ارے۔ ارے۔ اب یہ سب مارے گئے۔" میرے منہ سے نکلا۔

"افسوس۔ ہم انہیں خبردار بھی نہیں کرسکتے۔" البرٹو بولا۔

اور درحقیقت خبردار کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔

جنگلی قریب پہنچ چکے تھے اور دوسرے لمحے خوفناک آوازوں کے ساتھ انہوں نے عقب سے حملہ کردیا۔

"کاش۔ کاش ہم ان کی مدد کرسکتے!" البرٹو ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ میں خاموش تھا۔ آپس میں الجھے ہوئے لوگ۔ بھلا ان سیاہ فام وحشیوں کا کیا مقابلہ کرسکتے تھے۔ ان میں بے شمار تو نہتے تھے۔ ہاں اگر وہ سب متحدہ ہوکر وحشیوں سے مقابلہ کرتے تو کامیابی ناممکن بھی نہیں تھی۔ ان کی تعداد وحشیوں سے کم نہ تھی۔ وحشیوں کے آنے کا انداز اتنا خطرناک نہ تھا کہ ان پر قابو نہ پایا جاسکتا۔

لیکن اب وہ وحشیوں کا شکار بن رہے تھے۔ جیک لوئس کو میں نے اپنی نگاہوں سے زمین پر گرتے دیکھا۔ بہت سے لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن وحشیوں نے انہیں نشانہ بنالیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ وحشی جنگلیوں

نے عورتوں کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔

میدان صاف ہوگیا تھا۔ میں نے بمشکل تمام عابدہ کو سنبھالا ورنہ وہ چیخ پڑتی۔ وہ میرے سینے سے لپٹی زاروقطار رورہی تھی۔

عادل اختر اور پروفیسر البرٹو پاگلوں کی طرح وحشیوں کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ وحشی اب خزانہ جمع کررہے تھے۔ شاید غار میں موجود خزانہ ان کا تھا اور وہ خزانہ لے جانے والوں کی تلاش میں آئے تھے۔ سارا خزانہ جمع کرنے کے بعد انہوں نے اپنے سروں پر لادا' اور واپس چل پڑے!

تب ہم نے طویل سانس لی تھی۔

"خدا کی پناہ!" البرٹو بولا۔

"کھیل ختم ہوگیا۔" عادل اختر نے کہا۔

"ہاں کھیل ختم ہوگیا۔"

"لیکن ایک بات بتاؤ شاہ رخ۔" عادل اختر خلافِ توقع نرم لہجے میں بولا۔

"ضرور۔"

"تمہیں ان وحشیوں کی خبر کیسے ہوگئی تھی۔"

"مجھے ان کی کوئی خبر نہیں تھی مسٹر عادل' اوہ' معاف کیجئے گا اختر بھی۔"

"پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ تم نے ان لوگوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔"

"ہاں۔"

"اور اس اتفاق نے ہماری زندگیاں بچالیں۔"

"قدرت کو ہماری زندگی مقصود تھی۔" البرٹو نے کہا۔ "مگر اب کیا پروگرام ہے۔"

"ہمیں بدستور آپ کی مدد کی ضرورت ہے مسٹر البرٹو۔"

"مجھے یقین ہے ہمارا راستہ درست ہے۔" البرٹو نے جواب دیا۔

"لیکن ہم آج سفر کے قابل نہیں ہیں۔"

"کل چلیں گے۔" میں نے کہا۔

"اور اگر یہ لوگ پھر واپس آگئے۔" عادل اختر نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے اب اس کا امکان نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ خزانہ لے جانے والوں کی تلاش میں آئے تھے اور اب خزانہ لے کر واپس جاچکے ہیں۔" البرٹو نے جواب دیا۔ اور ہم سب خاموش ہوگئے۔ بہرحال ہم نے دوسرے دن سے سفر پھر شروع کردیا۔ اب ہم سب سنجیدہ ہوچکے تھے۔ عابدہ کی گو حالت خراب تھی لیکن وہ کافی ہمت سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔

سفر سست رفتاری سے جاری رہا۔ یہی قدرت کی مہربانی تھی کہ ہمیں شکار ملتا رہا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑی تھی۔ سفر کے ساتویں دن البرٹو چیخ پڑا۔

"اوہ۔ اوہ شاہ رخ مبارک ہو۔ ہم آبادی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ یہاں سے میں پورے وثوق سے راستے کی راہنمائی کرسکتا ہوں۔ میں اس علاقے میں پہلے بھی آچکا ہوں۔" اور درحقیقت البرٹو کے ان الفاظ سے ہمارے جسموں میں نئی زندگی دوڑ گئی۔

بعد کے تین دن کا سفر بہت تیز رفتاری سے کیا گیا تھا۔ سفر کے آخری مراحل میں عابدہ کا بوجھ مجھے اپنی کمر پر لادنا پڑا۔ اب اس میں چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی اور پھر تیسرے دن ہم نیروبی میں داخل ہوگئے۔

بے سروسامانی کی حالت تھی لیکن بہرحال ہم نے ایک عمدہ سے ہوٹل میں قیام کیا اور زندگی میں آخری بار ہوٹل کے اخراجات کی ادائیگی کے لئے میں نے ہاتھ کی صفائی دکھائی۔ میں نے ہوٹل ہی کے ایک مالدار شخص کو تلاش کرلیا تھا اور بہرحال میں اپنے فن کا ماہر تھا۔

کسی کو آج تک نہیں معلوم کہ یہ رقم میں نے کہاں سے حاصل کی تھی لیکن بہرحال وہ ہم سب کے کام آئی اور ہم نے اپنے اپنے ملک کا راستہ اختیار کیا۔

آج۔ عابدہ شاہ۔ میری بیوی ہے۔ ہمارے دو خوبصورت پیارے پیارے بچے ہیں۔ عابدہ بدستور اپنی ایئرلائنز میں ملازم ہے۔ البتہ اس نے ہوسٹس کی ملازمت چھوڑ دی ہے اور دفتر ہی کا کام کرتی ہے۔ میں ایک بنک میں ملازم ہوں۔ بنک کی طرف سے ہمیں ایک چھوٹا سا لیکن خوبصورت مکان ملا ہوا ہے اور زندگی سکون سے گزر رہی ہے۔ ہمیں دولت سے بے انتہا نفرت ہے۔ جو کماتے ہیں کھاتے ہیں اور عیش سے زندگی بسر کررہے ہیں۔

☆======☆======☆

سمندر کی امانت

ایک سنہری مجسمے کے حصول کی کشمکش کی کہانی جو سمندر کی تہہ میں تھا۔ لوگ اسے قہر اور نحوست کا دیوتا کہتے تھے۔ ایک خوفناک جزیرے کا قصہ جو موت کا مسکن تھا۔

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ممنوعہ علاقہ تاریک اور ویران تھا۔ تھوڑی دوری پر سیاہ سمندر تاحدِ نگاہ لہروں کے سفید جھاگ سے چمک رہا تھا۔ یہ سمندر کے اٹھان کا زمانہ تھا۔ اس لئے طوفانی موجیں پُر شور آواز میں ساحل کی جانب لپک رہی تھیں لیکن سیاہ اور لمبی آبدوز پر چند افراد خاموش کھڑے ہوئے سامنے سے آنے والے راستے پر کسی کے انتظار میں نظریں جمائے کھڑے تھے۔ پُروقار انداز میں کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد چھ تھی۔ یہ سب بحریہ کی وردی میں تھے اور بارش سے بچنے کا لباس پہنے ہوئے تھے۔

"بارش تیز ہو گئی ہے ایڈمرل' کیا ایسی بارش میں جنرل شاہنواز کی آمد ممکن ہے؟"

"اگر وہ نہ آتے تو اب تک اطلاع آ چکی ہوتی لیکن ابھی آدھے گھنٹے قبل ہی ان کا فون ملا تھا کہ وہ پہنچ رہے ہیں۔"

"لیکن آدھا گھنٹہ قبل بارش شروع نہیں ہوئی تھی۔"

"انتظار کئے لیتے ہیں۔ اگر نہ آئے تو دیکھا جائے گا۔" ایڈمرل نے جواب دیا لیکن اسی وقت دور سے نظر آنے والے ناہموار راستے پر جو خاردار تاروں کے درمیان سے گزرتا تھا' کسی گاڑی کی دو تیز روشنیاں نظر آئیں اور ایڈمرل ناصری نے گہری سانس لی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"فوجی زندگی میں یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بے حقیقت ہوتی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سب کی نگاہیں سامنے ہی تھیں۔ روشنیاں آخری چیک پوسٹ پر رُک گئیں جو وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دور تھی اور اس جگہ سے صاف نظر آتی تھی۔ یہاں تک پہنچنے کے لئے چار چیک پوسٹ سے گزرنا ہوتا تھا اور یہ آخری چیک پوسٹ تھی۔

گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں چند متحرک سائے نظر آئے۔ یہ غالباً چیک پوسٹ کے سپاہی تھے جو کاغذات وغیرہ چیک کر رہے ہوں گے۔ اس کے بعد چیک پوسٹ کی رکاوٹ بند ہو گئی جس کے درمیان سرخ روشنی تھی۔ وہ سب مستعد ہو گئے۔

یہ ایک مخصوص فوجی ٹھکانہ تھا جہاں آبدوز کو ساحل تک لانے کا انتظام تھا۔ یہ ایک

زیر زمین عمارت تھی جو آبدوزوں کو ایندھن مہیا کرتی تھی۔ تیل کا بہت بڑا ذخیرہ آبدوزوں کے لئے مخصوص تھا اور یہاں بیس آدمیوں پر مشتمل بحری سٹاف ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا ورکشاپ بھی تھا جہاں چھوٹی موٹی مرمت کا بہترین بندوبست تھا لیکن یہ ورکشاپ صرف مخصوص حالات میں مصروفِ عمل رہتا تھا۔ عام طور سے یہاں کام نہیں ہوتا تھا۔

تیل کے ڈپو اور ورکشاپ میں کام کرنے والوں کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لئے وہ سب اپنی جگہوں پر تھے اور شاید باہر ہونے والی بارش کا ابھی انہیں علم بھی نہیں ہوا تھا۔

لینڈ روور بالآخر کنارے پر پہنچ گئی اور اس کی روشنیاں بند ہو گئیں۔ لمبی لمبی نفیس برساتیاں اوڑھے ہوئے سات افراد نیچے اترے اور آبدوز کے رابطے کے پُل پر پہنچ گئے جو ایک میکنزم کے تحت آبدوز سے کنارے تک آیا تھا اور اس کے بعد اسے واپس اپنی جگہ لوٹ جانا تھا۔

آبدوز پر کھڑے ہوئے لوگوں نے روشنیاں لہرا کر خوش آمدید کے سگنل دیئے اور لینڈ روور سے اترنے والے پُل طے کر کے ان کے قریب پہنچ گئے۔ ایڈمرل نے آگے بڑھ کر ایک طویل القامت شخص سے مصافحہ کیا۔ سفید دستانے میں لپٹے ہوئے طویل القامت آدمی کے چوڑے اور مضبوط ہاتھ میں ایڈمرل کا ملائم ہاتھ کسی ننھے سے بچے کی مانند تھا۔ گو طویل القامت شخص نے نہایت نرمی سے مصافحہ کیا تھا لیکن ایڈمرل کو خطرہ محسوس ہوا کہ اگر ذرا سا بھی دباؤ اس ہاتھ کا اس کے ہاتھ پر پڑ جائے تو اس کے ہاتھ کی ہڈیاں اوپر نیچے ہو جائیں گی۔

اس کے بعد بارش کو نظر انداز کرتے ہوئے ایڈمرل نے آبدوز کے مختصر سے اسٹاف کا تعارف کرا کر فوجی اسپرٹ کا مظاہرہ کیا۔ طویل القامت شخص نے بھی اپنے ساتھیوں کا تعارف کرا دیا جن میں دو لڑکیاں تھیں۔ ایک خوبصورت لڑکی میجر طاہرہ تھی اور دوسری جنرل کی ذاتی سیکریٹری عذرا بھیم جی۔ اس کے بعد وہ لوگ آبدوز کی سیڑھیاں جو چمکدار دھات سے بنی ہوئی تھیں اور جن پر کھردری ربر کے پائیدان پیوست تھے' طے کرتے ہوئے نیچے کیبن میں آ گئے جہاں دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

آبدوز کے عملے کے دو افراد نے جو کیپٹن کا عہدہ رکھتے تھے معزز مہمانوں سے برساتیاں طلب کیں اور انہیں اتارنے میں مردوں کی مدد کی۔ میجر طاہرہ اور عذرا بھیم جی

نے اپنی برساتیاں اتار کر خود ان لوگوں کے حوالے کردی تھیں۔

چمکدار آنکھوں والے اور کھڑے نقوش کے وجیہہ چہرے والے جنرل شاہنواز نے مسکراتے ہوئے ایڈمرل کی طرف دیکھا اور بولا۔

"اس ناخوشگوار موسم میں ہماری آمد آپ لوگوں کے لئے خوشگوار تو نہیں ہوگی ایڈمرل؟"

"ہرگز نہیں' جنرل ہمارے فرائض موسم سے بے نیاز ہوتے ہیں۔" ایڈمرل نے خوش اخلاقی سے کہا اور ان لوگوں کی رہنمائی کرتا ہوا ایک کیبن تک آ گیا۔

آنے والوں نے برساتیوں کے نیچے حسبِ مراتب ہی وردیاں زیب تن کر رکھی تھیں جن سے ان کے عہدوں کا پتہ چلتا تھا۔ وردیاں نہایت نفاست سے استعمال کی گئی تھیں اور ان کے نشانات بالکل نئے اور چمکدار تھے جسے ایڈمرل نے نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

"ضروری گفتگو کرنے سے قبل میں نے آپ حضرات کے لئے کافی کا بندوبست کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ہم بے تکلفی کے ماحول میں پہلے کافی سے شغل کریں اور اس کے بعد جنرل میں آپ کو تکلیف دوں۔"

"کیوں نہ اس میں تھوڑی سی ترمیم کرلی جائے۔" جنرل نے کہا۔

"ضرور۔ فرمایئے؟" ایڈمرل بولا۔

"ہمارے اور آپ کے درمیان گفتگو میں کتنے افراد شریک ہوں گے؟" جنرل نے پوچھا۔

"میں اور میرے نائب مسٹر فیروز اس گفتگو میں شریک ہوں گے۔ آپ اپنی طرف سے جسے پسند کریں۔" ایڈمرل نے جواب دیا۔

"ترمیم یہ ہے کہ میں اور میری ذاتی سیکریٹری عذرا کیبن میں چل کر گفتگو کا آغاز کریں باقی لوگ باہر کی سیر کریں اور اس گفتگو کے دوران کافی کا دور چلتا رہے۔" جنرل شاہنواز نے کہا۔

"اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" ایڈمرل نے شانے ہلائے اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "معزز مہمانوں کو سب میرین کی سیر کے ساتھ کافی پلائی جائے۔ ہم لوگ کیبن میں جارہے ہیں۔" پھر اس نے اپنے نائب کو اشارہ کیا اور جنرل شاہنواز عذرا کو لے کر اس کے ساتھ کیبن میں داخل ہوگیا۔

آبدوز کے خوبصورت کیبن میں آرام دہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ جن کے درمیان سینٹر ٹیبل نصب تھی۔ وہ سب اس جگہ بیٹھ گئے۔ ایڈمرل نے اپنے نائب کو اشارہ کیا اور وہ ایک آہنی سیف کی طرف بڑھ گیا۔ اس سیف کو کھول کر اس نے چند فائل نکالے اور ابھی وہ انہیں سنبھال ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک دیوار میں نصب سرخ بلب ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ اسپارک کرنے لگا۔

"سرخ پیغام!" ایڈمرل حیرت سے بولا اور اس نے نائب کو اشارہ کیا۔ نائب نے جلدی سے فائل میز پر رکھے اور ایک کونے کی طرف بڑھ گیا جس کی دیوار میں وائرلیس مشین نصب تھی۔ اس نے ایک بٹن دبایا اور بولا۔ "یس ایڈمرل اسٹاف۔"

"خصوصی پیغام ایڈمرل تک پہنچایا جائے۔ جنرل شاہنواز کو ہیڈ سنٹر کی طرف جاتے ہوئے شدید زخمی کردیا گیا ہے۔ ان کے چار ساتھی قتل ہوچکے ہیں۔ اگر ان کے میک اپ میں کوئی شخص یا کچھ لوگ ہیڈ سنٹر پہنچیں تو انہیں گرفتار کرلیا جائے۔ ہم لوگ بہت جلد ہیڈ سنٹر پہنچ رہے ہیں۔ کیا پیغام نوٹ کرلیا گیا؟"

نائب بجلی کی سی تیزی سے پلٹا لیکن اسی وقت نقلی جنرل کی ذاتی سیکریٹری کے ہاتھ میں دبے ہوئے چھوٹے سے پستول سے خفیف سی آوازیں نکلیں اور دو گولیاں نائب کے سینے میں اتر گئیں۔ تیسری گولی نے اس کی پیشانی میں سوراخ کردیا۔ ایڈمرل نے خود بھی یہ پیغام سنا تھا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا اور پستول کی گول نال کا سوراخ اپنی پیشانی کی جانب اٹھا ہوا پایا۔ اس کا منہ کھلا اور بند ہوگیا۔ اسی وقت طویل القامت شخص اٹھا اور اس نے ایڈمرل کے ہولسٹر سے پستول نکال کر اپنے قبضہ میں لے لیا۔

"سوری ایڈمرل۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "تم باہر جاؤ ڈیئر اور ہاں ہمیں فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ دینی ہے۔" جنرل کی وردی میں ملبوس شخص نے جس کے بارے میں اب یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ وہ جنرل نہیں ہے اپنی سیکریٹری کو حکم دیا اور وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

باہر کا ماحول بے حد خوشگوار تھا۔ آبدوز کے مخصوص لوگ مہمانوں سے خوش گپیاں کررہے تھے اور کافی کا دور چل رہا تھا۔

"افسوس ساتھیو۔ وقت نے ہمیں اس خوشگوار ماحول سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں دیا۔" وہ بولی اور دوسرے لمحے اس کے ساتھیوں نے کافی کے کپ رکھ دیئے۔

ایڈمرل کے ساتھی اس اچانک تبدیلی پر حیران رہ گئے کہ معزز مہمانوں کو اچانک کیا ہوگیا ہے لیکن اس وقت وہ اچھل پڑے جب مہمانوں نے مخصوص ساخت کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول نکال لئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو گولی مار دی گئی۔

"جدوجہد کرنے والوں کی نگرانی میں کررہی ہوں تم لوگ فوراً آبدوز کا کنٹرول سنبھالو اور تیز رفتاری سے اسے گہرے پانی میں لے چلو۔" سیکریٹری نے حکم دیا اور وہ سب منتشر ہوگئے۔

چند ساعت کے اندر اندر آبدوز کے انجن اسٹارٹ ہوگئے اور اس نے اپنا ہینگر چھوڑ دیا۔ دوسرے لمحے وہ گہرے پانی میں جارہی تھی۔

اندر موجود طویل القامت شخص نے جیب سے تانت کی مضبوط ڈوری نکال کر اس سے ایڈمرل کے ہاتھ اس کی پشت پر کس دیئے تھے۔ وہ بے حد پُرسکون تھا اور اس نے باہر نکل کر حالات دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آبدوز جب چل پڑی تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

"بہت خاموش ہو ایڈمرل۔ کچھ باتیں کرو۔" اس نے پُرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور ایڈمرل خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"کون ہو تم؟" چند ساعت کے بعد اس نے پوچھا۔

"خادم کو اسپنک کہتے ہیں۔ ممکن ہے یہ نام کبھی آپ نے سنا ہو؟"

"کارمن اسپنک؟" ایڈمرل نے حیرت سے کہا۔

"آپ کی معلومات درست ہیں۔"

"ہاں تمہارا نام اجنبی نہیں ہے۔ تم ایک بین الاقوامی مجرم ہو۔ شاید آدھی دنیا میں اس وقت تمہاری تلاش جاری ہے۔" ایڈمرل نے کہا۔

"محبت ہے ان لوگوں کی ورنہ میں کس قابل ہوں۔" اسپنک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ بالکل ذاتی اس سے تمہارا کیا تعلق؟ یہ پروگرام تو شاید کسی ملک کے لئے بھی قابلِ توجہ نہیں ہے۔"

"کون سے پروگرام کی بات کررہے ہو ڈیئر ایڈمرل؟" طویل القامت بھیڑیئے نے پوچھا۔

"جس پر گفتگو کے لئے اس وقت جنرل شاہنواز میرے پاس آنے والے تھے۔"

"اوہ۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اس وقت مجھے ایک ذاتی ضرورت یہاں لے آئی ہے۔ تمہارے کسی پروگرام سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اوہ میں سمجھا' شاید تمہارا نائب یہ فائل اسی لئے نکال رہا تھا۔"

"ہاں جنرل شاہنواز کو اسی موضوع پر گفتگو کرنی تھی اور تم یقین کرو یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی جس سے کسی دوسرے ملک کو دلچسپی ہو۔ ہم اپنی فوجی بندرگاہ میں توسیع کے لئے نقشے بنارہے تھے۔ جنرل شاہنواز اس بارے میں گفتگو کرنے کے لئے میرے پاس آرہے تھے۔ میں نے خود انہیں سب میرین پر دعوت دی تھی۔ بس تھوڑی سی تفریح مقصود تھی۔ ورنہ یہ بات کہیں اور بھی ہوسکتی تھی۔"

"میں عرض کرچکا ہوں میرے عزیز دوست۔ میری اس وقت آمد تمہارے کسی پروگرام میں رخنہ اندازی کی غرض سے نہیں تھی۔ بلکہ مجھے یہ آبدوز درکار تھی۔ چونکہ میں تمہارے ملک میں تھا اور اپنے پروگرام کے آغاز کے لئے کوئی طویل راستہ نہیں اختیا
کرنا چاہتا تھا اس لئے یہ مختصر طریقۂ کار اختیار کرنا پڑا۔ تم محسوس نہ کرو۔" کارمن ا یار پنک
نے بدستور نرم اور پُرسکون لہجے میں کہا اور اپنی وردی کے بٹن کھولنے لگا۔

"لیکن اس کے لئے تم نے کئی بے گناہوں کو ہلاک کردیا۔ کیا باہر میہ
محفوظ ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے قتل کے بغیر یہ آبدوز یہاں سے نہ رے ساتھی
زندگی کا خوف بھی انہیں ایسی کسی حرکت کے لئے مجبور نہیں کرسکتا ں ہلی ہوگی۔
غمناک لہجے میں کہا اور اسپنک نے وردی کا کوٹ اتار کر ایک طرف ۔" ایڈمرل نے
آنکھوں میں تحسین کے جذبات ابھر آئے تھے۔ ڈال دیا۔ اس کی

"اپنے ساتھیوں پر یہ اعتماد قابلِ تحسین ہے۔ تمہارا خیال ، رست ہے۔ وہ سب قتل
کئے جاچکے ہوں گے میں نے اپنے لوگوں کو یہی ہدایت کی تھی۔ "

"افسوس۔ افسوس۔ تم نے اپنے ناپاک مقصد کے ۔ ئے بے گناہ انسانوں کا خون بہایا
ہے کیا تم یہ کوشش کسی اور طریقے سے نہیں کرسکتے تھے؟" ایڈمرل نے کہا۔ اس کے
چہرے پر شدید غم کے تاثرات تھے۔

"بہتے ہوئے خون سے مجھے کوئی ہمدردی نہ ں ہے مسٹر ایڈمرل۔" دفعتاً اسپنک کی
آواز کرخت ہوگئی۔ "یہ خون کوئی حیثیت نہیں ں رکھتا۔ انسان کا منصب ہے کہ وہ اپنے
مقصد کے حصول کے لئے بہتے ہوئے خو نا کی پرواہ نہ کرے۔ تمہیں علم ہونا چاہئے
ایڈمرل کہ میرا پورا خاندان ایسے ہی ایک مقصد کے لئے خاک و خون میں ڈوب گیا تھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ماں کی لاش کے ٹکڑے چنے اور انہیں دفن کیا۔ ان اعضا کو تلاش کیا جنھوں نے میری پرورش کی تھی۔ میں نے اپنے باپ کی خون اگلتی ہوئی لاش کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا تو میری چھاتی خون سے سرخ ہو گئی۔ میں نے اپنی چھوٹی سی بہن کے رندھے ہوئے سینے کو دیکھا تو اس کا ننھا سا دل اس میں موجود نہیں تھا۔ بہت تلاش کیا نہ مل سکا۔ میں نے اس معصوم وجود کو بھی دفن کردیا اور اس کے بعد ایڈمرل! جب میں اپنے گھر کے ٹوٹے ہوئے دروازے سے باہر نکلا تو دروازے کے نیچے کوئی چیز دب کر ٹوٹ گئی۔ خون کی سیاہ چھینٹیں میرے پیروں پر پڑیں تو میں نے دروازہ ہٹا کر دیکھا' ننھا سا چھوٹا سا دل تھا۔ میں نے اس پچکے ہوئے دل کو دروازے کے نیچے سے نکال لیا اور اسے اپنے حلق کے راستے سینے میں اتار لیا۔ ہنسو اس بات پر ایڈمرل کہ میرے سینے میں اب دو دل دھڑکتے ہیں۔ ہے نا ہنسنے کی بات۔" وہ ہنس پڑا۔

ایڈمرل تھوک نگل رہا تھا۔ پھر اس نے بے اختیار پوچھا۔ "یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟"

"بیکار باتیں ہیں۔ تم میرے کون ہو جو میں تمہیں اس بارے میں بتاؤں بس جتنا کہا ہے اس سے تمہاری تسلی ہو جانی چاہئے۔"

وہ کافی مجھے بتاؤ اسپنک' میں جاننا چاہتا ہوں۔ کارمن اسپنک کے خوفناک کارنامے لوگ
" لیکن کوئی اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ
نے سنے ہیں میں جانوں اور پھر یوں بھی دل کا غبار نکال دینے سے دل ہلکا ہو جاتا
تمہارے بارے
مجھے بتاؤ۔"

"بڑا منحوس م شورہ دے رہے ہو ایڈمرل۔ دل کا غبار ہی نکل گیا تو پھر کیا رہ جائے
گا۔ دل جب ہلکا ہو جائے تو انسان بزدل ہو جاتا ہے۔ سینے میں سلگتی ہوئی مشعل ہی تو زندہ
رکھتی ہے۔ جو سینے آگ سے خالی ہوتے ہیں وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔ بس اس موضوع
ختم کردو۔"

"ہوں۔" ایڈمرل نے گہری سانس لی اور پھر اپنے نائب کی لاش کو دیکھنے لگا۔ وہ سر
ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پھر غم کے تاثرات ابھر آئے۔ "تم نے مجھے کیوں زندہ رکھا
ہے؟"

"کوئی خاص مقصد نہیں ہے بس تفریحاً۔ یہ سارے لوگ تو مصروف رہیں گے۔
مجھے کمپنی دو گے اور پھر تمہارا خطرہ پیشِ نگاہ رہے گا اس سے تھوڑی مستعدی بھی رہے

ورنہ ماحول سُست ہو جائے گا۔ تھوڑی دور نکل جانے کے بعد میں تمہیں آزاد کردوں گا اور تم اپنی سازشوں کے لئے آزاد ہو گے۔ یہ میرا دلچسپ مشغلہ ہے۔ میرے دشمنوں کی تعداد جتنی بڑھتی جا رہی ہے میری زندگی اتنی ہی خوشگوار ہوتی جا رہی ہے جو مزا دشمنوں کے درمیان آتا ہے وہ دوستوں میں نہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔" ایڈمرل نے کہا۔

"سینے میں آگ جو نہیں ہے ایڈمرل' بہرحال مجھے چند منٹ کی اجازت دو ذرا باہر دیکھ آؤں لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ابھی واپس آتا ہوں۔" اسپنک نے ایڈمرل کا پستول جیب میں رکھا اور پھر مردہ نائب کا پستول بھی نکال کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کے بعد وہ باہر نکل گیا۔

ایڈمرل نے ایک گھٹی گھٹی سانس لی۔ وہ جس خطرے سے دوچار ہو گیا تھا اس کا اسے پورا پورا احساس تھا۔ یہ بات اس نے غلط نہیں کہی تھی کہ جنرل شاہنواز سے ملاقات سوفیصدی ذاتی نوعیت کی تھی کوئی ایسا راز اس گفتگو میں نہیں تھا جو کسی غیر ملکی ایجنٹ کے لئے باعثِ کشش ہو۔ نہ ہی آبدوز میں کوئی ایسی دوسری چیز تھی جس سے کسی اور ملک یا فرد کو فائدہ حاصل ہو سکے لیکن اب اسے ہونی ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطرناک آدمی اس وقت اس آبدوز کی تاک میں تھا اور صرف وقت اور تقدیر نے ان لوگوں کو اس حادثے سے دوچار کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد کارمن اسپنک واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر وہی پُرسکون لہریں نظر آ رہی تھیں جو اس کی شخصیت کا جزو تھیں۔

"سارے کام ٹھیک ٹھاک ہیں۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھی؟" ایڈمرل نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"ان میں سے کوئی زندہ نہیں ہے؟" وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"کیا تمہیں میری ذہنی کیفیت کا اندازہ ہے کیا تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہو گی؟"

"میں دوسروں کے بارے میں کبھی نہیں سوچتا۔" وہ پتھریلے لہجے میں بولا۔

"کیا یہ اچھی بات ہے؟"

"میں دنیا کا سب سے برا انسان ہوں۔" وہ یک بیک مسکرا دیا۔

"اخلاقی قدریں بھی کوئی چیز ہوتی ہیں کم از کم اس لاش کو تو میرے سامنے سے ہٹا

دو۔" ایڈمرل نے کرب سے کہا۔

"اس کے لئے تھوڑا سا انتظار کرنا ہو گا ایڈمرل۔ ہم تمہاری سمندری حدود سے نکل جائیں۔ اس کے بعد آبدوز کو سطح پر لا کر ان لاشوں کو سمندر میں پھینک دیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت اس ساحل پر اور یہاں سے دور دور کوئی آبدوز موجود نہیں ہے جو ہمارا تعاقب کر سکے لیکن بحری جہازوں کی موجودگی خطرناک ہے۔ ممکن ہے کوئی جہاز تعاقب کرے۔ اس لئے ہماری کوشش ہے کہ ہم یہاں سے دور پُرسکون علاقے میں پہنچ جائیں اس کے بعد باقی کاموں کے بارے میں سوچیں گے۔"

"ایک بات بتاؤ کارمن؟" ایڈمرل نے پوچھا۔

"ضرور۔ ضرور۔ پوچھو۔"

"کیا تمہارے ساتھیوں میں ایسے لوگ شامل ہیں جو آبدوز کو بہتر طور پر آپریٹ کر سکیں۔" ایڈمرل نے پوچھا اور کارمن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں بلاشبہ میرے تمام ساتھی اس قسم کی آبدوز کے لئے بہترین تربیت یافتہ ہیں' میں خود ٹیکنیشن ہوں اور ہر قسم کی خرابی دور کر سکتا ہوں۔ دراصل مسٹر ایڈمرل کارمن اسپنک ایک پورے گروہ کا نام ہے یہ گروہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلا ہوا ہے اور ہر جگہ میرے آدمی موجود ہیں جو میرے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں اور میرے لئے کام کرتے ہیں۔ کام کی جو بھی نوعیت ہو میں ایسے لوگوں کا انتخاب کر لیتا ہوں اور بس مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی میرے ساتھیوں میں ایسے ماہرین موجود ہیں جو سب میرین کی زندگی کے سارے رموز سے واقف ہیں چنانچہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے" اسپنک نے جواب دیا۔ اور ایڈمرل ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلانے لگا۔

"ویسے اسپنک تمہاری زندگی کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟" ایڈمرل نے سوال کیا۔

"ان کا تعین تو میں خود بھی نہ کر سکا آج تک' بس سینے میں سلگتی ہوئی مشعل کبھی کبھی بھڑکتی ہے اور میں کوئی ایسا پروگرام بنانے لگتا ہوں جو زندگی کو خطرات سے دوچار کر دے۔ میری زندگی بھی بڑی عجیب ہے ایڈمرل' آپ یقین کریں کہ میں ہر جگہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر جاتا ہوں اور ہر مہم جوئی کے وقت میرے ذہن میں یہی خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ میری زندگی کی شام کا پیغام ہو لیکن زندگی ہے کہ طویل سے طویل تر ہوتی چلی جا رہی ہے' موت بھی شاید مجھ سے خفا ہو گئی ہے' مرنے کی کسی بھی کوشش کو میں نے نظر انداز نہیں کیا لیکن اب اس بات کا کیا کروں کہ یہ زندگی اتنی طویل ہو گئی ہے۔"

"جب تم نے مجھے گفتگو کے لئے منتخب ہی کیا ہے اسپنک تو میرا دل چاہتا ہے تم سے بہت سے سوالات کروں۔" ایڈمرل نے کہا اور اسپنک گردن ہلانے لگا۔

"میری طرف سے اجازت ہے ایڈمرل جو خیال ذہن میں آئے اور جس سلسلے میں تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہو ضرور پوچھو۔" اسپنک نے کہا۔

"تم نے اس آبدوز کا تعین کس طرح کیا تھا؟"

"بس میری معلومات۔ جس سلسلے میں کام کرتا ہوں اس کے لئے میں بہت ہی سائنٹیفک طریقے سے کام کرتا ہوں اور ساری معلومات مہیا ہونے کے بعد آپریشن شروع کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آبدوز کے ٹینک پٹرول سے بھرے ہوئے ہیں اور یہ مناسب سفر کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں خوراک کی خاصی مقدار موجود ہے' اس کی مشینری بالکل درست ہے کیونکہ یہ آبدوز تم نے بہت ہی تھوڑا عرصہ ہوا فرانس سے خریدی ہے۔"

"خوب' تمہاری معلومات قابلِ تحسین ہیں۔"

"اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے مسٹر ایڈمرل' میں موت کا خواہاں ضرور ہوں لیکن اپنے ساتھیوں کو بے کسی کی موت کا شکار نہیں بنانا چاہتا اس لئے اندھے اقدامات سے گریز کرتا ہوں۔" اسپنک نے کہا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس آبدوز کو اغوا کر کے تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں ہاں ضرور' تم تو اب اپنوں ہی میں سے ایک ہو' کم از کم اس وقت تک جب تک میرے مشن کی تکمیل نہیں ہو جاتی۔ اگر تمہارا بہتر رویہ تمہاری تقدیر کی روشنی کا باعث نہ بن سکا تو ممکن ہے میں تمہاری زندگی لینے کی کوشش نہ کروں' ہاں تمہاری کوئی ایسی حرکت جو میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئی' مجھے ضرور مشتعل کر سکتی ہے اور تم اس بات کو بہتر طور سے جانتے ہو کہ زندگیاں لینے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اب تمہارے سوال کا جواب رہا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں' تو ایک دلچسپ کہانی کسی طور تمہاری نگاہوں سے بھی گزری ہو گی۔ میری مراد اٹھارہویں صدی میں یونان کے ایک چھوٹے سے جزیرے ہائپون کی کھدائی سے برآمد ہونے والے پلاٹوس کے سونے کے بت سے ہے۔ یونان کی تاریخ میں پلاٹوس نحوست کا دیوتا سمجھا جاتا تھا اور قدیم یونانی اس سے خائف رہتے تھے اسی خوف کی بنیاد پر انہوں نے پلاٹوس کو خوش کرنے کے لئے چالیس من سونے کا ایک بت بنایا تھا جس کی آنکھوں میں دو قیمتی ہیرے جڑے گئے تھے اور یہ

ہیرے دنیا کے قیمتی ترین ہیرے شمار ہوتے ہیں۔ جس وقت یہ بت برآمد ہوا تھا۔ ہاپئون کی آبادی تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی۔ نحوست کے اس دیوتا کے بارے میں بہت سی کہانیاں یونانی دیومالاؤں میں موجود ہیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ نحوست کا یہ دیوتا اپنی موت کے بعد یونان سے ساری نحوستیں سمیٹ لے گیا تھا اور اس کے بعد یونانی قوم کو ترقی نصیب ہوئی۔ بہرصورت نحوست کی اس کہانی کو جدید یونانی مضحکہ خیز سمجھتے ہیں لیکن یونان کے قدامت پسند سونے کے بت کی اس برآمد سے خوش نہ تھے اور انہوں نے احتجاج کیا تھا کہ دیوتا کے اس بت کو مہذب آبادیوں میں نہ لایا جائے۔ اب اسے تم ایک مضحکہ خیز عقیدہ ہی کہہ لو کہ پلاٹوس کے برآمد ہونے کے ٹھیک چوتھے دن ہاپئون پر شدید زلزلہ آیا اور وہاں کی آبادی ختم ہوگئی۔ اس عجیب و غریب واقعہ سے یونان کے متعدد شہروں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی اور قدامت پسندوں کا احتجاج شدید تر ہوگیا۔ حکومت یونان نے اس بت کو فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ اسے ٹکڑوں میں تقسیم کرکے فروخت کردیا جائے۔ بت کو ہاپئون سے واپس نہیں لایا گیا تھا کہ دہشت پسندوں کے ایک گرو نے چالیس من سونے کے لالچ میں اسے وہاں سے اغوا کرلیا اور ایلڈ روتھ نامی جہاز سوار کرکے اسے لے چلے۔ یونانی جہازوں نے اس کا تعاقب کیا تو وہ انہی سمندرو جانب جانکلے جو ممنوعہ علاقوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تب جہاز ایک حادثے کا شکار ہو سمندر میں ابھری ہوئی چٹانوں سے ٹکرا کر غرق ہوگیا تھا اور نحوست کا دیوتا بھی اسی ساتھ ہی سمندر کی تہہ میں پہنچ گیا۔ یہ کہانی طویل عرصے سے عام ہے۔ لاتعداد مہم سونے کے اس بت کی تلاش میں سمندروں کو نہ جانے کہاں سے کہاں تک کھنگال چکے لیکن وہ صحیح جگہ نہ پاسکے۔

جہاز کی غرقابی کو عام کرنے والے چند افراد تھے جو نہ جانے کس طرح وہاں سے آئے تھے۔ انہوں نے اس کہانی کو عام کیا اور اس جگہ کی نشاندہی بھی کردی جہاں یہ جہ غرق ہوا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بچ آنے والوں میں وہی تنہا نہیں تھے بلکہ جہاز جس جگہ غ ہوا وہاں ایک چھوٹے سے جزیرے پر چند اور افراد بھی زندگی بچانے میں کامیاب ہوگئے جو وہاں سے نہیں نکل سکے اور نہ ہی ان کے نکلنے کی کوئی امید ہے۔ بچ آنے والوں بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر کئی جہاز اس جانب بڑھے جہاں ان لوگوں کی موجو متوقع ہوسکتی تھی لیکن وہ انہیں نہ پاسکے اور یہ کہانی اٹھارہویں صدی سے مسلسل آ بڑھتی رہی یہاں تک کہ موجودہ صدی میں پہنچ گئی۔

اور پھر ایک شخص جس کا نام ایلڈ وزیرو تھا اور جو ایک خطرناک مجرم گردانا جاتا تھا کسی طور فرار ہوکر اس سمندری علاقے کی جانب جانکلا جہاں وہ جہاز غرق ہوا تھا۔ ایلڈوزیرو نے اپنی اس خوفناک مہم کی داستان لکھی۔ اسے اپنی زندگی کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی لیکن بالآخر ایک بار اسے فرار کا موقع مل گیا' اور وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ یہ کہانی عام ہوگئی۔ ایلڈوزیرو گرفتار کرلیا گیا' اور اسے سزا ہوگئی لیکن جب یہ کہانی میرے کانوں تک پہنچی تو میں بھی خود کو اس عظیم الشان نحوست کے بت کے حصول سے باز نہ رکھ سکا اور میں نے فرانس کے جزیرے سے ایلڈوزیرو کو اغوا کیا۔ میں نے اسے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک ایسی جگہ پہنچا دیا جو عام نگاہوں میں نہیں ہے اور پھر خود پلاٹوس کی تلاش کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ یہ تیاریاں مجھے تمہارے وطن تک لے آئیں اور یہاں سے میں نے اپنی اس مہم کا آغاز کیا ہے۔ پہلے میں اس آبدوز کے ذریعے اس جگہ جاؤں گا جہاں ایلڈوزیرو موجود ہے اور میرے ساتھی اس کی حفاظت اور نگرانی کررہے ہیں۔ اس کے بعد ہم اس پُراسرار جزیرے کی تلاش میں نکلیں گے جہاں جہاز غرق ہوا تھا اور پھر میں اس سونے کے بت کو حاصل کرکے اپنے اس نوادر خانے میں جمع کروں گا جسے میں نے بڑی محنت سے بنایا ہے۔ یہ ہے اس آبدوز کے اغوا کی تفصیل اور یہ ہے میری مختصر کہانی۔"

ایڈمرل کی پیشانی پر پسینے کے قطرات نمودار ہوگئے تھے اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "کیا تم مجھے بھی اس مہم میں شریک رکھو گے۔"

"ہاں ایڈمرل کیا حرج ہے' زندگی بہرصورت رواں دواں رہتی ہے' بعض اوقات تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری پسند کے ہوتے ہیں اور بعض اوقات تمہیں ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جن میں تمہاری زندگی کو لاتعداد خطرات لاحق رہتے ہیں۔ لیکن تم انہیں کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہو۔ تو تم بھی اس مجبوری کا شکار ہوگئے ہو ایڈمرل چنانچہ وقت سے تعاون کرو۔"

"لیکن میرے دوست تم نے اس کام کے لئے کسی آبدوز کا ہی انتخاب کیوں کیا؟"

"اس لئے کہ میں الجھنوں سے بچنا چاہتا تھا۔ سمندری جہاز دیکھ لئے جاتے ہیں جبکہ آبدوز ہمیں ان ہنگاموں سے دور رکھنے میں معاون ثابت ہوگی۔"

"لیکن وہاں خطرات ہی خطرات ہیں۔"

"میں جانتا ہوں ایڈمرل' البتہ تم میرے لئے ایک بات بھول گئے کہ میں موت کی

تلاش میں سرگرداں ایک شخص ہوں' مجھے موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

"کیا وہ سمندری چٹانیں آبدوز کو پاش پاش نہیں کر سکتیں؟" ایڈ مرل نے پوچھا۔

"کیوں نہیں ہم ان سے بچنے کی کوشش کریں گے اس کے علاوہ تم یہ بھی سوچو کہ یہ آبدوز ہمیں اس جہاز کی تلاش میں مدد دے سکتی ہے' اس کے برعکس اگر ہم کسی جہاز ہی سے سفر کرتے تو ہمیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا' غوطہ خوروں کو سمندر میں اتارنا پڑتا اور ایسی ہی دوسری بہت سی باتیں' میں نے ان سے بچنے کے لئے آبدوز کا انتخاب کیا۔"

"ہوں۔" ایڈ مرل نے گہری سانس لی اور پھر بولا۔ "تمہارے ساتھ اس مہم میں شامل ہونے کے بعد مجھے کیا فائدہ ہو گا۔"

"فائدہ اور نقصان تقدیر کی باتیں ہیں' ان باتوں کو جانے دو ایڈ مرل۔"

"ٹھیک ہے مجھے اپنی مجبوریوں کا احساس ہے' لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اول تو میں آبدوز پر رہ کر کوئی ایسے کام نہیں کر سکتا جو تمہارے لئے نقصان دہ ہوں' دوسرے کرنا بھی نہیں چاہتا' میری فطرت ہے کہ میں وہ جدوجہد پسند کرتا ہوں جو کامیابی سے قریب ہو' جذباتی اور ناکام قدم اٹھانا مجھے پسند نہیں ہے۔" ایڈ مرل نے کہا۔

"یہ تو اچھی بات ہے ایڈ مرل۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے تم ایک اچھا ساتھی پاؤ گے درخواست ہے کہ اچھے لوگوں کی طرح ہمارے درمیان رہو اور ان معمولات میں لیتے رہو۔" اسپنک نے کہا اور ایڈ مرل نے گردن ہلادی۔ پھر اس نے عاجزانہ لہجے کہا۔

"لیکن میری ایک درخواست ہے اسپنک کہ ان لاشوں کو میرے سامنے سے ہٹا دو میں بھی جذباتی انسان ہوں' ان لوگوں سے میرا جذباتی رابطہ ہے' اور میں ان کی موت بآسانی فراموش نہیں کر سکتا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ پہلا موقع ملتے ہی ان لاشوں کو آبدوز سے نکال دیا جائے یوں بھی یہ ہمارے لئے مضر ثابت ہو سکتی ہیں۔" اسپنک نے جواب دیا اور ایڈ مرل نے گردن ہلادی۔ وہ خاموش اور مغموم تھا' اسپنک پھر باہر چلا گیا اور ایڈ مرل سوچنے لگا زندگی میں پیش آنے والا یہ واقعہ کتنا اذیت ناک اور روح فرسا ہے۔ اس کے اہلِ خاندان کو اور اس کے دوسرے لواحقین کو پتہ بھی نہ ہو گا کہ اس پر کیا گزری۔ اس کے ہم وطن ممکن ہے اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں لیکن یہ شیطان نما آدمی ان کی اس کوشش

کامیاب نہ ہونے دے گا۔ ایڈ مرل کارمن اسپنک کے نام سے بھی واقف تھا اور اس وقت اس نے اس کی درندہ صفت فطرت کا بخوبی اندازہ لگالیا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے اس مصیبت سے نجات حاصل کرے گا۔ اسپنک نے اسے صرف اس لئے زندگی دی ہے کہ تھوڑی سی کمپنی رہے۔ ورنہ وہ اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح ختم کر کے سمندر میں پھینک دیتا۔ زندگی وقتی طور پر بچ گئی ہے لیکن اس درندہ صفت شخص کے مزاج کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ کسی بھی وقت ایڈ مرل کو ٹھکانے لگا دیتا۔

ایڈ مرل پریشانی سے سر جھکائے سوچتا رہا۔ یہ حادثہ اس کی زندگی میں سب سے انوکھا تھا۔ یوں تو ایک فوجی کی زندگی ہمیشہ مہم جوئی سے پُر ہوتی ہے لیکن ملک و ملت کے لئے خطرات مول لینے میں جو مزا ہے وہ اس کام میں کہاں تھا۔ اس وقت تو وہ ایک مجرم کے جنون کا شکار تھا۔ اس سلسلہ میں کیا کرے۔ یہاں صرف اپنی جان بچانے کا سلسلہ تھا اور اس کے لئے اس وقت کوئی جدوجہد نہیں کی جاسکتی تھی۔ آبدوز کے رفیق مرچکے تھے اور ان کے بغیر آبدوز کو کنٹرول کرنا تنہا ایڈ مرل کے بس کی بات نہیں تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ ایڈ مرل خود بھی جانتا تھا کہ اس کی حکومت کسی ایسے واقعہ کے لئے تیار نہیں تھی اس لئے کوئی جامع کارروائی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو لوگ اسے اطلاع دے کر ہیڈ سینٹر کی طرف آئے ہوں گے وہ بیچارے بھی صورتِ حال پوری طرح نہ سمجھ سکے ہوں گے۔ کوئی دوسری آبدوز بھی قریب موجود نہیں تھی جو کم از کم تعاقب ہی کرتی۔ بہرحال ابھی کسی بہتری کی امید نہیں تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنے والا وقت کوئی حل پیش کردے۔ چند لمحات کے لئے ایڈ مرل کے دل میں اپنے اہلِ خاندان کا خیال آیا۔ اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کے پیچھے اس کے خاندان کو سنبھالنے والے موجود تھے۔ بیشک وہ لوگ اس کی جدائی کو بھی فراموش نہیں کر سکیں گے لیکن کسی ایسی تکلیف کا شکار نہ ہوں گے جو تشویشناک ہوتی ہے۔

اس بار کارمن اسپنک کافی دیر کے بعد آیا۔ اس کے ہونٹوں پر اس کی مخصوص مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ایڈ مرل کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے گہری سانس لی اور بولا۔ "میرے ذہین ساتھیوں نے آبدوز کے سارے نظام کو سمجھ لیا ہے اور انہوں نے ساخت کا تعین بھی کرلیا ہے۔ یہ آبدوز فرانسیسی ساخت کی ہے نا۔"

"ہاں۔" ایڈ مرل نے جواب دیا۔

"اس سے قبل بھی ہم ایک فرانسیسی آبدوز پر سفر کر چکے ہیں۔"

"کارمن اسپنک۔ تم نے جرائم کی دنیا میں بڑی محنت سے اپنا ایک مقام بنایا ہے۔ اس کے پسِ پشت کوئی خاص مقصد کار فرما ہے۔ تمہاری کوئی منزل بھی ہے۔ یہ سب کچھ تم کس لئے کر رہے ہو؟"

"ہاں میرے دوست میری منزل موت ہے۔ وہی ایک راستہ جس پر ساری دنیا چل رہی ہے میں بھی اسی جانب رواں دواں ہوں۔ دنیا کا چلن یہی ہے۔ بڑے بڑے سائنسدانوں نے اپنی دنیا تج دی ہے۔ بڑے بڑے سائنسدان مصروفِ عمل ہیں۔ ملکوں کی توسیع کی جارہی ہے کمزور لوگوں اور ملکوں کو پیسا جارہا ہے تسخیر کائنات کے ارادے ہیں آخر کس لئے انسان اس کائنات پر محیط ہونے میں کوشاں ہے۔ آخر کیوں؟ میں نے بہت غور کیا بہت سوچا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا اور پھر یہی فیصلہ کیا کہ جب تک زندگی ہے دوڑتے رہو جس راستے کا انتخاب کیا ہے اس پر چلتے رہو۔ میں نے بے اندازہ دولت جمع کی ہے جمع کرتا رہوں گا اور پھر مرجاؤں گا۔ میرے بعد میری دولت میرے نام سے منسوب رہے گی لیکن اسی طرح جیسے ہٹلر مرگیا لیکن لوگ آج بھی اس کا نام لیتے ہیں اس کے کارناموں کے حوالے سے کوئی اسے برا کہتا ہے کوئی اچھا کہتا ہے۔ یہ کاروبارِ ہستی یونہی چلتا رہا ہے یونہی چلتا رہے گا۔"

"انوکھا فلسفہ ہے۔" ایڈمرل نے گردن ہلاتے ہوئے گہری سانس لی پھر بولا۔ "تم میری حیثیت سے واقف ہو اسپنک؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا عہدہ جانتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ تمہارا عہدہ اس وقت بھی تمہارے لباس پر سجا ہوا ہے۔" مسکرا کر بولا۔

"تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس عہدے کے لئے ایک طویل تجربہ درکار ہے۔"

"بیشک۔"

"میں اب اس آبدوز پر تنہا ہوں اور پوری طرح تمہارے قبضے میں ہوں۔ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی کہ میں اب تمہارے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ اس لئے میرے ہاتھوں کو باندھے رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں کھول دو میں تمہارے ساتھ تعاون کروں گا۔"

اسپنک چند ساعت کچھ سوچتا رہا۔ پھر مسکراتا ہوا اٹھا اور اس نے جیب سے ایک لمبا چاقو نکال کر ایڈمرل کے ہاتھوں میں بندھی ہوئی پتلی ڈوری کاٹ دی۔

"تم نے تعاون کا وعدہ کیا ہے؟" وہ بولا۔

"ہاں۔ میں حالات سے سمجھوتہ کا قائل ہوں اسپنک۔ بات اگر میری ڈیوٹی اور فرض کی ادائیگی کی ہوتی تو شاید میں تمہارے ساتھ کوئی تعاون نہ کرتا۔ ملکی معاملات میں کسی کا آلۂ کار بننے پر ہم موت کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ صورتِ حال دوسری ہے اور میں تمہارے ساتھ تعاون کر کے زندگی بچانا چاہتا ہوں۔" ایڈمرل نے جواب دیا۔

"مجھے صاف گوئی پسند ہے لیکن صاف گوئی کے ساتھ اگر صاف دل بھی ہو تب وہ صفت مکمل ہوتی ہے۔ اگر تم ایک اچھے انسان کی حیثیت سے مجھ سے تعاون کرتے رہے تو تمہاری زندگی کی ضمانت دی جاتی ہے۔"

"شکریہ۔"

"تو اٹھو اور یہ وردی اتار کر ایک عام انسان کی حیثیت اختیار کرو۔ اس کے بعد یہ لاش اٹھا کر باہر لے جاؤ اور اسے دوسری لاشوں کے ساتھ رکھ دو تاکہ ہم انہیں ایک ساتھ سمندر برد کرسکیں۔"

ایڈمرل نے بلاچوں وچرا اس کے احکامات کی تعمیل کی۔ وہ جانتا تھا کہ حالات اس کے موافق نہیں ہیں اور اس وقت نجات اسی میں ہے کہ اس درندہ فطرت شخص سے تعاون کیا جائے۔ وہ لڑائی بھڑائی کا انسان نہیں تھا اور پھر عمر کی اس منزل میں تھا جہاں تجربہ تو بہت ہوتا ہے تو لیکن عمل محدود ہوجاتا ہے تاہم اپنی قوت کے مطابق وہ کام کرتے رہنا چاہتا تھا۔

اس نے اپنے رفیق کی لاش اٹھائی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا نائب ایک توانا جوان تھا جس کے دل میں نہ جانے کیا کیا عزائم ہوں گے جس کا ذہن نہ جانے کیا کیا سوچتا ہوگا لیکن اب سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

طویل وقت کے بعد وہ کیبن سے نکلا۔ اس نے خود کو تیار کرلیا کہ اپنے دوسرے رفیقوں کی لاشیں بھی دیکھے۔ اگر دورانِ جنگ یہ لوگ دشمن کے ہاتھوں شہید ہوتے تو بات ہی دوسری تھی لیکن..........

آبدوز میں کارمن اسپنک کے دوسرے ساتھی مصروفِ عمل تھے۔ ساری مشینیں معمول کے مطابق کام کررہی تھیں اور نہ ان لوگوں کو کوئی دقت پیش آرہی تھی۔ لاشوں

کو ایک جگہ جمع کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا اور وہ اس کام سے فارغ ہوگیا اس کے ہاتھ اور لباس پر جگہ جگہ خون کے دھبے لگ گئے تھے۔ جنہیں اس نے باتھ روم جاکر صاف کیا اور لباس بھی جگہ جگہ سے دھویا پھر باہر نکل آیا۔

اسپنک کی ساتھی لڑکی نے جس کا اصل نام نہ جانے کیا ہوگا اسے کافی کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ایڈمرل' اسپنک آپ کو کیبن میں طلب کرتا ہے کافی تیار ہے۔"

"شکریہ۔" ایڈمرل نے ستے ہوئے انداز میں کہا اور کیبن کی طرف بڑھ گیا۔

اسپنک حسبِ عادت مسکرا رہا تھا۔

"بیٹھو ایڈمرل' لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کروں۔ تمہارا عہدہ تمہاری شخصیت سے چپک کر رہ گیا ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"تم مجھے شیرازی کہہ سکتے ہو۔" ایڈمرل نے جواب دیا۔

"شکریہ۔ کافی لو۔" اس نے کافی کی پیالی ایڈمرل کی طرف کھسکادی۔ جسے ایڈمرل نے شکریہ کے ساتھ قبول کرلیا۔

"اگر تقدیر نے ساتھ دیا اور ہم سونے کے اس عظیم الشان بت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو میں واپسی میں تمہیں اپنے جزیرے پر چند روز مہمان رکھوں گا۔"

"اپنے جزیرے پر؟"

"ہاں' جہاں میری حکومت ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات میرے علم میں نہیں تھی کہ کسی جزیرے پر تمہاری حکومت بھی ہے۔"

"تم کیا سمجھتے ہو ایڈمرل۔ اسپنک کا مشن کوئی معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے اپنا ایک مقام بنایا ہے۔ ایک حیثیت ہے میری۔ دنیا کے مختلف ممالک میں' میں مختلف حیثیت رکھتا ہوں۔ لوگ مجھے طرح طرح کے ناموں سے جانتے ہیں۔ وہاں میری شخصیت کے عجیب عجیب بت ہیں۔ میں نے بہت کچھ کھونے کے بعد بہت کچھ پایا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے خوابوں کی تکمیل کے لئے بھی ایک دنیا بنائی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ میرے سینے میں کیا ہے اور ابھی اس دنیا کو میرے بارے میں جاننا بھی نہیں چاہیئے۔"

"تمہارا کوئی مشن بھی ہے اسپنک۔" ایڈمرل نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ انسان کی زندگی میں اگر کوئی مشن نہ ہو تو پھر اس میں تحریک نہیں رہتی۔ مجھے دیکھو اتنی دولت ہے میرے پاس کہ ایک علیحدہ ملک بنا سکتا ہوں۔ ایک

ویرانے کو دنیا کے جدید ترین ملک میں بدل سکتا ہوں لیکن میں ابھی خود کو نامکمل سمجھتا ہوں۔ ابھی میری تکمیل میں دیر ہے میں تمہیں دکھاؤں گا ایڈمرل کہ میں کیا ہوں۔"

"تمہاری باتیں متضاد ہوتی ہیں۔" ایڈمرل شیرازی نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"وہ کیوں۔ نشاندہی کرو۔" اسپنک مسکرا کر بولا۔

"ایک طرف تم کہتے ہو کہ تم موت کے متلاشی ہو اور دوسری طرف اتنے بڑے بڑے عزائم رکھتے ہو۔"

"یہی تو دلچسپ بات ہے مسٹر شیرازی۔ آہ کاش تم میرے ذہن کی گہرائیوں میں جھانک سکو۔ یہاں انسان کی بے ثباتی کا گہرا غم ملے گا تمہیں۔ دیکھو میں کیا کچھ کررہا ہوں۔ کیسی شدید جدوجہد کررہا ہوں لیکن میں موت کو نہیں بھولتا' میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر کسی بھی لمحے میں موت کی آغوش میں جا سوؤں گا۔ اس کے باوجود میں متحرک ہوں۔ یہ انسان ہے مسٹر شیرازی۔ ساری دنیا یہی کررہی ہے یہ جاننے کے باوجود کہ اس کی انتہا کچھ اور ہے۔"

"عجیب فلسفہ ہے تمہارا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔" شیرازی نے جلدی جلدی کافی کے کئی گھونٹ لے لئے۔

"آجائے گا۔ ضرور آجائے گا۔ ہربات کو سمجھنے کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ کچھ وقت لگے گا اس میں۔"

شیرازی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہت وقت گزر چکا تھا اور اب وہ تھکن محسوس کررہا تھا۔ چنانچہ اس نے درخواست کی۔ "کیا مجھے کچھ دیر آرام کی اجازت ہوگی۔"

"ہاں ضرور۔ تم اپنی تمام تر ضروریات پوری کرسکتے ہو کسی بھی سلسلے میں تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چلتا ہوں تم آرام کرو۔" وہ اپنی کافی ختم کرکے باہر نکل گیا۔

ایڈمرل شیرازی آرام کرنے لیٹ گیا لیکن سکون ملتے ہی لاتعداد خیالات نے اس کے ذہن میں یلغار کردی۔ اسے اپنا وجود بہت ہلکا محسوس ہورہا تھا۔ یہ سب اس طرح ہوا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ انسانی زندگی کو خطرات لاحق ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات ہونی اس طرح ہوتی ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کے اہلِ خاندان بہرحال اس بات سے تو واقف ہو ہی جائیں گے کہ وہ ایک سازش کا شکار ہوگیا ہے لیکن یہ سازش کیا ہے اور اس کا اختتام کیا ہوگا یہ کوئی نہیں جانتا ہوگا۔"

اُسے اپنے عزیزو اقارب یاد آتے رہے اور اس کے بعد اسے نیند آگئی۔ نیند بھی کافی طویل تھی۔ نہ جانے کتنی بار وہ جاگا اور اس کے بعد دوبارہ سوگیا۔ پھر اس نے اپنے بستر پر کسی کا نرم ہاتھ محسوس کیا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

اسپنک کی سیکریٹری اس کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ "اٹھیں گے نہیں مسٹر شیرازی۔" اس کی نرم آواز ابھری۔ اور شیرازی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "کیا وقت ہوگیا؟"

"رات کے نو بجے ہیں۔"

"اوہ۔ بہت دیر ہوگئی۔"

"کیا حرج ہے یہاں کون سی مصروفیات ہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"ہاں۔ یہ بھی درست ہے۔ کیا آپ لوگوں نے کھانا کھالیا۔"

"ہاں۔ آپ کے لئے منگواؤں؟"

"نہیں۔ بھوک نہیں محسوس ہو رہی۔" شیرازی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کوئی اور چیز؟ اتفاقات ہیں زمانے کے۔ آپ کی آبدوز پر ہم آپ کے میزبان بن گئے ہیں۔"

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟" شیرازی نے پوچھا۔

"گیل سوئیز۔"

"کہاں کی باشندہ ہو؟"

"سوئس ہوں۔"

"اسپنک کے ساتھ کب سے کام کر رہی ہو؟"

"پانچ سال سے لیکن کسی مہم میں ساتھ دینے کا یہ پہلا موقع ہے؟" گیل نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے سوئیزرلینڈ سے یہاں بلایا گیا تھا۔ بڑا اشتیاق تھا مجھے اسپنک سے ملنے کا، کیسی انوکھی شخصیت کا مالک ہے۔"

"اس سے قبل اسے نہیں دیکھا تھا۔"

"اس کے گروہ کے بہت کم لوگوں نے اسے دیکھا ہے۔ جس نے اسے دیکھا ہے وہ خود کو بہت خوش نصیب سمجھتا ہے میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔"

"ہوں۔ تم لوگوں کو اس سے بڑی عقیدت ہے؟"

"وہ جادوگر ہے۔ ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ زندگی میں سب کچھ دولت ہی نہیں ہوتی۔ گو اس کے ساتھی عیش کرتے ہیں، اور وہ ایک مہربان آقا ہے۔ وہ ہر ایک کو زندگی کی ان ساری خوشیوں سے دوچار کرنا پسند کرتا ہے جو انسانی زندگی میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے دل میں اس کا ایک نمایاں مقام بھی ہے۔ وہ اتنا پُرکشش ہے کہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہم سب اسے دیکھنے کے خواہاں رہتے ہیں، میں اب تک گروہ کے جتنے افراد سے ملی ان سب کے دل میں ایک۔ آقا کی حیثیت کے علاوہ میں نے ایک اور مقام بھی پایا جو ایک پسندیدہ شخص کے لئے ہوتا ہے۔" گیل نے جواب دیا اور ایڈمرل گردن ہلانے لگا۔

پھر وہ گیل کے ساتھ ہی باہر نکل آیا، باہر آکر اس نے کافی کا ایک کپ چند سینڈوچز کے ساتھ لیا اور پھر آبدوز کے مختلف حصوں میں چکرانے لگا۔ شاید اس دوران اسپنک کو لاشیں ٹھکانے لگانے کا موقع مل گیا تھا کیونکہ وہ لاشیں اپنی جگہ پر نہیں تھیں جہاں ایڈمرل شیرازی نے انہیں دیکھا تھا۔

اسپنک اسے آبدوز کے ایک مخصوص حصے میں مل گیا جہاں وہ کاغذات سامنے رکھے کچھ لکھنے میں مصروف تھا، اس نے گردن اٹھا کر شیرازی کو دیکھا اور کسی قدر سرد لہجے میں بولا۔

"افسوس میں اس وقت تم سے گفتگو نہیں کرسکتا، میں اپنے چند ضروری کاموں میں مصروف ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گا۔" ایڈمرل شیرازی نے جواب دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ وقت گزارنے کے لئے کوئی مشغلہ نہیں تھا بس خواہ مخواہ اِدھر سے اُدھر چنانچہ وہ جب تک برداشت کرسکا گھومتا پھرتا رہا اور اس کے بعد دوبارہ کیبن میں واپس آگیا۔

کیبن میں آکر وہ سونے کے لئے لیٹ گیا تھا، حالانکہ وہ دیر تک سویا تھا اس کے باوجود اسے نیند آگئی، اور پھر اس کی آنکھ اسی وقت کھلی تھی جب اسے آبدوز میں ہلکے سے شور کا احساس ہوا تھا وہ باہر نکل آیا۔

آبدوز ساکت تھی، اس کا مطلب تھا وہ سطح سمندر پر آگئی ہے۔ ایڈمرل نے باہر نکل کر صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ آبدوز میں چند نئے لوگ نظر آرہے تھے اور اس کے علاوہ اوپر سے لوگ آجارہے تھے۔ اس نے گیل کو دیکھا جو ایک طرف کھڑی کوئی فہرست

بنا رہی تھی اور وہ اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"کیا آبدوز سطح پر ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں ہم لوگ جزیرہ گوڈین پر ہیں جہاں سے آبدوز میں ایندھن لیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ ہی خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کیا جارہا ہے' تم دیکھ رہے ہوگے۔" گیل نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بڑے بڑے کارٹن اندر لائے گئے تھے اور انہیں لانے والے قوی ہیکل اور خوش لباس لوگ تھے۔ اب آبدوز میں افراد کی تعداد بیس کے قریب ہوگئی تھی۔ یہ سب اسپنک کے ساتھی تھے۔ خطرناک قوی ہیکل اور چاق وچوبند۔ انہی میں ایک دبلا پتلا دراز قامت آدمی بھی تھا' جو پرانے فرانسیسی طرز کا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔

اس کے چہرے پر گل مچھے تھے اور آنکھوں میں بڑی تیزی تھی حالانکہ اس کے سارے بال سفید تھے لیکن اس کے باوجود صحتمند نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے احترام سے آبدوز کے اندر کیبن میں پہنچایا۔

ایڈمرل نے اوپر جانے کی کوشش کی تو اسپنک کی دوسری ساتھی لڑکی نے اسے روک دیا۔ "اوپر کا کام مکمل ہوچکا ہے جناب اور آبدوز کو پانی کی گہرائیوں میں جانے کی ہدایت مل گئی ہے اس لئے اب اوپر جانا بیکار ہے۔"

"اوہ۔ اچھا۔" شیرازی واپس نیچے آگیا۔ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی اس لئے اب رونق بھی بڑھ گئی تھی۔ شیرازی آبدوز پر بار کئے جانے والے سامان کو دیکھنے لگا۔ اس میں خوراک کے ڈبوں کے علاوہ اسلحہ وغیرہ بھی بھاری تعداد میں تھا۔ اسپنک نے زبردست انتظامات کئے تھے۔ ایڈمرل بیچارہ خواہ مخواہ ہی اس مشن کا شریک بن گیا تھا اس کا تو کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

آبدوز واپس پانی کی گہرائیوں میں جانے لگی اور ایڈمرل ایک کونے میں کھڑا ہوکر زمانے کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھنے لگا۔ چند ہی روز قبل اس کی کیا پوزیشن تھی۔ وہ سب سے بڑی شخصیت سمجھا جاتا تھا اور اسی آبدوز میں اس کے احترام میں لوگ زیادہ زور سے بول بھی نہیں سکتے تھے۔

لیکن اس وقت وہ ایک معمولی سے انسان کی حیثیت سے ایک کونے میں کھڑا تھا۔ دور سے اسپنک نے اسے غور سے دیکھا اور مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھ آیا۔

"ہیلو ایڈمرل۔"

"ہیلو اسپنک۔"

"ہم اپنی منزل کی طرف چل پڑے ہیں ایڈمرل۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔"

"میں نے جس ضروری سامان کا بندوبست کیا ہے تم نے اسے دیکھا۔"

"ہاں۔"

"کیا خیال ہے مکمل ہے؟"

"اس بارے میں تم زیادہ بہتر جانتے ہوگے۔"

"ہاں جس قدر مجھے اس سلسلے میں معلومات مل سکیں ان کے مطابق تو یہ سامان ہماری ضرورت پوری کرتا ہے۔ باقی حالات جیسے بھی ہوں۔ آؤ اب ایلڈوزیرو سے گفتگو کریں۔ میں خود بھی پہلی بار اس شخص سے ملاقات کررہا ہوں۔ آؤ۔" اسپنک نے دوستانہ انداز میں شیرازی کا ہاتھ پکڑا اور کیبن کی طرف بڑھ گیا۔

کیبن میں طویل القامت دبلا پتلا شخص گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے نزدیک ہی گیل موجود تھی۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔ "مسٹر زیرو۔ کارمن اسپنک سے ملو۔"

اور بوڑھا آدمی کھڑا ہوگیا۔ اس نے چہرے پر کوئی تاثر پیدا کئے بغیر پہلے اسپنک اور پھر شیرازی سے ہاتھ ملایا۔ "اپنے ہم پیشہ ایلڈوزیرو سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔" اسپنک نے کہا۔

"کارمن اسپنک بھی میرے لئے اجنبی نہیں لیکن میں اب اس زندگی سے بہت دور نکل آیا ہوں۔" ایلڈوزیرو نے کہا۔

"کیا مطلب؟" اسپنک نے بیٹھتے ہوئے شیرازی کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ایڈمرل شیرازی بھی بیٹھ گیا۔

"مطلب یہی ہے کہ میں مجرمانہ زندگی کے بدترین لمحات سے گزر رہا تھا۔ یہ لمحات بڑے روح فرسا ہوتے ہیں۔ مسٹر اسپنک ایک چالاک مجرم جوانی کے عالم میں اپنی تمام تر ذہنی اور جسمانی قوتوں کے ساتھ مصروفِ عمل رہتا ہے اور اگر جوانی گزر جانے کے بعد بھی زندہ رہے تو پھر ایسی حیثیت لے کر کہ لوگ اس کی جوانی فراموش کرچکے ہوں اور اگر مضمحل قویٰ کے ساتھ اس کے لئے کوئی پناہ گاہ نہ ہو اور آخری پناہ گاہ جیل ہو تو اسے زندگی کا بدترین دور بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔" ایلڈوزیرو نے کہا۔

"تمہارے تجربات میرے لئے مشعلِ راہ ہوں گے۔" اسپنک نے کہا۔

"ہاں۔ ممکن ہے۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"لیکن تمہیں خوش ہونا چاہئے زیرو کہ اب تم جیل میں نہیں ہو۔"

"خوش؟" اس نے سوالیہ انداز میں اسپنک کو دیکھا۔

"ہاں۔"

"کیا تم ان حالات میں خوش رہ سکتے ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"میں اپنی ذات میں کچھ نہیں رہا۔ ایک زمانے میں میرا طوطی بولتا تھا۔ لوگ میرے نام سے خوفزدہ رہتے تھے اور میرا وجود نمبر ایک ہوتا تھا۔"

"بدلے ہوئے وقت سے تعاون ضروری ہے مسٹر زیرو۔"

"کیا فطرت کا بدلنا بھی اتنا ہی آسان ہے۔" زیرو نے پوچھا۔

"ہاں فطرت کا بدلنا آسان نہیں ہے لیکن انسان کو حالات کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ تم اپنی زندگی کی تمام تر کوششوں کے باوجود ناکام ہو کر جیل چلے گئے تھے اور اس کے بعد اب تمہارے قویٰ اس قابل نہیں تھے کہ تم جیل کی چار دیواری سے باہر نکل سکتے۔ اب اگر تقدیر نے تمہیں جیل کی دیوار سے باہر نکلنے کا موقع فراہم کر دیا ہے تو تم اس سے بھرپور تعاون کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

"ہاں میرے حق میں جو بہتر تھا میں نے اس سے گریز نہیں کیا۔" ایلڈوزیرو نے جواب دیا۔

"بحالت مجبوری یہ سب کچھ کرنا مناسب نہیں ہے مسٹر ایلڈوزیرو! میں نے تمہیں ایک باعزت مقام دے کر اپنے درمیان بلایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم ایک باعزت انسان کی حیثیت سے میری رہنمائی کرتے رہو۔ اگر یہ ساری صورت مجبوری کے عالم میں رہی تو میرا خیال ہے نہ تم خوش رہ سکو گے نہ میں' میں چاہتا ہوں کہ تم ایک کارکن کی حیثیت سے میرے ساتھ اس کام میں حصہ لو اور قدم قدم پر میری رہنمائی کرو۔"

"میں نے اس سے انکار نہیں کیا مسٹر اسپنک' میں تو صرف آپ کو اپنے تاثرات بتا رہا تھا۔"

"تمہیں یہ تاثرات بدل دینے چاہئیں مسٹر ایلڈوزیرو۔ تم سوچو کہ تم اپنی زندگی کی جدوجہد میں ناکام ہو کر جیل پہنچ چکے تھے' اب اگر تمہیں رہائی کا موقع اور ایک آزاد زندگی

مل گئی ہے تو پھر تم اسے خوش آمدید کیوں نہیں کہتے؟"

"میں نے اسے خوش آمدید کہا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں جس حد تک بھی ممکن ہو سکا تمہاری مدد کروں گا۔" ایلڈوزیرو نے کہا۔

"شکریہ۔ اس کے عوض تمہیں تمہاری پسند کے مقام پر بقیہ زندگی گزارنے کے بہترین لوازمات مہیا کر دیئے جائیں گے۔ یہ اسپنک کا وعدہ ہے۔" اسپنک نے کہا اور ایلڈوزیرو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جوانی اسی قدر خود اعتماد ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھ کر مجھے جوان ایلڈوزیرو یاد آرہا ہے جو بالکل تمہاری ہی مانند دنیا کو ہیچ سمجھتا تھا۔"

"کیا مطلب؟" اسپنک نے پوچھا۔

"ایک عمر اسی قدر خود اعتماد ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود تجربات آہستہ آہستہ یہ احساس دلاتے ہیں کہ ہماری خود اعتمادی ہمارے تابع نہیں ہوتی۔ کچھ حالات ہم سے باغی ہوتے ہیں اور کسی طور ہمارے قبضے میں نہیں آتے۔"

"میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا زیرو۔"

"تسلیم کر لو گے۔" وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"ممکن ہے۔ بہرحال میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجھے بتاؤ جیل سے رہا کرا کر میرے ساتھیوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

"نہایت عزت سے انہوں نے مجھے اپنے درمیان رکھا تمہارے ساتھی کیتھ برائن نے مجھے تمہارے مقاصد سے آگاہ کیا اور میں نے اس بھیانک علاقے میں جانے کی شدید مخالفت کی۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ موت کا علاقہ ہے۔ تم اسے موت کا مسکن کہہ سکتے ہو۔ موت وہاں رہتی ہے اور وہیں سے دنیا کی گشت پر نکلتی ہے۔ وہ جزیرہ بے حد خوفناک ہے۔ وہاں آباد لوگ اب مہذب دنیا کو پسند نہیں کرتے اور مہذب دنیا میں بسنے والوں کے دشمن ہیں۔ تم یقین کرو اگر وہ لوگ وہاں سے نکلنا چاہیں تو نکل سکتے ہیں لیکن اب انہیں آبادیاں پسند نہیں ہیں۔"

"ان لوگوں کا طرزِ زندگی کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ میں یہاں ایسے خوفناک حالات میں گھر گیا کہ مجھے کچھ دیکھنے کا

موقع ہی نہ مل سکا بس میں وہاں سے فرار کی کوشش کرتا رہا اور بالآخر وہاں سے ا آیا۔"

"تمہاری ملاقات کسی سے تو ہوئی ہوگی؟"

"ہاں چند لوگوں سے لیکن وہ افریقہ کے انتہائی غیر مہذب قبائل سے زیادہ و ہیں اور ان سے انسانیت کی کوئی توقع محض حماقت ہے۔"

"خوب' ان کی آبادی کی تعداد بھی نہیں معلوم۔"

"نہیں۔ میں ان کی آبادی تک پہنچ ہی نہیں سکا۔"

"کیا وہ سیاہ فام ہیں؟"

"نہیں۔ اس کے برعکس کھلی آب وہوا میں رہنے والے خوبصورت تر باشندے۔ جزیرہ غالباً آٹھ ماہ تک برف اور کہر میں ڈھکا رہتا ہے' سرسبز درختوں کی بہتا ہے لیکن سب کے سب بے ترتیب۔ وہ لوگ ان چار ماہ میں جب دھوپ نکلتی ہے ا لئے خوراک کے ذخائر اکٹھے کرلیتے ہیں' یہ ذخائر سمندری مچھلیاں اور وہ جانور ہوتے ہ جو پیدا ہوجاتے ہیں' تمہیں حیرت ہوگی وہ کسی جاندار کو نہیں چھوڑتے' یہاں تک کیڑے مکوڑوں کو بھی کھا لیتے ہیں۔ جزیرہ کیڑے مکوڑوں سے بالکل صاف ہے جتنے بھ حشرات الارض وہاں نظر آتے ہیں ان سب کو پکڑ لیا جاتا ہے اور ان کی ایک ذخیرہ گ گئی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کچھ اجناس اور پھل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کی مقدا کم ہوتی ہے کیونکہ شدید سردی اور برف درختوں کے پھلوں کو تازہ نہیں رہنے د اس وجہ سے اجناس کی کمی ہے۔"

"خوب پُراسرار جگہ ہوگی۔" اسپنک نے مسکرا کر ایڈمرل شیرازی کی طرف دیکھا شیرازی بیچارہ خود بھی خاموشی سے ایلڈوزیرو کی باتیں سن رہا تھا۔

"ٹھیک ہے مسٹر ایلڈوزیرو' اچھا اب یہ بتاؤ کہ سونے کے اس بت کے بارے تمہاری کیا رائے ہے۔"

"یہ ایک حقیقت ہے' جس کی نشاندہی ان لوگوں کی زبانی بھی ہوتی ہے لیکن ان لوگوں نے خود بھی کبھی اس بت کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔" ایلڈوزیرو جواب دیا۔

"کیا وہ ان کے درمیان کوئی خاص حیثیت رکھتا ہے۔"

"میرا خیال ہے نہیں' وہ اس بارے میں سوچتے بھی نہیں ہیں۔" ایلڈوزیرو

کہا۔

"تمہارا اپنا اس سلسلے میں کیا خیال ہے ایلڈوزیرو۔ میں ایک بزرگ کی حیثیت سے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" اسپنک نے کہا اور ایلڈوزیرو کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا۔

"دنیا محیر العقول واقعات سے بھری پڑی ہے۔ تواریخ میں انوکھی باتیں درج ہیں ہم ان باتوں کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے ان میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوتی ہے' پلاٹوس کے اس پُراسرار مجسمے کے بارے میں جو کہانیاں مشہور ہیں ان میں کچھ نہ کچھ حقیقت تو ضرور ہوگی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ لوگوں کے اوہام تھے یا درحقیقت کوئی ایسی ہی بات لیکن بہرصورت ان تمام باتوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"کیا تم نے اس بت کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"نہیں میں نے یہ حماقت نہیں کی' فائدہ بھی کیا تھا میں تنہا تھا اور زندگی سے بیزار تھا۔ چنانچہ میں اس حماقت میں نہیں پھنس سکتا تھا۔"

"کیا زیادہ افراد ان لوگوں پر قابو پانے کا کوئی ذریعہ رکھتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔"

"اس کی وجہ؟" اسپنک نے پوچھا۔

"وجہ صرف یہی ہے کہ ان لوگوں کا طرز زندگی بڑا خطرناک ہے' وہ کوئی جتھہ بنا کر نہیں رہتے بلکہ چیدہ چیدہ بکھرے ہوئے ہیں اور جہاں ہیں وہیں سے اپنی کارروائیوں کا آغاز کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے کسی جتھے پر حملہ کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"ان کی ذخیرہ گاہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

"بس وہ اتفاقیہ طور پر میں نے دیکھ لی تھی' میرا خیال ہے وہاں کوئی نہ کوئی حکمران ضرور ہے۔"

"کیا اس حکمران سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔"

"اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوسکیں؟"

"نہیں' میں بتا چکا ہوں کہ اس کے مواقع ہی نہیں ملے۔"

"گویا جزیرے کی زندگی کے بارے میں تم کوئی خاص نشاندہی نہیں کرسکتے۔"

"ہاں میں اس سے معذور ہوں۔"

"کیا ان لوگوں کے پاس ہتھیار ہیں؟"

"ہاں۔ وہ آتشیں ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ بندوقوں کی بگڑی ہوئی شکل ہے لیکن کارکردگی میں لاجواب۔"

"اوہ۔ یہ ہتھیار ان کے پاس کہاں سے آئے؟"

"ان کی شکل وصورت دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہتھیار انہوں نے خود بنائے ہیں۔" ایلڈوزیرو نے جواب دیا اور اسپنک کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے ایڈمرل شیرازی کی طرف دیکھا۔

"آپ بھی ان حالات کو ذہن میں رکھیں ایڈمرل۔"

"ہاں؟" ایڈمرل چونک پڑا۔

"کیا سوچ رہے تھے آپ؟"

"اسی انوکھی آبادی کے بارے میں۔ ان لوگوں کی صحیح نشاندہی نہیں ہوسکی۔" ایڈمرل نے کہا۔

"ابھی تک ان کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ تباہ شدہ ایلڈوس کے جانے والے باشندے ہیں جو اب وہیں آباد ہوگئے ہیں۔"

"خوب' لیکن اسپنک تم اس جزیرے پر اترنے کے بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟"

"اوہ۔ اچھا سوال کیا۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" اسپنک نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کیا تم نے آبدوز کا انتخاب اس لئے نہیں کیا کہ پانی کی گہرائی میں ہی رہ کر اس کو تلاش کرو۔"

"اس میں بہت سی مشکلات ہیں ایڈمرل' ہم آبدوز کو خطرناک جگہوں پر نہیں جاسکتے۔ کیونکہ یہ ہمارے لئے بے حد اہم ہے۔"

"کیا تم نے غوطہ خوری کے لباسوں کا بندوبست کیا ہے؟"

"ہاں۔ میں نے انتظامات میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے لیکن میں نے یہ بھی کیا ہے کہ میں جزیرے پر قیام کروں گا اب ہمیں صرف ان حالات پر قابو پانا ہے جو جزیرے پر پیش آسکتے ہیں۔"

"ہوں۔" ایڈمرل نے گہری سانس لی اور کچھ سوچنے لگا۔

"بہرحال مسٹر ایلڈوزیرو آپ اس جزیرے تک ہماری رہنمائی تو کرسکتے

اسپنک نے پوچھا۔

"یقیناً میں نے وہاں سے واپسی کا خطرناک سفر کیا ہے تمہارے پاس اس کے لئے معلومات تو ہوں گی۔"

"بے شک۔"

"کوئی نقشہ ترتیب دیا ہے تم نے؟"

"ہاں۔"

"مجھے دکھاؤ تاکہ میں اس کے بارے میں رائے دے سکوں۔" ایلڈویزرو نے کہا اور اسپنک مسکرانے لگا۔

"ابھی تو تم سے تعارف ہوا ہے۔ آرام کرو۔ اس کے بعد ہم اپنی کارروائی کا آغاز کریں گے۔" اس نے کہا اور ایلڈوزیرو گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا' پھر اس نے پوچھا۔

"آبدوز کا رخ کس طرف ہے؟"

"مائیک کے جنوب کی جانب۔ کیا اس میں کوئی ترمیم ہے؟"

"نہیں۔ میرا خیال ہے تم نے بہترین معلومات حاصل کی ہیں۔" ایلڈوزیرو نے کہا اور خاموش ہوگیا۔

☆------☆------☆

آبدوز کا سفر جاری رہا۔ راستے میں کوئی ایسا حادثہ نہیں پیش آیا جس سے سفر کرنے والوں کو کسی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان سب کے ذہنوں میں جزیرے کی پُراسرار آبادی کے تصورات رقصاں رہتے تھے۔ ایڈمرل شیرازی اب آبدوز میں سفر کرنے والوں سے بے تکلف ہوگیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے تقدیر کے اس موڑ کو قبول کرلیا ہو۔ وہ عجیب وغریب لوگوں کے درمیان تھا جو سب کے سب مجرمانہ ذہنیت رکھتے تھے۔ ان کی کہانیاں اور ان کی سوچ عجیب تھی۔ شیرازی ان میں سے بہت سوں کی زندگی کے حالات سن چکا تھا اسے یہ سب کچھ ہی عجیب اور بڑا اجنبی اجنبی لگتا تھا لیکن اب وہ خود کو ان اجنبی لوگوں کے درمیان رہنے کا عادی بنا چکا تھا۔

ایلڈوزیرو اور اسپنک کے درمیان نقشے پر گفتگو ہوئی تھی اور زیرو نے تسلیم کیا کہ اسپنک ایک ذہین آدمی ہے۔ اس نے اس نقشے کے بالکل صحیح ہونے کی تصدیق کی تھی۔ جس رفتار سے آبدوز سفر کررہی تھی اس کو مدِنگاہ رکھتے ہوئے ایلڈوزیرو کا خیال تھا کہ یہ سفر بیس روز میں ختم ہوجائے گا۔ اکثر ایلڈوزیرو اور کارمن اسپنک پیرسکوپ پر اور کبھی سطح سمندر پر آکر اوپر کا جائزہ لیتے تھے۔ ایلڈوزیرو سفر سے پوری طرح مطمئن تھا ویسے زیر آب سفر ان لوگوں کے لئے اکتا دینے والا تھا جو آبدوز پر سفر کررہے تھے۔ ان کے لئے تفریح کا کوئی سامان نہیں تھا۔ آبدوز پر ان دو عورتوں کے سوا اور کوئی عورت نہیں تھی جو اسپنک کے ساتھ تھیں لیکن اسپنک کا کنٹرول اتنا سخت تھا کہ لوگ ان عورتوں کے حصول کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

بالآخر خدا خدا کرکے یہ دن گزرے۔ ایلڈوزیرو نے اسپنک سے درخواست کی کہ اب سفر اگر سطح سمندر پر کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ آبدوز سطح پر آگئی۔ تازہ ہوا کی بات ہی دوسری ہوتی ہے۔ لوگوں کو اس کا موقع دیا گیا کہ وہ آبدوز کے اوپری حصہ میں آکر تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوں۔ چنانچہ خوشگوار دنوں کا آغاز ہوگیا۔ سپاٹ عرشہ پر اب ہروقت رونق رہتی تھی۔

اور پھر اس شام جب سورج غروب ہوچکا تھا ایلڈوزیرو نے ایک سنسنی خیز اعلان کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ اب ان پہاڑوں کے قریب پہنچ رہے ہیں جن سے ٹکرا کر ایلڈوس غرق ہوا تھا۔

"یہ اندازہ آپ نے کیسے لگایا مسٹر ایلڈوزیرو۔" اسپنک نے پوچھا۔

"دھند کے وہ بادل جو اس جزیرے پر سایہ فگن رہتے ہیں، نظر آرہے ہیں۔ میری آنکھیں انہیں پہچان گئی ہیں۔" زیرو نے جواب دیا۔

"گویا آپ کو یقین ہے کہ ہم منزلِ مقصود پر پہنچ گئے ہیں؟" اسپنک کی آواز میں مسرت جھلک رہی تھی۔

"ہاں۔ میں پورے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔" زیرو نے جواب دیا اور اسپنک نیچے چلا گیا۔ چلتے وقت اس نے ایڈمرل کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ راستے میں اس نے کہا۔

"چونکہ رات ہورہی ہے مسٹر شیرازی۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ ہم یہیں رکیں اور صبح کا انتظار کریں۔ میں تاریکی میں ان پہاڑوں کے نزدیک جانے کی ہمت نہیں کرسکتا۔"

"یہی مناسب ہے۔" شیرازی نے جواب دیا۔ نیچے آکر اسپنک نے اپنے عملے کو ہدایات جاری کیں اور آبدوز کی رفتار ختم کردی گئی اب وہ سطح سمندر پر رینگ رہی تھی۔

اسپنک ایک ماہر ملاح کی طرح اپنے ساتھیوں کو ہدایات جاری کرتا رہا اور پھر مطمئن ہوگیا۔ بے چارے شیرازی کی حیثیت تو اب ایک بیرے کی سی تھی۔ وہ صرف تماشبین تھا۔ اس سارے ہنگامے میں اس کی شمولیت ایک مجبور انسان کی سی تھی۔ وہ اس سلسلہ میں کوئی ذاتی دلچسپی نہیں رکھتا تھا لیکن اسے ان ساری باتوں میں اس طرح شریک ہونا پڑتا تھا جیسے یہ اس کا ذاتی معاملہ ہو۔

دوسری صبح خوب چمکدار تھی۔ سورج اٹھان پر تھا کہ اسپنک نے آبدوز کو اس طرف بڑھانا شروع کردیا جہاں اس چمک دار سورج کے باوجود ایک مخصوص دھند نظر آرہی تھی۔ جوں جوں آبدوز اس دھند کی طرف بڑھ رہی تھی سیاہ رنگ کی پہاڑیوں کے آثار نمودار ہوتے جارہے تھے۔

"میری رائے ہے کہ اب آبدوز کو گہرائیوں میں لے جایا جائے۔" شیرازی نے اسپنک سے کہا۔

"اوہ، لیکن یہاں اس کے دیکھے جانے کا امکان نہیں ہے۔"

"بات اس کے دیکھے جانے کی نہیں ہے۔ ہم روٹر ویژن پر ان پہاڑوں کی ساخت

دیکھ لیں تو بہتر ہے۔ میری رائے ہے کہ دھند میں داخل ہونے سے پہلے آبدوز کو گہرائیوں میں لے جایا جائے اور پورے جزیرے کے قریب چکر لگا کر مناسب جگہ کا انتخاب کر لیا جائے تاکہ ہنگامی صورتِ حال میں محفوظ ٹھکانے ہمارے علم میں ہوں۔"

"عمدہ رائے ہے اور کیوں نہ ہو۔ یہ ایک ایڈمرل کی رائے ہے۔" اسپنک نے تعریفی لہجے میں کہا اور پھر اس نے ایڈمرل کی ہدایت کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ آبدوز گہرے پانی میں اتر گئی تھی۔ سمندر کی خاموش زندگی روٹر ویژن پر نمایاں تھی۔ اس وقت کنٹرول پوری طرح ایڈمرل شیرازی کی گرفت میں تھا۔ چنانچہ آدھی رات تک جزیرے کے گرد احاطہ کئے ہوئے پہاڑوں کے درمیان سفر جاری رہا۔ خوفناک چٹانیں خطرناک موڑ رکھتی تھیں اور اسپنک کے آدمی پوری توجہ اور مہارت سے آبدوز کو ان چٹانوں سے ٹکرانے سے بچاتے ہوئے اپنا چکر پورا کر رہے تھے۔

اس وقت ایلڈوزیرو اور اسپنک بھی نزدیک ہی موجود تھے اور گہری نگاہوں سے سمندر کے اندر کا جائزہ لے رہے تھے۔

"کیا خیال ہے مسٹر شیرازی کیوں نہ ہم بقیہ رات بھی اسی طرح سمندر کا جائزہ لیتے ہوئے گزاریں۔"

"وہ کیوں؟"

"ممکن ہے ہمیں ڈوبا ہوا جہاز نظر آجائے۔"

"میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔" شیرازی نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"اس طرح ہمیں زیادہ نیچے جانا پڑے گا لیکن رات کے وقت سمندر کی تہہ میں اترنا خطرناک ہے۔ کائی کے دَل' جگہ کو چھپائے ہوتے ہیں۔ آبدوز کو خطرہ پیش آسکتا ہے۔ اس کے برعکس دن کی روشنی میں پانی کی گہرائیاں کسی قدر واضح ہو جاتی ہیں اور ہم کائی کے دَل کو تہہ نہیں سمجھ سکتے۔"

"عمدہ اور تجربے کی بات ہے' مجھے پسند آئی۔ تو پھر اب کیا خیال ہے جزیرے کا چکر پورا ہو چکا ہے۔"

"ہاں۔ آپ نے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کیا؟"

"یہاں میرا تجربہ محدود ہے۔" اسپنک نے اعتراف کیا۔

"تب براہ کرم آبدوز کو آگے بڑھائیں۔ میں نے ایک جگہ منتخب کر لی ہے۔ وہاں

نوکیلی چٹانیں ہیں جو ایک دروازے کی شکل میں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں۔ ہمارا ابتدائی قیام وہاں ممکن ہے۔"

"بہتر۔" اسپنک نے کہا اور پھر اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایات دے دیں۔ آبدوز نہایت مہارت سے اس مخصوص جگہ لے جائی گئی اور پھر اس کے انجن بند کر دیئے گئے۔ پانی کا دباؤ بھی یہاں بہت کم تھا اور آبدوز اتنی بلند کر لی گئی تھی کہ غوطہ خوروں کو بھی اوپر جانے میں دقت نہ ہو۔"

ساری رات وہ ضروری کارروائیوں میں مصروف رہے تھے۔ آبدوز کے انجن بند کرنے کے بعد عملے کے لوگ بھی فارغ تھے۔ بالکل دفتر کی شکل بن گئی تھی اور آئندہ پروگرام کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔

طے یہ ہوا کہ کل دن کی روشنی میں پانچ غوطہ خور جن میں اسپنک' شیرازی اور ایلڈوزیرو کے علاوہ دو اور دوسرے آدمی بھی ہوں گے' اوپر جائیں گے۔ شیرازی اس موقع پر انکار نہیں کر سکا' کیونکہ اب اس کے دل میں بھی اس جزیرے کو دیکھنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔

گو یہ لوگ رات بھر کے تھکے ہوئے تھے لیکن جزیرے کو دیکھنے کا شوق اس قدر حاوی تھا کہ گھڑیوں کے مطابق صبح ہوتے ہی انہوں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ غوطہ خوری کے لباس پہنے گئے۔ واٹر پروف تھیلوں میں اسٹین گنیں اور میگزین بھر لئے گئے۔ کافی کے تھرماس اور کھانے پینے کی چیزوں کے پیکٹ کمر پر لادے گئے اور گیس سلنڈر پشت پر کسنے کے بعد وہ تیار ہو گئے۔

اور پھر آبدوز کے مخصوص حصے سے وہ باہر نکل آئے اور بلبلے چھوڑتے ہوئے پانی کی سطح کی طرف بلند ہونے لگے۔ پہاڑوں میں سیاہ غاروں کے دہانے نظر آرہے تھے۔ ان میں سے کچھ غاروں میں مچھلیوں کے غول بھی نظر آئے تھے جو انہیں دیکھ کر منتشر ہو جاتے تھے۔

وہ دھڑکتے دلوں کے ساتھ اوپر بلند ہوتے رہے اور پھر پانی کی سطح پر نکل آئے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر بھوری زمین نظر آرہی تھی۔ فضا پر دھند چھائی ہوئی تھی لیکن یہ دھند اتنی گہری نہیں تھی کہ وہ دیکھ نہ سکتے۔ عجیب پُر سحر ماحول تھا جو بے حد خوشگوار لگ رہا تھا۔ تاحدِ نگاہ پہاڑ پھیلے ہوئے تھے جن کی چوٹیوں پر برف نظر آرہی تھی۔ پہاڑوں کے دامن میں سبزہ زار نظر آرہے تھے جو گہرے سبز تھے۔

"شکر ہے برف باری کا موسم نہیں ہے۔" ایلڈوزیرو نے اپنا خود اتارتے ہوئے کہا۔ ایڈمرل سحرزدہ نگاہوں سے اس روائتی جزیرے کو دیکھ رہا تھا جس کے متعلق ابھی تک اس نے ایسی ایسی خوفناک داستانیں سنی تھیں جو رونگٹے کھڑے کردیتی تھیں۔ آج وہ جزیرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

سبزہ زار ویران تھے کسی انسانی وجود کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ تینوں اپنی جگہ خاموش کھڑے اس ماحول کو دیکھتے رہے۔

"یہ جزیرے کی کون سی سمت ہے ایلڈوزیرو؟" تھوڑی دیر کے بعد اسپنک نے گہری سانس لے کر پوچھا اور ایلڈوزیرو چونک پڑا۔

"جزیرہ وہی ہے میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں لیکن یہ سمت میرے لئے اجنبی ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے جزیرے کو غور سے نہیں دیکھا۔ یہاں مجھے سکون کے لمحات ہی میسر نہیں ہوئے بس زندگی کی جدوجہد میں مصروف رہا اور اسی جدوجہد نے مجھے جزیرے کے ماحول سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں دیا۔ تاہم جس جگہ میں تھا وہاں تھوڑی سی بھوری ریت کے بعد سبزہ زار شروع ہوجاتا تھا۔ اس سبزہ زار پر بہت سے درخت اُگے ہوئے تھے جو خاصی لمبی قطار تک پھیلے ہوئے تھے اور خاصے قریب تھے۔" ایلڈوزیرو نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے مسٹر اسپنک ہم اپنے کام سے کام رکھیں۔ کیا ضروری ہے کہ ہم جزیرے والوں کو چھیڑنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے ہمیں ان لوگوں سے کوئی پُرخاش نہیں ہے، ہمارا مقصد تو کچھ اور ہے۔ اگر ہم سمندر کی گہرائی سے سونے کے اس عظیم الشان مجسمے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ہم اسے اٹھا کر آبدوز میں لے آئیں گے۔ یہ لوگ اگر ہماری آمد سے لاعلم ہی رہیں تو بہتر ہے۔" ایڈمرل شیرازی نے تجویز پیش کی اور اسپنک مسکرانے لگا۔

"ظاہر ہے مسٹر شیرازی آپ نے بڑے بڑے بحری کارنامے انجام دیئے ہوں گے لیکن یہ مرحلہ آپ کے لئے بالکل نیا ہے یہ آپ کی کسی مہم جوئی سے بالکل الگ قسم کی چیز ہے، آپ ذرا غور تو فرمائیے اس مجسمے کا وزن چالیس من ہے، اور چالیس من وزن سمندر کی گہرائی سے اٹھا کر آبدوز تک لے آنا خاصا مشکل کام ہے، کیا یہ کام ممکن ہے؟"

"ہوں۔" شیرازی تھوڑی کھجاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "واقعی اتنا وزنی مجسمہ کسی بھی طور نہیں اٹھایا جاسکتا لیکن تمہارے ذہن میں اس سلسلے میں کوئی اور

پروگرام ہے۔"

"ہاں۔"

"وہ کیا؟"

"میں نے پوری پوری تیاریاں کی ہیں، دراصل اسپنک انہی معاملات کے لئے مشہور ہے۔ میرے تمام کام سائنٹیفک ہی ہوتے ہیں اور میں نے اس سلسلے میں جو ریسرچ کی ہے، اس کے مطابق کچھ ایسی چیزیں میرے پاس موجود ہیں جو اس کام میں معاون ثابت ہوسکیں گی۔"

"کیا آپ ان کے نام بتائیں گے مسٹر اسپنک۔" شیرازی نے کہا۔

"ہاں ضرور۔ اس مجسمے کو اٹھانے کے لئے میرے پاس ایک مخصوص ساخت کی کرین کا بندوبست ہے گو یہ کرین الیکٹرک ذرائع سے نہیں چل سکتی اور اس کے لئے انسانوں کی ہی ضرورت ہوگی اور ہمارے پاس اتنے انسان موجود نہیں ہیں۔ میں اپنے لوگوں میں سے کسی کو بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ تقدیر ان کا ساتھ نہ دے۔ اس کے لئے مجھے اسی جزیرے کی آبادی سے کام لینا ہوگا۔" اسپنک نے جواب دیا اور ان دونوں کے جسموں میں سنسنی دوڑ گئی۔ ایلڈوزیرو نے بھی متحیرانہ نگاہوں سے اسپنک کو دیکھا اور ایڈمرل شیرازی نے بھی۔

"گویا، گویا تم ان پر کنٹرول حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔" ایلڈوزیرو نے پوچھا۔

"بالکل سوفیصدی۔ اس کے بغیر ہمارا کام ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں ان جزیرے پر آزادانہ زندگی بسر کرنے کے لئے ماحول درکار ہوگا، اور اس کے لئے ظاہر ہے ہمیں ان لوگوں کو قابو میں کرنا پڑے گا۔"

"یہ ناممکن ہے قطعی ناممکن۔" ایلڈوزیرو نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اسپنک نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔

"مسٹر ایلڈوزیرو یہاں پر میرے اور تمہارے درمیان فرق نمایاں ہوجاتا ہے۔ کارمن اسپنک جس کام کے لئے سوچ لیتا ہے، پھر اس کے بارے میں اسے خیال ہوتا ہے کہ وہ اس پر قادر ہے، میں ماحول پر قدرت حاصل کرنے پر قادر ہوں اور تم دیکھو گے کہ میں کس طرح جزیرے کے ماحول کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیتا ہوں۔" اسپنک نے ہاتھ بڑھا کر اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی جکڑ لی۔ اس کے چہرے پر انتہائی خطرناک تاثرات تھے، لیکن ایلڈوزیرو ان تاثرات سے خوفزدہ نہ ہوا۔ وہ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر وہ

بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"بہر صورت میں اپنی زندگی کے بیشتر ایام ختم کرچکا ہوں۔ مجھے بہت زیادہ زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے' یونہی میں قید خانے میں تھا اور جتنی طویل قید مجھے ملی تھی اس کے بعد میں نے یہی سوچا تھا کہ اب اس قید خانے سے میری لاش ہی جائے گی لیکن اگر زندگی میں آزادی کے چند لمحات مہیا ہو ہی گئے ہیں تو میں ان سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہتا ہوں لیکن اس طرح نہیں کہ خود اپنا مذاق بن جاؤں۔ میں تمہارے ساتھ ہر تعاون کے لئے تیار ہوں جب تم پسند کرو۔ البتہ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ جزیرے کی جس آبادی کو تم کنٹرول کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ وہ اتنا نرم چارہ نہیں ثابت ہوگا تمہارے لئے۔"

"میں اس چارے کو نرم بنانے کی کوشش کروں گا۔" اسپنک نے ہنستے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر تک اسپنک کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "تاہم میں اس بات کے لئے خلوص دل سے تیار ہوں کہ جب تک ہم مجسمہ تلاش نہیں کرلیتے ان لوگوں کو چھیڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس دوران وہ خود ہی ہماری طرف متوجہ ہوجائیں تو دوسری بات ہے۔"

دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسپنک تھوڑی دیر پھر خاموش رہا اور پھر اس نے کہا۔ "یہ جگہ مجھے بہت موزوں نظر آئی ہے۔ اگر آپ لوگ بھی مناسب خیال کریں تو آبدوز سے باہر ہم اس جگہ کو اپنا عارضی ہیڈ کوارٹر بنالیں۔"

"یہ پہاڑیاں پھسلوان ہیں اور ان سے نیچے اترنا مشکل ہوگا۔"

"کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔" اسپنک نے کہا اور پھر وہ غوطہ خوری کا لباس اتارنے لگا۔ دونوں خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ طویل القامت خطرناک آدمی نے لباس اتار کر چاروں طرف دیکھا اور پھر انہوں نے اسے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ لنگوروں کی سی پھرتی رکھتا تھا اور نیچے اترنے میں اس کی یہ مہارت قابلِ دید تھی۔ وہ دونوں سانس روکے اسے نیچے جاتے دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نیچے کھڑا ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"یہ شخص ضرورت سے زیادہ خود اعتماد ہے۔ بے شک جرائم کی دنیا میں یہ اجنبی نہیں ہے اور ایک خطرناک انسان کی حیثیت سے خود کو منوا چکا ہے لیکن میرے دوست' میری زندگی کا تجربہ کہتا ہے کہ اگر انسان سو فیصد ہو تو خود کو صرف ساٹھ فیصد استعمال کرے اور اسی پر قناعت کرے' جہاں وہ اس سے آگے بڑھا کسی خطرناک حادثے کا شکار ہوجاتا ہے۔"

ایڈمرل نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے بعد دونوں خاموش ہی رہے یہاں تک کہ اسپنک واپس آگیا۔ اس نے غوطہ خوری کا لباس دوبارہ پہنا اور پھر ان دونوں کی طرف دیکھ کر دوبارہ بولا۔

"مجھے اس خطرات سے پُر جزیرے کی آبادی پر قدم رکھ کر بہت مسرت ہوئی ہے۔ ایسی جگہیں میرے لئے بہت دلکش ہوتی ہیں۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم اس وقت تک جزیرے کی آبادی کو نہیں چھیڑو گے جب تک سونے کا بت تلاش نہیں کرلو گے۔" ایلڈوزیرو نے کہا۔

"ہاں۔ ابھی تک تو یہی اردہ ہے۔"

"میری مانو اسپنک۔ اس بات پر عمل کرو۔ اگر وہ لوگ ہمیں دیکھ لینے میں کامیاب ہوگئے تو پھر اتنی آسانیاں نہ رہیں گی ہمارے لئے۔"

"سمندر کے نیچے بھی؟"

"اس بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ظاہر ہے وہ لوگ یہاں طویل عرصہ سے آباد ہیں اور ذہین لوگ ہیں نہ جانے انہوں نے کیا کیا انتظامات کئے ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ زیرو۔"

"کیا؟"

"اس جزیرے پر ان کی کتنی پشتیں گزر چکی ہیں۔"

"میرا خیال ہے دوسری نسل تیار ہو رہی ہے۔"

"اوہ۔ گویا وہ جدید ماحول سے واقف ہوں گے تاہم مجھے پرواہ نہیں ہے۔ حالات جو کچھ بھی ہوں گے میں ان سے نمٹ لوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اس بارے میں زیادہ زحمت نہ کرنا ہوگی۔ میں خود ہی سارا کام کروں گا۔ آپ دونوں تو اب میرے مشورہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"تم یقین کرو اسپنک۔ کم از کم میرے ذہن میں اپنے لئے خطرات کا احساس نہیں ہے۔ اگر میں کوئی بات تم سے کہتا ہوں تو اس کے پس پردہ ایک خیال ہے کہ جب تم میری سرکردگی میں یہاں آئے ہو تو اپنی مہم سے کامیاب ہی لوٹو۔"

"تمہاری اس نیک خواہش کے لئے میں دل سے شکرگزار ہوں۔ آؤ اب واپس چلیں۔ ہمارے ساتھی آرام کرلیں تو پھر میں ان کے ساتھ غوطہ خوری کی مہم پر چلوں۔" اسپنک نے کہا اور وہ تینوں واپس سمندر میں اتر گئے۔ سمندر کی تہہ سے گزر کر وہ آبدوز

تک پہنچے اور پھر اس کے بغلی سرے سے اندر داخل ہو گئے۔

آبدوز کا ماحول خوشگوار تھا۔ زندہ دل لوگ زندگی کی دلچسپیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہلکی موسیقی کی آوازیں ابھر رہی تھیں اور دونوں لڑکیاں سُروں کے درمیان رقص کر رہی تھیں۔

اسپنک بھی مسکراتا ہوا ان میں شریک ہو گیا۔ تھوڑی دیر وہ ان کی خوش فعلیوں سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر پیچھے ہٹ آیا۔ "یہ بھی میرا ایک اصول ہے۔ فرصت کے لمحات ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس وقت اسپنک ان پر حکمراں نہیں ہوتا۔ اب اگر اس جزیرے پر انہیں لڑکیاں مل گئیں اور وہ ان پر ٹوٹ پڑے تو اسپنک ان کے درمیان مداخلت نہیں کر سکتا۔"

ایڈ مرل شیرازی تو کچھ نہیں بولا لیکن ایلڈوزیرو نے گردن ہلائی تھی۔ گویا وہ یقین کر چکا تھا کہ اس خود اعتماد شخص کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی ہی اس کی تباہی کا باعث بن جائے گی لیکن وہ اس سلسلے میں بولنے کا کوئی حق نہیں رکھتا تھا۔ ایلڈو نے تنہائی میں شیرازی سے کہا۔

"مسٹر شیرازی۔ اسپنک آپ کو ایڈ مرل کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔"

"ہاں۔"

"میں آپ کے بارے میں تفصیلات نہیں جانتا لیکن اگر آپ کو زندگی عزیز ہے تو محتاط رہیں۔ جزیرے کے لوگ اس قدر نرم چارہ نہیں ہیں کہ اس آسانی سے قابو میں آ جائیں جس طرح سوچا جا رہا ہے۔"

"میں آپ سے متفق ہوں مسٹر زیرو۔"

"میں ان لوگوں کو قریب سے دیکھ چکا ہوں۔"

"بے شک آپ کا تجربہ ہو گا۔" شیرازی نے مختصراً کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد کئی گھنٹے پُرسکون گزرے پھر اسپنک نے دس غوطہ خوروں کا انتخاب کیا اور جدید سازو سامان سے آراستہ ہو کر سمندر کی گہرائیاں کھنگالنے چل پڑا۔ اس نے ان دونوں کو اس کام میں شریک نہیں کیا تھا البتہ روانگی کے وقت اس نے کہا۔

"معزز دوستو۔ کیا تم لوگ اس مجسمے کی تلاش میں حصہ نہ لوگے؟"

"ہم تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں گے اسپنک۔"

"شکریہ۔ میں نے ایک پروگرام کے تحت چار چار آدمیوں کو آرام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ چار آدمی واپس آ جائیں گے تو دوسرے چار آدمی سمندر میں اتر جائیں گے لیکن اس وقت آپ لوگ زحمت نہ کریں میں اس وقت آپ کی ضرورت محسوس کروں گا جب خود ناکام ہو جاؤں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور پھر آبدوز کے مخصوص حصے سے سمندر میں اتر گیا۔ ایڈ مرل سوچ رہا تھا کہ اس چالاک آدمی نے ان لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا ہو گا لیکن اس کے ساتھی ان کی حیثیت سے واقف ہوں گے اور مستعد بھی۔ اسپنک جیسے چالاک لوگ اپنے اردگرد کے ماحول سے ہمیشہ باخبر رہتے ہیں۔

ایڈ مرل شیرازی نے کافی وقت خاموشی سے گزارا اور پھر کسی خیال کے تحت وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر وہ ایک گہری سانس لے کر خود سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایلڈوزیرو کے پاس پہنچ گیا۔ "آئیے مسٹر زیرو۔ کچھ کریں۔ اس طرح بیٹھے بیٹھے بوریت ہو رہی ہے۔"

"کیا کریں گے مسٹر شیرازی؟"

"آئیے۔" شیرازی نے کہا اور اسے لئے ہوئے آبدوز کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ گیا۔ گیل آپریشن بکس پر بیٹھی ہوئی تھی جہاں سے اس کا رابطہ غوطہ خوروں سے تھا اور وہ کسی پیغام کے انتظار میں تھی۔ دوسرے لوگ بھی آبدوز کے سسٹم کو چیک کر رہے تھے اور سب اپنی جگہ مستعد تھے۔

ایڈ مرل نے گیل کے قریب پہنچ کر کہا۔ "مس گیل کیا میں اس آبدوز کے ایک مخصوص سسٹم کو استعمال کر سکتا ہوں۔"

"کس سلسلہ میں ایڈ مرل؟"

"میں ان غوطہ خوروں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" ایڈ مرل نے جواب دیا اور گیل چونک پڑی۔

"اوہ۔ اوہ کیا یہ ممکن ہے۔ کیا یہ ممکن ہے مسٹر ایڈ مرل۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو پھر براہ کرم آپ عمل کریں۔ تعجب ہے اب تک آپ نے ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"آپ لوگوں نے پوچھا ہی نہیں۔ آپ نے تو آبدوز کا انتظام اس طرح سنبھال لیا جیسے برسوں سے اسے استعمال کرتی آ رہی ہوں۔" ایڈ مرل نے کہا۔

"آپ کا خیال درست ہے مسٹر ایڈمرل' لیکن ظاہر ہے جو کچھ آپ اس بارے میں جانتے ہوں گے ہم نہیں جانتے۔" گیل نے کہا اور ایڈمرل ایک بورڈ پر مصروف ہوگیا۔ اس نے کئی بٹن دبائے اور پھر انہیں مخصوص انداز میں اوپر نیچے کرنے لگا۔ چند ہی ساعت کے بعد سامنے کی سمت میں ایک چوڑا تختہ گھوم گیا۔ وہ گھوم کر سامنے آیا تو اس پر ایک ویژن اسکرین نظر آیا اور ایڈمرل شیرازی کنٹرول بورڈ پر اسکرین کو صاف کرنے لگا۔ چند ہی ساعت کے بعد اسکرین پر دھندلے دھندلے دھبے نمایاں ہونے لگے اور پھر اس پر پانی نظر آنے لگا۔ یہ سمندر کی گہرائیوں کے مناظر تھے' وہ پہاڑ صاف نظر آرہے تھے جو وہ پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ گیل اور اس کے ساتھ ایلڈوزیرو بھی متعجبانہ نگاہوں سے اسکرین کو دیکھ رہے تھے۔ ایڈمرل شیرازی ایک اسٹیئرنگ کو آہستہ آہستہ گھمانے لگا اور اسکرین پر مناظر بدلنے لگے۔

سمندری گھاس' مچھلیاں اور چند ساعت کے بعد انہوں نے ایک غوطہ خور کو دیکھا۔ یہ اسپنک کا ہی آدمی تھا۔ ہاتھ میں پانی میں استعمال ہونے والی گن لئے وہ روشنی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اور اس کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں' گیل کے ہونٹوں پر دلچسپ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایلڈوزیرو کی طرف دیکھا پھر ایڈمرل شیرازی کی طرف اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"واہ آپ نے تو ہمیں اب تک اس سے محروم رکھا تھا مسٹر شیرازی۔ کیا یہ بہت دور تک دیکھ سکتا ہے۔"

"تقریباً ایک فرلانگ کے دائرے میں۔" ایڈمرل شیرازی نے جواب دیا اور پھر وہ منظر تبدیل کرنے لگا۔ بہت سے غوطہ خور نظر آئے اور وہ سب کے سب تلاش میں مصروف تھے' سمندر میں تہہ کی چیزیں نمایاں نظر آرہی تھیں۔ تب گیل نے ایڈمرل شیرازی سے کہا۔

"لیکن اس طرح تو مسٹر شیرازی یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اس اسکرین پر اس بت کو تلاش کریں۔"

"ہاں کوشش کی جاسکتی ہے۔" اور گیل اسے تعجب سے دیکھنے لگی۔ یہ شخص خاموش خاموش سا کافی پُراسرار معلوم ہورہا تھا اب تک اس نے کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اسپنک کے کسی معاملے میں عدم تعاون کیا تھا لیکن اس کا مطلب ہے کہ ابھی کچھ چیزیں اس کے ذہن میں موجود ہیں اور اس نے انہیں اپنی ذات تک رکھا

ہے۔

ایڈمرل شیرازی اسکرین کو حرکت دیتا رہا اور اس پر مختلف مناظر ابھرتے رہے۔ پہاڑ کے اندر گہرائیاں بھی نظر آرہی تھیں پہاڑوں کے اندر سوراخ بھی نظر آرہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے ایک انسانی وجود کو دیکھا اور وہ سب حیران رہ گئے۔ گیل کے منہ سے عجیب سی آواز نکل گئی۔

"ارے ارے یہ تو ہم میں سے نہیں ہے۔" اس نے کہا اور ایڈمرل شیرازی اس منظر کو صاف کرنے لگا۔ بلاشبہ یہ ان میں سے نہیں تھا۔ لمبے لمبے سیاہ بالوں والی ایک عورت جس کے جسم پر لباس نام کا ایک تار بھی نہیں تھا۔ کھلی ہوئی آنکھوں سے سمندر کی گہرائیوں میں تیر رہی تھی۔ غالباً وہ کسی شے کی تلاش میں تھی۔ ایڈمرل شیرازی اسے فوکس کرنے لگا۔ وہ جس طرف جاتی اسکرین پر اس کی شبیہہ نمایاں ہوجاتی۔

"میرے خدا۔ میرے خدا۔" ایلڈوزیرو کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ایلڈو یہ کون ہے؟"

"مقامی باشندہ۔ اسی جزیرے کی رہنے والی۔" ایلڈو نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا اور ایڈمرل شیرازی بغور اسے دیکھنے لگا۔

کسے ہوئے مضبوط بدن کی مالک لڑکی سمندر میں کسی بھی حفاظتی انتظام کے بغیر اس طرح تیر رہی تھی جیسے وہ مچھلی ہو اس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ بدن میں گویا بجلیاں تڑپ رہی تھیں اور وہ اِدھر سے اُدھر قلانچیں بھر رہی تھی۔

دور بہت دور انہوں نے ایک غوطہ خور کی ہلکی سی جھلک دیکھی لیکن وہ ایک دھندلے سے نقطے کی شکل میں نظر آیا تھا۔ نوجوان لڑکی کا عضو عضو تڑپ رہا تھا اور پھر شاید غوطہ خور نے بھی اسے دیکھ لیا۔

یہ انوکھا منظر یہاں موجود لوگوں کے لئے سخت تعجب خیز اور سنسنی سے بھرپور تھا۔ وہ سب ساکت و جامد انہیں دیکھ رہے تھے۔ غوطہ خور اور لڑکی اب ایک دوسرے کے قریب پہنچتے جارہے تھے۔ لڑکی کے چہرے کے تاثرات بھی اس اسکرین پر نمایاں تھے۔ وہ بھوکی بلی کی طرح اس غوطہ خور کو دیکھ رہی تھی اور اب اس کی رفتار کچھ سُست ہوتی جارہی تھی۔

یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے غوطہ خور شاید اس لڑکی کی بے لباسی سے متاثر ہوگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گن دبی ہوئی تھی لیکن اس کے دانت نکلے

ہوئے تھے۔ وہ اس برہنہ لڑکی کو دیکھ کر بہت خوش تھا جو اب کسی مچھلی کی طرح اس کے گرد چکرا رہی تھی۔ اسکرین پر اس کے بدن کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔

دفعتاً ان لوگوں نے اسے غوطہ خور پر جھپٹتے دیکھا۔ اس نے پشت سے غوطہ خور پکڑ لیا اور اس کے بعد شدید جدوجہد ہونے لگی۔ غوطہ خور کو اب خطرے کا احساس ہوا تھا اس کی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اب وہ لڑکی سے بچنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

گیل نے ہیجان خیز انداز میں چند بٹن دبائے اور جلدی جلدی بولنے لگی۔ "مسٹر اسپنک مسٹر اسپنک۔ براہ کرم اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیں۔ ایک مقامی لڑکی بڑی شدومد سے ہمارے ایک آدمی پر حملہ آور ہوئی ہے۔ دونوں میں جنگ ہو رہی ہے مسٹر اسپنک مسٹر اسپنک۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" اسپنک کی غراہٹ سنائی دی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں جناب۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اوہ ہمارا ساتھی نڈھال ہو رہا ہے۔ جلدی کرو۔ آہ وہ اب اس کے قبضے میں ہے۔"

"گیل تم پاگل ہو گئی ہو۔ وہ لڑکی کہاں ہے کیا آبدوز میں۔" اسپنک پھر غرایا۔

"نہیں جناب۔ سمندر کے نیچے پانی میں۔ آہ۔ وہ اسے کسی مُردہ مچھلی کی طرح گھسیٹتی لے جا رہی ہے۔ وہ اسے لے جا رہی ہے۔" گیل کی آواز روہانسی ہو گئی تھی دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اسکرین اب اس منظر سے خالی ہو گیا تھا اور سناٹا چھا گیا تھا۔

"تو ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ اب دلچسپ حادثات کا انتظار کرو!" ایلڈوزیرو نے کہا۔ اس کی بات کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر باہر سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور چند ساعت کے بعد اسپنک بپھرا ہوا اندر داخل ہوا۔

"تم کیا بکواس کر رہی تھیں؟" وہ گیل کو گھورتا ہوا بولا اور گیل نے کوئی جواب دیئے بغیر اسکرین کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسپنک کسی قدر حیران ہو گیا تھا۔

"یہ کہاں سے آیا؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"آبدوز ہی کا ایک حصہ ہے مسٹر اسپنک!" شیرازی نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔ اسپنک نے باقی سوال وجواب خود ہی اپنے ذہن میں کر لئے ہوں گے۔ وہ اس سلسلہ میں کچھ نہیں بولا اور پھر اس نے اس سلسلہ میں تفصیل پوچھی اور گیل پھولے ہوئے

سانس کے ساتھ اسے سب کچھ بتانے لگی۔

"دوسرے لوگوں کو واپسی کی ہدایت کرو۔" اسپنک نے کہا اور گیل جلدی جلدی پیغامات نشر کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی کے سوا سب واپس آ گئے اور گیل کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔

"کیا اس نے اسے ختم کر دیا تھا؟" اسپنک نے پوچھا۔

"انداز ایسا ہی تھا۔ کیونکہ وہ اسے گھسیٹتی ہوئی لے گئی تھی۔"

"کمال ہے ایک عورت اتنی طاقتور۔ کیوں مسٹر ایلڈو۔"

"مقامی لڑکی تھی۔ ہمیں دیکھ لیا گیا ہے اور اب ہمیں ان کی طرف سے کسی کارروائی کا منتظر رہنا چاہئے۔"

"ہوں۔" اسپنک کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "مسٹر شیرازی آپ اس اسکرین کو استعمال کریں۔ جہاں تک ہم اس پر دیکھ سکتے ہیں سمندر کی گہرائیوں کا جائزہ لیں۔ کیا خیال ہے۔"

"یہ کوشش کی جا سکتی ہے۔ ہمیں جگہ بدلتے رہنا ہوگا۔"

"مناسب بات ہے۔ تو یہ کارروائی شروع کی جائے۔" اسپنک کی آواز صاف ہو گئی جیسے اس نے اپنے ایک آدمی کا غم برداشت کر لیا ہو اور پھر تمام لوگ مستعد ہو گئے۔ آبدوز کو اس کی جگہ سے ہٹا لیا گیا اور اسے مزید گہرائیوں میں لے جایا گیا۔ شیرازی کے لئے اب ایک ڈیوٹی متعین ہو گئی تھی۔ آبدوز کے سگنل نشر ہو رہے تھے اور وہ کسی بڑی وہیل مچھلی کی مانند سمندر کی گہرائیوں میں جھانکتی پھر رہی تھی۔ کئی گھنٹے اس کام میں گزر گئے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے رک رک کر اسکرین پر قرب وجوار کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تھا۔ خوفناک سمندری غار ان میں چھپے ہوئے سمندری جانور۔ سب کے سب نمایاں ہو رہے تھے اور یہ کوشش کئی گھنٹے تک جاری رہی۔

پھر اسپنک نے ہاتھ اٹھایا۔ "بس آج کا کام ختم۔"

"آبدوز کو واپس اس کی جگہ لے جایا جائے؟" آبدوز آپریٹر نے پوچھا۔

"کیوں مسٹر شیرازی کیا رائے ہے؟"

"وہ محفوظ جگہ تھی۔" شیرازی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے آبدوز کو یہاں سے لے جایا جائے۔" اسپنک نے حکم دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ شخص اب کسی کے ذہن میں نہ رہا ہو جو ان لوگوں کا شکار ہوا تھا لیکن تنہائی ملنے پر ایڈوزیرو نے شیرازی سے کہا۔

"وہ واقعہ اتنا معمولی نہیں تھا کہ اس پر گفتگو بھی نہ کی جائے۔ اس کے نتیجے میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔"

اور کچھ نہ کچھ آٹھ گھنٹے کے بعد ہوا۔ سب لوگ آرام کررہے تھے۔ آبدوز کے سگنل بند تھے اور سمندر پُرسکون تھا لیکن دفعتاً سمندر میں تلاطم پیدا ہوگیا۔ ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے بعد آبدوز لرز گئی اور سوتے ہوئے لوگ بستروں سے لڑھک گئے۔

آبدوز میں چھناکے ابھر آئے۔ شیشے کے آلات برتن اور دوسری چیزیں چھن چھن کرکے ٹوٹنے لگیں لیکن بات ایک دھماکے کی نہیں تھی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے اور دھماکے ہوئے اور آبدوز دہل کر رہ گئی۔ پھر ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور انہیں آبدوز کا اوپری حصہ نیچے بیٹھتا محسوس ہوا۔ اب بات خوفناک حدود میں داخل ہوگئی تھی۔ وہ سب بے تحاشہ دوڑنے لگے۔ اسپنک نے حکم دیا کہ آبدوز کے انجن اسٹارٹ کرکے فوراً اسے یہاں سے آگے بڑھایا جائے اور لوگ مصروف ہوگئے۔

ایڈمرل شیرازی نے دوسرے لوگوں کی طرف توجہ دیئے بغیر جلدی سے روٹروم کا کنٹرول سنبھالا اور چند لمحات کے لئے باہر کے مناظر ابھر آئے۔ اسپنک خود بھی دوڑتا ہوا اس طرف آگیا۔ سیاہ پہاڑیوں کے غار میں سے گول گول ڈبے باہر نکلتے اور نکلتے ہی پھٹ جاتے ان سے دھماکہ ہوتا اور پانی میں آگ ابھر آتی۔

پہاڑی چٹانوں کے پرخچے اڑ رہے تھے اور یہ وزنی چٹانیں آبدوز پر گر رہی تھیں۔ اس وقت بچت کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ کسی طور آبدوز کو یہاں سے دور لے جائے۔ دفعتاً اسکرین تاریک ہوگیا۔ اس لئے کہ اس کے سسٹم میں آگ لگ گئی تھی۔ آبدوز کے انجن ابھی تک اسٹارٹ نہیں ہوئے تھے۔ اسپنک وہاں سے بھاگا اور چند منٹ میں یہ خبر عام ہوگئی کہ دھماکوں سے آبدوز کے انجن جام ہوگئے ہیں اور ان میں توڑ پھوٹ ہوئی ہے جس کی وجہ سے آبدوز ناکارہ ہوگئی ہے۔

دھماکے برابر ہو رہے تھے اور اسپنک گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا لیکن ایڈمرل اس وقت بھی اس کے چہرے پر دہشت یا بے سکونی نہیں دیکھی تھی۔ وہ پُراطمینان آرہا تھا۔

"غوطہ خوری کے لباس پہن لو۔ آکسیجن سلنڈر پشت پر باندھ لو۔ یہ عمل فو

جائے۔" اس نے حکم دیا اور اس کے احکامات کی تعمیل ہونے لگی۔ دھماکے برابر ہو رہے تھے اور ہر دھماکے سے آبدوز لرز اٹھتی تھی۔ "اگر آبدوز میں موجود بارود کے ذخیرے میں آگ لگ گئی تو پھر صورتِ حال خراب ہوجائے گی۔" اس نے بڑبڑانے کے سے انداز میں کہا۔

کسی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سب اس ہولناک گرج سے سہمے ہوئے نظر آرہے تھے۔ شکر تھا کہ ابھی تک آبدوز کا آکسیجن نظام متاثر نہیں ہوا تھا ورنہ قیامت ہی آجاتی۔ اس کے بعد انہیں باہر نکلنا پڑتا اور باہر جو طوفان تھا اس سے بھی زندگی بچانا محال تھی۔

وہ خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لیتے رہے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اب دھماکوں میں کمی ہوگئی ہے۔ رفتہ رفتہ سکون چھا گیا تھا۔ سب لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"ایڈمرل، کسی طور تمہارے اس ویژن اسکرین کا نظام درست ہوسکتا ہے؟" اسپنک نے پوچھا۔

"سوری مسٹر اسپنک پوری مشینری ناکارہ ہوگئی۔ اس کی درستگی اب ممکن نہیں ہے۔" ایڈمرل نے جواب دیا۔

"ہوں۔ تعجب ہے ان غیر مہذب لوگوں کے پاس بارود کے اتنے بڑے ذخیرے کہاں سے آگئے۔ کیا یہ طاقتور ڈرم انہوں نے خود تیار کئے تھے یا کہیں سے ان کے ہاتھ لگے۔ بہرحال وہ آبدوز کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ اب باہر نکلنے کی تیاریاں کی جائیں اس وقت صرف اسلحہ محفوظ کرکے اوپر لے جانے کا سوال ہے۔ آپ لوگ اس کی تیاریاں کریں۔ ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ موت ہماری شہ رگ سے قریب ہوتی ہے۔ اس سے کہیں مفر نہیں ہے۔"

اور اس کے جاں نثاروں نے خوش دلی سے اس کا یہ حکم بھی قبول کرلیا۔ اسپنک سب سے پہلے آبدوز سے باہر نکلا تھا اور اس کے بعد دوسرے لوگ وزنی اسلحہ اٹھائے ہوئے باہر نکل آئے۔ سمندر اب پُرسکون تھا۔ ہزاروں مچھلیاں کیکڑے اور دوسرے سمندری جانور مُردہ نظر آرہے تھے۔ پہاڑیاں اُدھڑ کر رہ گئی تھیں۔ بڑی بڑی مچھلیاں بھی مرگئی تھیں۔ وہ اسپنک کی رہنمائی میں ان مُردہ جانوروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ آبدوز میں اب کوئی نہیں رہ گیا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ سطح پر پہنچ گئے۔

اسپنک نے گردن نکال کر دیکھا۔ وہ پہاڑی سلسلے کے پاس ہی نکلے تھے۔ اس نے یہ جگہ پسند کی اور اپنے آدمیوں کو لے کر ایک بلند وبالا پہاڑی پر مورچہ بنادیا جس کے دوسری سمت کٹاؤ دار ڈھلوان تھے اور سامنے ہی درختوں کا سلسلہ نظر آرہا تھا۔

"بہترین اور محفوظ جگہ ہے۔ اسلحہ کھول لو۔" اسپنک نے حکم دیا اور اس کے ساتھی مصروف ہوگئے۔ ہلکی مشین گنیں نصب کرلی گئیں۔ ان کے علاوہ اسٹین گنیں اور دستی بموں کا ذخیرہ بھی تھا جسے بڑی حفاظت سے محفوظ جگہوں پر منتقل کرلیا گیا اور اس کے بعد وہ اس کام سے فارغ ہوگئے۔

اسپنک نے ایلڈوزیرو کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "معزز ساتھی کیا تم میری غیر موجودگی میں میرے نائب کا کردار ادا کرنے پر تیار ہوجاؤ گے؟"

"حکم دو اسپنک۔" زیرو نے کہا۔

"یہ سب لوگ تمہارے احکامات کی تعمیل کریں گے۔ اگر کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آئے تو تم ان لوگوں کی کمان کرو گے۔ میں آبدوز سے دوسری چیزیں جیسے خوراک اور ایسا ہی ضرورت کا دوسرا سامان لے آؤں۔ یہ کام میں اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم یہاں کے حالات سے مطمئن ہو کر جاؤ۔" ایلڈوزیرو نے کہا اور اسپنک نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اس نے اپنے چھ ساتھیوں کا انتخاب کیا اور غوطہ خوری کے لباس میں سمندر میں اتر گیا۔ یکے بعد دیگرے اس کے ساتھی بھی پانی میں داخل ہوگئے تھے۔ ایڈمرل شاید اس کے لئے ناقابلِ بھروسہ تھا۔ ممکن ہے اس کی وجہ اسپنک کے دل کا چور ہو۔ اس نے ایڈمرل کے ساتھ کوئی اچھا سلوک تو نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس زیرو کو اس نے دائمی قید سے نکالا تھا۔ ایڈمرل کو اس بات کا احساس تھا لیکن اس کا تجربہ یہ کہتا تھا کہ اس وقت اسپنک کا ساتھ دینا ہی زندگی کی ضمانت تھی۔ ورنہ وحشیوں کی اس بستی میں کسی اجنبی انسان کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی تھی۔

وہ لوگ مستعدی سے ماحول پر نگاہیں جمائے رہے اور وقت گزرتا رہا۔ قرب وجوار میں کوئی تحریک نہیں تھی۔ خاموشی طویل ہوگئی تو ایلڈوزیرو بھی اکتا کر ایڈمرل کے پاس پہنچ گیا۔ "ان لوگوں کے اس حملے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں سوائے اس کے کہ وہ بارود کے بہترین استعمال سے واقف ہیں اور انہوں نے آبدوز کو ناکارہ کرنے کے پورے انتظامات کرلئے تھے۔" ایڈمرل

شیرازی نے جواب دیا۔

"وہ لوگ ہماری آمد سے باخبر ہیں اور میرے خیال میں یہ پہاڑیاں محفوظ نہیں ہیں۔ وہ ان کے پوشیدہ راستوں سے بھی.........." ابھی زیرو نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ اچانک ہی پہاڑیوں میں گڑگڑاہٹ ہوئی تھی۔ تین خوفناک دھماکے ہوئے اور بڑے بڑے پہاڑی پتھر فضا میں اڑنے لگے۔ ان پر بجری اور پتھروں کی بارش ہوگئی تھی۔ اس ناگہانی افتاد سے وہ سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ گولیاں چلنے لگیں۔ پہلی ہی کوشش میں اسپنک کے چار ساتھی ہلاک ہوگئے تھے۔ گولیاں چلانے والے کسی ایسی جگہ پوشیدہ تھے کہ ان کا نشانہ لینا بھی ممکن نہیں تھا۔ مشین گنوں کا استعمال بے سود تھا۔ البتہ چند لوگوں نے سنبھل کر دستی بموں کا استعمال شروع کردیا اور تاک تاک کر ان جگہوں پر بم پھینکے گئے جہاں کسی کے چھپے ہونے کے امکانات تھے۔ افراتفری مچ گئی تھی کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ ایک بڑا پتھر ایڈمرل کے سر میں لگا اور اس کی آنکھوں میں تاریکی چھا گئی۔ خوفناک ہنگامے دیر تک جاری رہے تھے لیکن ایڈمرل اب ان ہنگاموں سے بے نیاز تھا۔

اسے ہوش آیا تو وہ گھاس کے ایک ڈھیر پر پڑا تھا۔ چاروں طرف سنگلاخ دیواریں تھیں۔ دیوار کے ایک گڑھے میں مشعل گڑی ہوئی تھی جس کی روشنی غار کو منور کررہی تھی۔ چند ساعت تو وہ اسی طرح ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اچھل کر بیٹھ گیا۔

لیکن غار میں وہ تنہا نہیں تھا۔ دو لڑکیاں ایک کونے میں بیٹھی اس کی نگرانی کررہی تھیں۔ نوخیز لڑکیاں تھیں۔ بدن پر لباس کا تار بھی نہیں تھا۔ ٹھوس بدن نوخیزیت کی بھرپور رعنائیوں سے لبریز تھا۔ لمبے لمبے سیاہ بال بے ترتیب سے بکھرے ہوئے تھے چہرے پر صحت مندی کی علامات تھیں اور ایک وحشیانہ چمک ان کی آنکھوں میں لرز رہی تھی۔

ایڈمرل کو ہوش میں آتے دیکھ کر وہ دونوں کھڑی ہوگئیں اور ایڈمرل کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس وحشیانہ برہنگی کو اس کی فطرت برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

لیکن ایک تیز سیٹی کی آواز سن کر وہ اچھل پڑا۔ یہ سیٹی ایک لڑکی نے منہ سے بجائی تھی اور ردِعمل کے طور پر تین چار جوان اندر گھس آئے۔ یہ بھی بے لباس تھے اور ان کے ورزشی بدن فولاد کی مانند نظر آرہے تھے۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے پہلے لڑکی کو دیکھا اور پھر ایڈمرل کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اسے ہوش میں دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہیلو۔" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا اور ایڈ مرل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا تم انگلش بول سکتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"کیوں تمہارے خیال میں ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی زبان بولنی چاہئے۔" اس نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے لیکن شکل وصورت سے تو تم بالکل وحشی نظر آتے ہو؟"

"چھوڑو ان باتوں کو تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"تب آؤ۔ پادری تمہارا منتظر ہے۔" اس نے کہا اور ایڈ مرل اٹھ گیا۔ دونوں لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہی غار کے دہانے سے باہر نکل آئی تھیں۔ غار کے باہر کھلا آسمان تھا۔ اوپر سورج چمک رہا تھا لیکن غار کی ساخت ایسی تھی کہ وہاں گھپ اندھیرا رہتا تھا۔

وہ پتلی دراڑوں سے گزرتے رہے جو قدِ آدم تھیں اور پھر وہ ایک انتہائی کشادہ غار کے دہانے میں داخل ہوگئے۔ یہاں بہت سے ننگ دھڑنگ مرد اور عورتیں اور بچے نظر آرہے تھے۔ لباس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ شکل و صورت قدو قامت بہترین تھے اگر مہذب دنیا میں یہ لوگ ہوتے تو ایک خوبصورت قبیلہ یا خاندان کہلا سکتے تھے۔

غار میں ایک معمر شخص موجود تھا جس کے سر کے بال لمبے تھے اور داڑھی پیٹ تک پھیلی ہوئی تھی۔ چہرے پر بڑی بردباری اور جلال نظر آرہا تھا لیکن باقی سب خیریت تھی یعنی لباس کا یہاں بھی کوئی وجود نہیں تھا۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے ایڈ مرل کو دیکھا۔

"تم جواب دو گے تمہیں جواب دینا ہوگا کہ تم کون ہو اور ہماری اس پُرسکون دنیا میں کیوں آئے ہو؟"

"میں ایک خطرناک شخص کا قیدی ہوں جس چیز میں ہم آئے تھے.........."

"آبدوز ہے۔" بوڑھے نے حقارت سے کہا۔

"خوب۔ تم جدید دنیا سے اچھی طرح واقف ہو؟"

"ہاں اور وہاں کے بسنے والوں سے بھی۔ مجھے کوئی جھوٹی کہانی مت سناؤ۔ یہ بتاؤ تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو۔"

"وہ شخص جس کا میں قیدی ہوں پلاٹوس کے بت کی تلاش میں آیا ہے۔" ایڈ مرل

نے جواب دیا اور پادری خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھک گیا۔ کیا مطلب؟"

"سونے کا ایک بت۔ جو ایلڈوس نامی جہاز میں.........."

"نحوست کا دیوتا۔ کیا تمہیں اس بات پر یقین ہے۔"

"میں نہیں مانتا لیکن کیا درحقیقت اس کا کوئی وجود ہے؟" ایڈ مرل نے کہا۔

"ہاں۔ وہ سمندر کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سمندر سے باہر آکر وہ تباہی کا دیوتا تو بن سکتا ہے کسی کے لئے شفقت بخش نہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

"ہاں۔ ہم نے اسے سمندر کے ایک مخصوص مقام پر پوشیدہ کردیا ہے لیکن اسے نکالنا تباہی کو.......... دعوت دینا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا لیکن وہ شخص اسی لئے یہاں آیا ہے۔"

"ناکام رہے گا۔ موت اپنائے گا اور موت اس کا مقدر ہی ہے۔ ابھی نہ سہی کچھ وقت گزارنے کے بعد تم سن لو گے کہ وہ مارا گیا لیکن تم خود کو اس کا قیدی کیوں کہتے ہو؟"

"میں جو کچھ تم سے کہوں گا تم اسے جھوٹی کہانی سمجھو گے؟"

"اس کے باوجود میں سننا چاہتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا اور ایڈ مرل نے اسے پوری تفصیل بتادی۔ اس نے اسپنک کے بارے میں بھی بتادیا تھا۔ بوڑھے کے چہرے پر نفرت کے آثار پھیل گئے۔

"گویا دنیا ابھی تک جوں کی توں ہے کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی ہے اس میں۔ مجھے اسی لئے تمہاری دنیا سے نفرت ہے۔"

"تمہارا کیا نام ہے معزز پادری؟"

"صرف پادری۔ میں نے یہاں ناموں کی تخصیص ختم کردی ہے۔ جن کے نام تھے وہ انہیں بھول گئے ہیں۔ نئے پیدا ہونے والوں کے نام نہیں رکھے جاتے ہم نے مہذب دنیا کی ہر چیز سے اختلاف کیا ہے۔"

"میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"کچھ نہیں ہماری کوئی کہانی نہیں ہے۔ بس یہ جزیرہ ہمارا مقدر ہے۔ ہم چند یہاں

پہنچ گئے۔ سمندر سے غرق جہاز سے ہم نے سب کچھ نکال لیا۔ اس جزیرے کو باہر کے گندے لوگوں سے پاک رکھنے کے لئے جہاز کے لوہے سے ہتھیار بنائے گئے۔ زرعی آلات بنائے گئے۔ ضرورت کی ایک نئی دنیا آباد کرلی ہے ہم نے اور اب ہماری نسل بڑھ رہی ہے اور ہم مطمئن اور مسرور ہیں۔ ہم جدید دنیا کی غلاظت سے پاک ہیں۔ اول تو یہ جزیرہ مہذب لوگوں کی پہنچ سے دور ہے اور اگر کوئی بھٹکا ہوا یہاں آبھی جاتا ہے تو ہم اس کے لئے معقول بندوبست رکھتے ہیں۔"

"لیکن آپ لوگ انگریزی بولتے ہیں؟"

"ہاں تو اس میں کیا حرج ہے۔ خیالات کے اظہار کے لئے یہ زبان ہماری معاون ہے۔"

"آپ لوگوں کا طرزِ زندگی کیا ہے؟" ایڈمرل اپنی مصیبت کو بھول کر اس دلچسپ ماحول کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ اسے یہ لوگ عجیب محسوس ہورہے تھے۔

"کچھ نہیں ہم نے انسان کو تہذیب واخلاق کی بندشوں سے آزاد کردیا ہے۔ کیا فائدہ اس کمزور ہستی پر وزنی بوجھ لادنے کا جب یہ بوجھ اٹھایا نہیں جاسکتا تو اسے قائم رکھنے سے کیا حاصل؟"

"کیا مطلب؟"

"یہ سب لباس کی قید سے آزاد ہیں۔ یہاں رشتے نہیں ہوتے۔ زندگی گزارنے کے لئے ہر طرح کی آزادی ہے۔ ہر عورت عورت ہے ہر مرد مرد۔ سب سال کے چار ماہ اجناس اور گوشت کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔ آٹھ ماہ تک پہاڑوں اور غاروں میں پوشیدہ رہ کر آرام سے بسر کرتے ہیں۔ سبزی ترکاری اگائی جاتی ہے۔ چار ماہ ہمارے بڑی مصروفیت کے ہوتے ہیں اور آٹھ ماہ آرام کے۔ کیونکہ برف باری اور کہر کی وجہ سے ہم ان دنوں میں کچھ نہیں کرسکتے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"یہ کون سا موسم ہے؟"

"جدوجہد کا آخری مہینہ۔ ہماری ذخیرہ گاہ بھر چکی ہے۔ بس آخری کام ہورہا ہے۔ مچھلیاں خشک کی جاچکی ہیں اور انہیں سمیٹا جارہا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں آسمان سے کہر اتر رہی ہے۔ ابھی یہ ہلکی ہے لیکن ایک یا ڈیڑھ ماہ کے اندر یہ اتنی گہری ہوجائے گی کہ پھر برف باری شروع ہوجائے گی اور ہم غاروں میں چلے جائیں گے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

ایڈمرل اس عجیب وغریب زندگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"تمہاری نسل بڑھ رہی ہے۔"

"ہاں۔ مناسب رفتار سے۔"

"کیا ایک دن یہ نسل اتنی زیادہ نہیں ہوجائے گی کہ یہ جزیرہ تمہارے لئے تنگ ہوجائے گا؟" ایڈمرل نے پوچھا۔

"سارے انتظامات مکمل ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہوگا۔ آبادی کے لحاظ سے عمر کا تناسب مقرر ہے۔ ایک خاص عمر میں آنے کے بعد موت اپنانی پڑتی ہے لیکن ابھی تو طویل عرصہ اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"کیا ان زمینوں سے تم اتنا غلہ حاصل کرلیتے ہو کہ.........."

"غلہ ہمارے ہاں تیسرے درجے کی ایک چیز ہے۔ نمبر ایک مچھلیاں جو ہماری عام خوراک ہیں اور سمندر وسیع۔ دوسرے نمبر پر گوشت جس میں کیڑے مکوڑے سانپ بچھو سے لے کر شیر اور ہاتھی تک ہرجانور ہماری گوشت کی ضرورت کو پوری کرتا ہے۔ تیسرے نمبر پر پھل وغیرہ آتے ہیں۔ سبزیاں گھاس پھوس۔ جو چیزیں انسانی معدے میں سما سکتی ہیں سب ہمارے لئے غذا کا کام دیتی ہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"آخری سوال اور ہے۔ پلوٹوس کے بت کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟"

"عقیدہ ہی نہیں تجربہ بھی ہے۔ وہ تباہی کا دیوتا ہے اور جب تک وہ سمندر میں رہے گا حالات ٹھیک رہیں گے دوسری صورت میں تباہی یقینی ہے۔"

ایڈمرل خاموش ہوگیا۔ اسی وقت چند برہنہ نوجوان اندر داخل ہوئے اور انہوں نے کہا۔

"باہر سے آنے والے دشمن کو پہاڑیوں میں گھیر لیا گیا ہے لیکن اس بار وہ سخت حملہ کررہا ہے۔ ہمارے بیس جوان مارے گئے ہیں۔"

"اوہ۔ آؤ۔ میں صورتِ حال کا جائزہ لوں گا۔" بوڑھے نے دانت پیس کر کہا۔ اور پھر وہ دو آدمیوں سے بولا۔ "اسے بند کردو اور سخت نگرانی کرو۔" ان دونوں آدمیوں نے ایڈمرل کو دوبارہ اسی جگہ پہنچادیا اور دونوں لڑکیاں اس کی نگرانی پر مامور ہوگئیں۔

☆======☆======☆

کارمن اسپنک کی وحشت عروج پر تھی۔ اس کے آٹھ ساتھی مارے جاچکے تھے اور اب ان کی تعداد صرف اٹھارہ رہ گئی تھی۔ دو لڑکیاں اور ایک ایلڈوزیرو اس طرح کل

ایکس آدمی تھے۔

سب کے سب جدید اسلحہ سے لیس تھے اور اس وحشت ناک جزیرے پر خرگوشوں کی مانند زندگی گزار رہے تھے۔ ایلڈوزیرو نے تسلیم کیا تھا کہ اسپنک بے جگر آدمی ہے۔ خوف کا اس کے قریب سے گزر نہیں تھا۔ اس کے ساتھی بھی اس کی مانند تھے۔ وہ اب جزیرے کے ہر حصے کو دیکھ رہے تھے۔ اسپنک ہر جگہ بے دھڑک چلا جاتا تھا۔ قدم قدم پر مقامی باشندوں سے جھڑپیں ہوتی تھیں۔ جن میں لڑکیاں عورتیں اور بوڑھے سبھی ہوتے تھے۔ مدِمقابل بھی بے حد خطرناک تھے۔ انتہائی کوشش کے باوجود ابھی تک اسپنک ان میں سے کسی کو زندہ نہیں پکڑ سکا تھا لیکن وہ ان کو ہلاک ضرور کردیتا تھا اور اب تک اس کی ذہانت نے اس کے لوگوں کو محفوظ رکھا تھا۔

زیرو کو حیرت تھی کہ ان دس دنوں کے اندر اس نے اسپنک کو کبھی آرام کرتے نہیں دیکھا۔ نہ ہی اس کے انداز میں کوئی اضمحلال نظر آرہا تھا۔ وہ بھرپور طور سے سرگرم عمل تھا۔ دوران جنگ بھی اس نے اپنے لوگوں کو ہدایت کردی تھی کہ زیادہ تر بوڑھے انسانوں کو شکار کریں اسے جوانوں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

یہ انوکھی بات تھی۔

پورے بیس دن گزر گئے۔ ابھی تک نہ ان لوگوں نے ہار مانی تھی اور نہ ہی اسپنک کے ارادوں میں کوئی زوال محسوس ہوا تھا۔ البتہ اب موسم بدلتا جارہا تھا۔ جزیرے پر سورج نکلنا بند ہوگیا تھا اور کہر گاڑھی ہوتی جارہی تھی۔ اسپنک اپنے مضبوط ٹھکانے پر رہتا تھا اور اس کے آدمی مقامی باشندوں کا شکار کرتے رہتے تھے۔

پھر ایلڈوزیرو کو یوں محسوس ہوا کہ اسپنک راتوں کو کسی خاص چیز کی تلاش میں نکلتا ہے اور پھر ایک رات وہ اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر کہر میں چل پڑا۔ اس رات اس نے ایک وسیع غار پر حملہ کیا تھا یہ مقابلہ اب تک ہونے والے تمام مقابلوں سے زیادہ خوفناک تھا۔ لاتعداد وحشی مارے گئے اور پہلی بار دو وحشی اسپنک کے ہاتھ آئے تھے۔ اسپنک نے نہایت پھرتی سے اس غار کے اوپری حصوں پر مشین گنیں نصب کردیں اور اپنے آدمیوں کو ہدایت کردی کہ وہ وحشیوں پر نگاہ رکھیں۔ پھر وہ ایلڈوزیرو کو لے کر ان غاروں میں داخل ہوگیا اور زیرو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں' غار خشک مچھلیوں' سبزی ترکاریوں' پھلوں اور دوسری غذائی اجناس سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ وحشیوں کی ذخیرہ گاہ تھی جو نہایت محفوظ تھی۔

اور شاید وحشی آبادی کے لئے یہ سب سے خوفناک امتحان تھا۔ جن دو وحشیوں کو زندہ پکڑا تھا وہ خوفزدہ نظر آرہے تھے لیکن اسپنک نے ان کے ساتھ بے حد محبت کا سلوک کیا اور بولا۔ "میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا تم جاؤ اور اپنے سربراہ کو میرا ایک پیغام دے دو۔ ان سے کہو کہ میں ان کے جزیرے کو تسخیر کرنے اور یہاں قیام کرنے نہیں آیا۔ میں صرف ان کی امداد چاہتا ہوں۔ وہ لوگ اگر میرے ساتھ تعاون کریں تو میں کہر گاڑھی ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤں گا اور اگر انہوں نے میرے ساتھ تعاون نہ کیا تو میں صرف ایک دن انتظار کرنے کے بعد یہ غار بارود سے اڑا دوں گا اور تمہاری خوراک کا ذخیرہ تباہ ہوجائے گا۔ جاؤ۔ یہ پیغام اپنے لوگوں کو دے دو۔"

اور پھر ان دونوں کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ اب ان کی واپسی کا انتظار تھا اور یہ انتظار زیادہ طویل نہ ہوا۔ دوسرے دن اجناس گاہ کے سامنے کے وسیع میدان میں وحشیوں کے نتھے گروہ جمع ہونے لگے اور جب ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہوگئی تو بوڑھا پادری آگے بڑھا۔ ایڈمرل شیرازی ان کے ساتھ تھا۔ بوڑھے کے انداز میں شکست خوردگی تھی۔ اس نے تھکے لہجے میں اسپنک سے پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"پلاٹوس کا سنہری مجسمہ جو سمندر کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے تمہارے لوگ اسے نکال کر ہمارے حوالے کرنے میں مدد کریں گے اور اس کے بعد ہم خاموشی سے یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"وہ نحوست کا مجسمہ ہے۔ اگر اسے سمندر سے نکالا گیا تو کوئی محفوظ نہیں رہے گا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"سمندر کی اس نحوست کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے تمہیں اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ دوسری صورت میں تم موسم کی نحوست کا شکار ہوجاؤ گے۔ ہم نے تمہارے غذائی ذخیرے کے چاروں طرف بارود جمع کردی ہے۔ اگر تم میں سے کسی نے اس وقت تک کوئی حرکت کی جب تک ہم اپنی آبدوز کی مرمت کرکے یہاں سے نکل نہ جائیں تو ہم تمہیں اس ذخیرے سے محروم کردیں گے اور تم اس میں سے کچھ نہ پاسکو گے" اسپنک نے کہا۔

بوڑھا پیچ و تاب کھانے لگا اس کے چہرے پر بے بسی کے آثار تھے۔ اسپنک نے اس کی خاص رگ دبائی تھی اگر ذخیرہ تباہ ہوجاتا تو وہ آنے والے خوفناک موسم میں بھوک کے

شکار ہوجاتے دوسری کوئی صورت زندگی کی نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے آمادگی کا اظہار کردیا۔

ایڈمرل شیرازی پھر ان لوگوں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان وحشیوں کو قبضے میں رکھنے کے لئے ذخیرہ گاہ کی حفاظت سب سے ضروری امر تھی۔ چنانچہ اسپنک نے اپنے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد ایلڈوزیرو کی نگرانی میں ذخیرہ گاہ پر چھوڑ دی اور خود بوڑھے کے ساتھ کام میں مصروف ہوگیا۔

ناکارہ آبدوز سے وہ کرین نکال لی گئی جس میں لوہے کے مضبوط تاروں کے اسپول لگے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے کئی ایکسٹرا اسپول بھی غوطہ خوروں نے سخت محنت کے بعد نکال لئے اور پھر ایک پورا گروہ سمندر کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ اس موقع پر ایڈمرل شیرازی بھی خود کو باز نہیں رکھ سکا تھا۔ سمندر کی پُراسرار گہرائیوں میں غوطہ خوروں کے رہنما بڑے اطمینان سے اتر رہے تھے ان لوگوں کو پانی میں رہنے کی خاص مہارت تھی اور انہوں نے کوئی لباس استعمال نہیں کیا تھا۔ ننگ دھڑنگ لوگ کسی دوسرے احساس سے بے نیاز غوطہ خوروں کی رہنمائی کرتے ہوئے بالآخر سمندر کی گہرائی میں ایک پہاڑی کٹاؤ کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں سمندری گھاس کے ڈھیر کا ذخیرہ تھا اور جب وحشی سفید فاموں نے گھاس کے یہ مصنوعی ڈھیر ہٹائے تو قدیم یونان کی ایک پُراسرار داستان زندہ ہوگئی۔ پلوٹوس کا سنہری بت جگمگا اٹھا۔ کسی بلند ستون کی مانند سونے کا ٹھوس مجسمہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ ایک ہیبت ناک شکل کا بت جس کی آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے۔ یہ انوکھے ہیرے زندہ معلوم ہوتے تھے اور دیکھنے والوں پر سحر طاری ہوگیا تھا۔

ایڈمرل کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی منع کررہا ہے کہ یہ مجسمہ سمندر سے نہ نکالا جائے لیکن اس نے یہ احساس ذہن سے جھٹک دیا کہ اول تو یہ وہم ہے صرف ان داستانوں کا نتیجہ جو اس نے اب تک اس مجسمے کے بارے میں سنی ہیں، دوئم وہ یہ قدرت نہیں رکھتا کہ اسپنک کو اس کوشش سے باز رکھ سکے۔ چنانچہ وہ خاموش تماشائی بنا رہا۔

لوہے کے ہک مجسمے کے چاروں طرف ایک دوسرے سے منسلک کردیئے گئے اور پھر اوپر اشارہ دے دیا گیا۔ لاتعداد لوگوں کی قوت اس مجسمے کو اس کی جگہ سے جنبش دینے لگی اور مجسمہ چند ساعت کے بعد اپنی جگہ سے ہل کر پانی کی تہہ سے اوپر اٹھنے لگا۔ اسپنک بہت خوش تھا اور مجسمے کے ساتھ ساتھ تیرتا ہوا اوپر اٹھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مسرت چمک رہی تھی۔ اس کا عظیم الشان مشن پورا ہوگیا تھا۔ وہ کامیابی سے اس مجسمے کو اوپر

لے جارہا تھا۔

دوسرے لوگوں کے ساتھ ساتھ ایڈمرل بھی پانی کی سطح پر جارہا تھا۔ اوپر ساری مشینری تیار تھی۔ چنانچہ مجسمے کو خشکی کی سمت گھسیٹا جانے لگا۔ تقریباً تین سو افراد سخت جدوجہد کررہے تھے۔ اسپنک کے ساتھی صرف اس کارروائی کی نگرانی کررہے تھے غوطہ خور بھی خشکی پر پہنچ گئے اور مجسمہ کشاں کشاں خشکی پر آنے لگا۔ آسمان پر ایک عجیب سی سرخی ابھر رہی تھی اور گہری کہریوں لگ رہی تھی جیسے فضا میں آگ لگ گئی ہو۔ تب بوڑھے پادری نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ قہر کی علامت ہے۔ جزیرے کے آسمانوں پر ایسی سرخی کبھی نہیں دوڑی۔ آہ دیکھو موت کی سرخ آنکھیں زمین والوں کو گھور رہی ہیں۔ آہ۔ آہ۔"

لیکن اسپنک کا قہقہہ اس کی آواز پر بھاری ہوگیا۔

"وحشت کے ماحول نے تمہیں پاگل کردیا ہے۔ خاموش ہوجاؤ اور دوسروں کو خوفزدہ نہ کرو۔" بوڑھا خاموش ہوگیا لیکن اس کے ساتھی لرز رہے تھے۔ سونے کے عظیم الشان مجسمے کو خشکی پر لے آیا گیا اور پھر اسے کھڑا کردیا گیا۔ قہر و جبروت کا دیوتا اپنی شعلہ بار آنکھوں سے کائنات کو گھور رہا تھا اور جزیرے کے باشندوں کے حلق سے چیخیں بلند ہورہی تھیں۔ وہ سب کانپ رہے تھے خوف سے ان کی بری حالت تھی اور آسمان کی سرخی گہری ہوتی جارہی تھی۔

"اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"اپنے ٹھکانوں میں چلے جاؤ۔ تمہاری خوراک کا ذخیرہ محفوظ ہے۔ ہم ایک بار اور تمہیں تکلیف دیں گے۔ اس وقت جب مجسمے کو آبدوز میں پہنچایا جائے گا اگر تم ہم سے تعاون کرو گے تو ہم تمہارے دوست ثابت ہوں گے لیکن خبردار، اس دوران کوئی سازش نہ ہو۔ ورنہ تم اور تمہارا یہ ذخیرہ محفوظ نہ رہے گا۔"

بوڑھے نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور ننگ دھڑنگ وحشیوں کا گروہ پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔

آسمان کی سرخی گہری ہوتی جارہی تھی اور یہ لوگ حیران تھے۔ "یہ سرخی حیران کن ہے مسٹر شیرازی۔ پورا ماحول سرخ ہوکر رہ گیا ہے ہم اسے کیا کہہ سکتے ہیں؟" لیکن کوئی جواب نہیں تھا۔ پُراسرار سرخی اب اتنی گہری ہوگئی تھی کہ سرخ رنگ کے علاوہ اور کوئی چیز نمایاں نہیں تھی۔

اسپنک نے شانے ہلائے پھر اس نے اپنے چند ساتھیوں کو جمع کیا اور بولا۔ "آخری مرحلہ رہ گیا ہے دوستو۔ آبدوز کی مرمت اور مجھے اپنے ساتھیوں کی مہارت پر مکمل اعتماد ہے۔ اس کے علاوہ ایڈمرل' مجھے اس سلسلہ میں تمہاری مدد بھی درکار ہوگی۔ کیا تم اس آخری مرحلے میں میرا ساتھ دوگے؟"

"میں نے کبھی تم سے انحراف نہیں کیا اسپنک میں تیار ہوں۔" ایڈمرل نے جواب دیا اور اسپنک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

سرخ سمندر میں غوطہ خوروں کی ایک ٹیم غرق شدہ آبدوز کی طرف چل دی۔ ایڈمرل شیرازی بھی انہی لوگوں میں شامل تھا۔ آبدوز کی مرمت کے بارے میں اس کے ذہن میں تشویش تھی۔ ہرچند آبدوز کے انجن وغیرہ زیادہ متاثر نہیں ہوئے تھے۔ تاہم ایڈمرل سوچ رہا تھا کہ اسپنک کے انجینئر ممکن ہے انہیں درست نہ کرپائیں۔

مخصوص راستے سے وہ آبدوز کے اندر داخل ہوگئے۔ آکسیجن پلانٹ اچھی طرح کام کررہا تھا اور آبدوز کو ابھی دس پندرہ گھنٹے تک سمندر کی تہہ میں رکھا جاسکتا تھا لیکن انہوں نے مزید احتیاط کرتے ہوئے آکسیجن سلنڈروں کا استعمال جاری رکھا اور آکسیجن پلانٹ بند رکھا۔ اس کے بعد وہ انجنوں کا جائزہ لینے لگے وہ اپنی رپورٹ ایڈمرل کو پیش کررہے تھے اور یہ رپورٹ بڑی امید افزا تھی۔ اندرونی نظام متاثر ضرور ہوا تھا لیکن اس قدر بھی نہیں کہ اس کی درستگی ناممکن ہو۔ چنانچہ ابتدائی کام کا آغاز کردیا گیا۔

☆======☆======☆

جزیرے کی خونی فضا بڑی گھٹن آلود ہوگئی تھی۔ ماحول وحشت ناک ہوتا جارہا تھا اور پھر ان سرخ فضاؤں میں بجلیوں کی کڑک نے اور دہشت انگیزی پیدا کردی۔ خوں آشام آسمان قہر کا مظاہرہ کررہا تھا۔ شام ہوئی تو سرد ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے بہت دور بینائی کی آخری حدود پر سمندر میں اونچے اونچے بلبلے اٹھ رہے تھے۔

بلندی پر کھڑے لوگوں نے سمندر کا یہ رنگ دیکھا اور ان کے دل خوف سے دھڑکنے لگے۔ ایلڈوزیرو نے متاثر لہجے میں کہا۔ "مسٹر اسپنک کیا ان لوگوں کی پیش گوئی درست ثابت ہوگی؟"

"کیا مطلب؟"

"یہ سرخ ماحول اور یہ طوفانی جھکڑ۔ سمندر کی لہریں بلند ہورہی ہیں۔"

"تم بھی ان طلسمی باتوں سے متاثر ہوگئے ایلڈوزیرو۔"

"نہیں' لیکن اس سرخی کا کیا جواز ہے۔"

"اوہ۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔" آہنی شخص نے کہا اور ایلڈوزیرو خاموش ہوگیا۔

لیکن سب کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔ سرد ہواؤں کے جھکڑ اب قیامت خیز ہوگئے تھے۔ سونے کا بت پلوٹوس تباہی کا مجسمہ بلاؤں کو پکار رہا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں سمندر کو گھور رہی تھیں اور اس کا تابع سمندر ابل رہا تھا۔ دیوقامت لہریں جزیرے کی طرف دوڑ رہی تھیں اور ساحل کی چٹانوں میں گڑگڑاہٹ پیدا ہورہی تھی۔

لہریں جب پہاڑی کے سرے کو چھونے لگیں تو ایلڈوزیرو نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ "بہتر ہوگا کہ ہم کوئی پناہ گاہ تلاش کرلیں۔"

"ہوں۔ تم ان غاروں کی طرف جاؤ جو ذخیرہ گاہ ہیں' میں سمندر کا رنگ دیکھ رہا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو میں بھی وہاں آجاؤں گا۔"

اسی وقت ایک ہیبت ناک دھماکہ ہوا اور پانی کی ایک پُرشور لہر نے بے شمار چٹانیں اٹھا کر ایک دوسرے پر دے ماریں۔ کان سن ہوگئے تھے اور اس کے ساتھ ہی بپھرا ہوا سمندر جزیرے پر چڑھ دوڑا۔ ساتھ میں بھیانک انسانی شور نے ماحول کو وحشت ناک بنادیا۔ چیختے چلاتے وحشی سفید فام' غاروں کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کے دانت نمایاں تھے آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ خوف نے انہیں دیوانہ کردیا تھا۔ وہ چیخ رہے تھے۔

"تم ظالم ہو۔ تم نے سکون کی آبادی فنا کردی۔ تم نے ہمیں پلاٹوس کے قہر کا شکار بنا دیا۔ ہم تمہیں مارڈالیں گے۔ مارڈالو چیرپھاڑ کررکھ دو۔"

غار میں موجود لوگ جو ان دھماکوں سے خوفزدہ تھے اس شور کو سن کر باہر نکل آئے مشین گنوں کے دہانے کھل گئے اور گولیوں کی آواز اس شور سے ہم آہنگ ہوگئی۔ وحشی لوگ دوڑ رہے تھے گر رہے تھے مررہے تھے۔ ان کی عورتیں مرد بچے بوڑھے سبھی تھے ان کا رہنما بوڑھا پادری تھا۔

اور غار والے یہ یلغار نہ روک سکے۔ وحشیوں نے انہیں جکڑ لیا۔ ان کے نرخرے دانتوں سے ادھیڑ ڈالے اور ان کا سرخ خون چاٹنے لگے اور پھر پانی کا ایک خوفناک ریلا غار میں گھس آیا آن کی آن میں غار میں پانی ہی پانی تھا۔ لوگ اس پانی میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ زندگی بچانے میں کوشاں تھے لیکن بے رحم موجیں انہیں غاروں کی دیواروں سے

ٹکرا ٹکرا کر مار رہی تھیں۔ چاروں طرف سرخی تھی اور اب یہ سرخی سمندر کے پانی میں گھل گئی تھی۔ پانی درختوں کی چوٹیوں سے اوپر آرہا تھا۔ درخت جڑیں چھوڑ رہے تھے اور بے رحم موجوں نے چٹانوں کے نقشے ہی بدل دیئے تھے۔ پانی کی خوفناک قوت سونے کے ستون سے ٹکرائی اور موجوں نے اسے سر پر اٹھالیا۔ فوراً ہی بڑی بڑی لہریں دوسری طرف سے کھسک کر پہنچ گئیں۔ انہوں نے چٹانوں کو صاف کرکے راستہ بنالیا تھا اور سونے کا بت موجوں کے جلوس کے ساتھ سمندر کی طرف بہہ رہا تھا۔ کئی بار وہ سطح سمندر پر ابھرا اور پھر پانی میں بیٹھ گیا۔ سمندر نے اپنی امانت واپس لے لی تھی۔

☆======☆======☆

سمندر کی تہہ پرسکون تھی۔ آبدوز کے گردونواح میں کوئی تلاطم نہیں تھا۔ چنانچہ آبدوز میں کام کرنے والوں کو اس قیامت خیزی کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ وہ بدستور کام میں مصروف رہے۔ آکسیجن کے سلنڈر ساتھ چھوڑ رہے تھے لیکن آبدوز میں ابھی کچھ اور سلنڈر موجود تھے۔ اب تک جو کام ہوا تھا وہ بے حد امید افزا تھا۔ اسپنک کے ساتھی بلاشبہ ماہرِ فن تھے۔ دوران گفتگو انہوں نے بتایا کہ وہ باقاعدہ سب میرین کے انجینئر ہیں اور انہوں نے طویل زندگی اس فن کے حصول میں صرف کی ہے لیکن اسپنک سے اچھا قدردان ساتھی انہیں دوسرا نہیں ملا۔ اس لئے وہ خلوصِ دل کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

بالآخر چودہ گھنٹے کی سخت محنت کے بعد وہ اس کے پھل کا تجربہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور جب انہوں نے انجن اسٹارٹ کئے تو خوشی و مسرت سے اچھل پڑے۔ انجن ٹھیک کام کررہے تھے۔ وہ خوشی سے ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور پھر ایڈمرل سے مشورہ کرکے یہی طے کیا گیا کہ آبدوز کو سطح سمندر پر لے جایا جائے۔ چنانچہ پورے اطمینان کے بعد ایک بار پھر آبدوز سگنل نشر کرنے لگی اور پھر وہ سطح کی سمت بلند ہونے لگی۔

لیکن ابھی زیادہ بلندی پر نہیں گئی تھی کہ اسے زبردست جھٹکے لگنے لگے۔ تمام لیور ٹھیک کام کررہے تھے۔ ایڈمرل نے اسکرین آن کردی اور اب جو منظر انہوں نے دیکھا وہ حواس گم کرنے کے لئے کافی تھا۔ لمبے لمبے تناور درخت پانی میں ڈولتے پھر رہے تھے ان میں انسانی لاشیں الجھی ہوئی تھیں اور لاتعداد ہی مچھلیاں ان لاشوں سے اٹکھیلیاں کررہی تھیں۔ ان کا گوشت نوچ رہی تھیں۔ درخت کبھی نیچے بیٹھتے تھے اور کبھی اوپر بلند ہوجاتے ان کی تعداد سینکڑوں تھی اور وہ سمندر میں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

"آہ۔ یہ کیا ہے۔ یہ کیا ہے؟" صرف اسپنک کے ایک ساتھی کے منہ سے نکلا اور وہ آبدوز کو بچاتے ہوئے بالآخر سطح تک لے آئے لیکن اوپر کا منظر اور دلخراش تھا۔

جزیرہ پانی میں غائب ہوگیا تھا۔ وہ زیر آب آگیا تھا دور دور تک اب اس کے نشانات نہیں ملتے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے اور پھر ان میں سے چند دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ وہ اسپنک کے لئے رو رہے تھے۔

"یہ کیا ہوا ایڈمرل یہ کیا ہوا۔ اسپنک کہاں گیا۔ جزیرہ کہاں گیا۔ سونے کا بت۔ سب کچھ مگر یہ ہوا کیا؟"

ایڈمرل شیرازی خود بھی ساکت و جامد تھا۔ اس وقت آبدوز کو اس کی جگہ سے آگے بڑھانا خطرناک تھا۔ وہ سمندر میں چھپے ہوئے پہاڑوں سے ٹکرا کر فنا ہوسکتی تھی۔ جزیرے کی تباہی کا سب کو یقین آگیا تھا۔ وہ پانی میں بھیانک مناظر دیکھ چکے تھے۔

ایڈمرل نے لاکھ منع کیا لیکن اسپنک کے ساتھی پندرہ دن تک جزیرے کے قرب وجوار میں اسپنک کو تلاش کرتے رہے۔ بے شمار انسانی لاشیں سطح سمندر پر ابھر آئی تھیں اور اسپنک کے ساتھیوں نے ان میں سے ایک ایک لاش کو کھنگال مارا لیکن زیادہ تر لاشیں برہنہ انسانوں کی تھیں۔ ان کو اپنے کسی ساتھی کی ایک بھی لاش نہیں مل سکی۔

بحالت مجبوری سولہویں دن انہوں نے واپسی کا قصد کیا اور آبدوز وہاں سے چل پڑی۔ بڑی سوگوار فضا تھی۔ اسپنک کے ساتھی غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے اس لئے ایڈمرل کو اندازہ ہوا کہ وہ اسپنک کو کس قدر چاہتے تھے۔ ایڈمرل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس درندہ صفت انسان کو اس قدر کیوں چاہا جاتا تھا۔

آبدوز کی کوئی منزل نہیں تھی لیکن ایڈمرل کا ذہن کام کررہا تھا۔ وہ اس کی ایک سمت متعین کرچکا تھا۔ پورے ایک ماہ کے سفر کے بعد ایک شام آبدوز کو سگنل موصول ہوئے اور ایڈمرل نے اپنے پروگرام پر عمل شروع کردیا۔ اس نے ایک اسٹین گن ان لوگوں پر تان لی اور گرجدار آواز میں بولا۔

"تم لوگ خود کو قیدی تصور کرو۔ تم میرے ملک کی حدود میں ہو اور اس وقت چار آبدوزیں اس آبدوز کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اگر تم میں سے کسی نے کوئی حرکت کی تو........"

جواب میں اسپنک کے ساتھیوں کے چہروں پر حزنیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہمیں گرفتار کرلو ایڈمرل۔ اسپنک اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ ہمیں بھی اب

زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ان سب نے بیک وقت کہا اور پھر جس وقت آبدوز سطح سمندر پر ابھری شیرازی کا استقبال کرنے کے لئے لاتعداد انسان وہاں موجود تھے اور ایڈمرل شیرازی ان کے لئے ایک خوفناک کہانی لایا تھا۔

☆======☆======☆

ہزار راتیں

ایک خوفناک عفریت کا قصہ جسے ہزار راتوں
کی مہلت دی گئی تھی کہ جو جی چاہے کرے۔
وہ غفلت میں دنوں کا حساب بھول گیا تھا۔

پہلی سزائے موت مجھے حکومت ایران نے تین افراد کے قتل پر دی تھی اور فیصلہ سننے کے چار گھنٹے کے بعد ہی مزید تین افراد کو قتل کرکے ایران سے افغانستان اور پھر وہاں سے انڈیا آگیا تھا۔ ایک سال تک میں نے کوئی واردات نہیں کی لیکن ایک سال کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں شریف آدمی بنتا جارہا ہوں۔ اس سے زیادہ خوف کی بات اور کیا ہوسکتی تھی میں شریف بننا نہیں چاہتا تھا۔ یہ نام میرے لئے گالی تھا۔ بہت شریف تھا میں کسی زمانے میں۔ آٹھ سال تک کوئلے کی کان میں کام کرتا رہا تھا۔ ڈبل ڈیوٹی کرکے زیادہ پیسے کماتا تھا تاکہ اپنی ماں کی بیماری کا علاج کراؤں۔ ٹی بی کی مریضہ تھی وہ اور جینا چاہتی تھی لیکن میری دن رات کی محنت بھی اسے زندگی نہ دے سکی۔ میں اس مہنگے علاج کا متحمل نہیں ہوسکا' چار چار دن کے فاقے کرتا پانچویں دن ایک آدھ ڈبل روٹی پانی کے ذریعہ معدے میں اتار لیتا تاکہ زندہ رہوں اور میری کمائی میری ماں کو زندگی دے دے' لیکن دواؤں کی قیمت آسمان سے باتیں کررہی تھی۔ ڈاکٹر منہ لگانے کو تیار نہیں تھے۔ ہرمز رنجاتائی ٹی بی کے علاج کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ ایک صبح میں ہاتھ جوڑ کر ان کے گھر کے عظیم الشان پھاٹک پر کھڑا ہوگیا اندر جانے کی اجازت نہیں تھی اس لئے ان کی کار کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا اور جب وہ فرعون بے ساماں باہر نکلا تو میں اس کی کار کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ میں نے رو رو کر اس سے ماں کی زندگی کی بھیک مانگی اور اس نے کہا۔

"ہسپتال کی باتیں میں صرف ہسپتال میں کرتا ہوں۔" اور ہسپتال میں وہ صرف ان لوگوں سے ملتا تھا جو اس کی فیس ادا کرکے اندر داخل ہوتے تھے چنانچہ ماں مرگئی۔

جب ایک وارڈ بوائے نے مجھے اس لاوارث لاش کو لے جانے کی ہدایت کی تو میں نے مردہ خانے میں جاکر ماں کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں مجھ سے زمانے کی شکایت کررہی تھیں۔ میں نے ماں سے کہا۔ "میں اس زمانے کو بدل دوں گا ماں۔"

وہاں سے میں سیدھا ڈاکٹر ہرمز رنجاتائی کے دفتر پہنچا اور اسے اطلاع دی۔ "ڈاکٹر

میری ماں مرگئی۔"

ڈاکٹر نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولا۔ "کون ہو تم بغیر اجازت اندر کیسے آگئے۔ چپڑاسی کہاں مرگیا؟"

"کہیں دور نہیں ڈاکٹر۔ اس کی لاش دروازے پر پڑی ہے۔" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر کے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے ڈاکٹر نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن میرے آہنی پنجے نے اسے اس کی جگہ بٹھا دیا۔ "مجھے اندر آنے سے روک رہا تھا' مگر تم سے ملنا ضروری تھا اس لئے میں نے اسے اس کے فرض سے سبکدوش کردیا۔" میں نے بات پوری کی۔

"بک۔ کیا بکواس کررہے ہو۔ کیا واقعی تم نے اسے ہلاک کردیا؟" ہرمز رنجاتائی نے متوحش لہجے میں کہا۔

"ہاں ڈاکٹر۔ یقین کرو۔"

"کیسے۔ کیسے؟"

"بالکل ایسے۔" میں نے تیسری بار اپنی جگہ سے اٹھنے والے ڈاکٹر کے ساتھی ڈاکٹر کی گردن دبوچ لی۔ دوسرا ہاتھ بھی استعمال نہیں کیا تھا میں نے' کیونکہ لوگوں کے خیال کے مطابق میں چھ ہارس پاور کا تھا۔ ممکن ہے کچھ کم ہو کیونکہ میں نے کبھی گھوڑوں سے طاقت آزمائی نہیں کی۔ اگر میں یہ بات ڈاکٹر ہرمز سے کہتا تو وہ ضرور تسلیم کرلیتا کیونکہ دیکھتے ہی دیکھتے میرے شکنجے کی گرفت نے اس کے ساتھی کی زبان باہر نکال دی اور اس کی آنکھیں آدھی انچ باہر لٹک گئیں۔

"سنا ڈاکٹر۔ ماں مرگئی۔ تم نے اس کا علاج نہیں کیا اور اب ساری دنیا کو مرجانا چاہئے۔ پوچھو کیسے؟" میں نے کہا اور ڈاکٹر کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

"کیسے؟" حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ کچھ اور بولنا چاہتا تھا لیکن اس وقت میرے ٹرانس میں تھا اس لئے اس نے وہی کہا جو میں نے پوچھا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

"ایسے۔" لوگ میرے بدن پر جو کچھ ان کے ہاتھوں میں تھا مار رہے تھے۔ کرسیاں' گلدان' لکڑیاں آرائشی سامان لیکن ڈاکٹر کو اب کون بچا سکتا تھا۔ میں نے اسے اس کی غلطی کا ازالہ کرنے کے لئے ماں کے پاس بھیج دیا۔ پولیس نے مجھے گرفتار کرلیا۔ مجسٹریٹ نے سزائے موت سنادی لیکن اتنی جلدی مرنے سے فائدہ۔ چنانچہ جب وہ لوگ فیصلہ سن

کر مجھے جیل لے جانے لگے تو میں نے ان میں سے تین کو قتل کردیا اور اس کے بعد وہاں سے فرار ہوگیا لیکن اس کے بعد میں ایران میں نہیں رکا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ شاہ کی پولیس میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ میری دوسری منزل افغانستان تھی لیکن یہ جگہ مجھے پسند نہیں آئی اور افغانستان سے ہندوستان آگیا اور وہاں ایک سال گزار دیا۔ پھر جب خیال آیا کہ میں نے اس دوران ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے سوا کچھ نہیں کیا تو میں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس بار بھی ایک فرعون میرے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کا نام ہردوار پرساد تھا۔ ایک جاگیردار تھا اور اپنی جاگیر میں رہنے والوں کو کھیت کھلیان سمجھتا تھا میں نے اسے کھیت کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ اور ساتھ ہی اس کے ایک بیٹے کو بھی جو اس کا دست راست تھا لیکن اس کمبخت کا ایک "دست" نہیں تھا الٹے سیدھے بے شمار ہاتھ تھے۔ گولی نہ چلتی اور میری ٹانگ میں نہ لگتی تو میں صاف نکل گیا تھا لیکن ایک ٹانگ سے بھاگنے کا مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا اس لئے پکڑا گیا اور شریمان مجسٹریٹ صاحب نے یہاں بھی وہی موت کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ میری دوسری سزائے موت تھی لیکن اصل موت ان پانچ سنتریوں کی آئی جو میری کال کوٹھری کے نگراں تھے۔ قیدیوں کے ایک گروہ نے جس کا سرغنہ بلرام سنگھ تھا فرار کے منصوبے میں مجھے بھی شریک کرلیا کیونکہ میں آہنی سلاخوں والی کھڑکیوں کو چوکھٹ سمیت دیوار سے نکال لینے میں کوئی دقت نہیں محسوس کرتا تھا اور بس فرار کا سب سے قیمتی مددگار میں ہی تھا۔ پانچ سنتریوں کو میں نے اس طرح ہلاک کردیا جسے لکڑیاں کاٹی جاتی ہیں۔

ٹھاکر بلرام سنگھ نے خوش ہوکر مجھے ہندوستان سے نکال کر یورپ پہنچا دیا۔ تیسری سزائے موت مجھے ایک یورپی ملک میں ملی تھی لیکن پھر اسے سزائے قید میں تبدیل کردیا گیا اور تین سال میں نے ایک یورپین جیل میں گزارے۔ یہ کوئی جیل تھی۔ نہ مار نہ پیٹ نہ دھول دھپا ایک سے ایک شریف قاتل۔ ایک سے ایک معصوم ڈاکو۔ یوں لگتا تھا یہاں جرم بھی شرافت سے ہوتا ہے۔ نہ دل لگا تو بھاگ نکلا اور لندن پہنچ گیا لیکن لندن پولیس تیز تھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مجھے پہچان لیا گیا۔ انہوں نے چالاکی سے مجھے گرفتار کرلیا اور اس کے بعد نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑی۔ شاید یہ لوگ ایک مجبور قیدی کو دنیا دکھا رہے تھے۔

اصلی کہانی اسی سفر سے شروع ہوتی ہے لیکن یہ میری موت کی کہانی ہے۔ اس

کیس میں' میں مرگیا تھا۔ اور کیا۔ جب کسی انسان کا عہد مرجائے جب اس کی زندگی کا مقصد مرجائے تو پھر وہ اپنے آپ کو زندہ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس لڑکی نے مجھے قتل کردیا جس کا نام نوئل بروجر تھا۔ آپ یقین کریں گے کہ تیرہ سال کی یہ معصوم لڑکی ایک وحشی انسان کی قاتل تھی۔

میں سمندری جہاز سے لمبے سفر کرتا تھا وہ ایک یورپی کمپنی کا جہاز تھا مجھے بھی جیٹی پر پہنچا دیا گیا۔ وہاں عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ سینکڑوں مسافر جو جہاز پر سوار ہونے والے تھے میری طرح قیدی نہ تھے۔ اپنے دوستوں عزیزوں اور رشتے داروں سے رخصتی سلام کر رہے تھے۔ قلیوں کی بھاگ دوڑ' موٹروں کے بجتے ہوئے ہارن' سامان کی ریل پیل اور ایک دوسرے کو پکارنے کی مسلسل آوازیں' بڑا دلچسپ منظر تھا۔ انہی میں مسٹر بروجر کا خاندان بھی شامل تھا جو اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ کہیں جا رہا تھے۔

جہاز بے حد خوبصورت تھا لیکن قیدیوں کو اس کے سب سے بدصورت حصے میں جگہ دی گئی تھی۔ میرے ساتھ اور بھی قیدی تھے جو سفر کررہے تھے صرف میں تھا جو حالات سے بے پرواہ اپنی دھن میں مست تھا لیکن جہاز جوں جوں آگے بڑھتا گیا موسم خراب ہوتا گیا اور اس وقت جہاز کے سفر کو چوبیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ اسے طوفان نے آلیا۔

آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھاگئیں اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ مسافروں میں ہلچل مچ گئی تھی۔ ہر شخص بارش سے پناہ حاصل کرنے کے لئے بھاگتا پھر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں اور جہاز ان کے نرغے میں آکر ہچکولے کھانے لگا۔ ایک زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ بارش کے تھپیڑے پوری قوت سے بند کھڑکیوں اور آہنی دروازوں سے ٹکرا رہے تھے۔ طوفان بڑھتا گیا۔ ہر چیز ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھی۔ دفعتاً ایک شور کی آواز ابھری اور پھر آوازیں بلند ہوتی گئیں ان میں آگ آگ کی آوازیں نمایاں تھیں۔

تمام قیدی گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے چہرے بدحواس ہوگئے تھے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ قیدیوں کا ایک محافظ اندر گھس آیا اور چابیوں کا گچھا قیدیوں کی طرف پھینکتے ہوئے بولا۔

"جہاز میں آگ لگ گئی ہے۔ تم لوگ اپنی جان بچانے کے لئے آزاد ہو جس طرح بھی........" وہ بات پوری کئے بغیر باہر بھاگ گیا اور قیدیوں میں افراتفری پھیل گئی۔ باہر

نکلنے والا آخری قیدی میں تھا' لیکن باہر نکلتے ہی یوں لگا جیسے جہنم میں آگیا ہوں۔ سمندر کے سینے پر جہاز ایک مشعل کی طرح روشن تھا۔ مسافروں میں افراتفری مچی ہوئی تھی بڑے انوکھے مناظر دیکھنے میں آرہے تھے۔ عورتیں بچوں کو سینے سے لگائے رو رہی تھیں۔ میں ان تمام مناظر کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ تب ہی میری نگاہ ایک بچی پر پڑی۔ بارہ تیرہ سال عمر تھی بے حد خوبصورت۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور میں مرگیا۔ ہاں میں اسی وقت مرگیا۔ ان آنسوؤں نے میری زندگی بدل دی۔ نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں مجھے ان آنسوؤں پر پیار آگیا۔

میرے قدم بے اختیار اس کی طرف بڑھ گئے۔ میں نے بچی کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ "انکل۔ میری ممی۔ میرے ڈیڈی۔" اس نے ہچکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"کہاں ہیں وہ؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔

"مرگئے وہ۔" اس نے دو لاشوں کی طرف اشارہ کرکے کہا جو ایک بڑے ستون کے نیچے دبی پڑی تھیں' میں انہیں زندگی نہیں دے سکتا تھا لیکن نوئل کی زندگی بچانا اب میری ذمہ داری تھی اور میں اس کے لئے سرگرداں ہوگیا۔ میں نے اپنی قوتِ بازو سے ایک چھوٹی کشتی حاصل کی اور ستر دن سمندر کے سینے پر گزارے تب ہمیں زمین نظر آئی۔ ایک انوکھی سرزمین جس پر قدم رکھتے ہی احساس ہوگیا کہ ہم افریقہ میں ہیں۔ اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا کہ ہم یہاں سے آگے بڑھیں لیکن نوئل یہاں آکر خوش تھی۔ اس کی آنکھوں میں میری محبت نے نئی زندگی جگا دی تھی۔ وہ بڑے پیار سے مجھے انکل کہتی تھی اور میں اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سوچ کر ضرور رہ جاتا تھا کہ میں وہ نہ رہا تھا جو تھا۔ راستے بے حد دشوار گزار تھے۔ ہمیں ایک خوفناک پل طے کرنا پڑا۔ جسے عبور کرنا انسانوں کے بس کی بات نہ تھی لیکن میری ہمت نہ ٹوٹی میں نوئل کے لئے مہذب دنیا میں واپسی چاہتا تھا ایک نئے انسان کی حیثیت سے اور اسی لئے میں آگے بڑھ رہا تھا تاکہ نکلنے کا کوئی راستہ ملے۔

ہم آگے بڑھتے رہے۔ خوفناک مناظر ہمارے اطراف بکھرے پڑے تھے۔ سرزمین افریقہ بے حد حسین تھی لیکن اس حسن میں وحشت تھی۔ درندے' زہریلے جانور اور نہ جانے کیا کیا۔

ایک دلدلی خطے کو عبور کرکے ہم ایک حسین وادی میں آگئے جس کے سرے پر ایک

ندی بہتی نظر آرہی تھی۔

"انکل پانی۔" نوئل بے اختیار چیخ اٹھی۔

"میں نے دیکھ لیا ہے نوئل۔ آؤ" میں نے کہا اور ہم ندی کے قریب پہنچ گئے۔

ندی شفاف تھی پانی میں اس کی تہہ نظر آرہی تھی جس میں رنگین پتھر چمک رہے تھے۔

نوئل ندی کے کنارے بیٹھ گئی۔ اس نے پانی پیا میں نے بھی پیاس بجھائی تھی۔

"بہت خوبصورت جگہ ہے انکل۔"

"ہاں۔"

"کیا میں پانی سے نہالوں؟" اس نے پوچھا۔

"ضرور نہاؤ میں اس طرف بیٹھا ہوا ہوں۔" میں نے کنارے کے ایک درخت کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ اور نوئل پانی کی طرف بڑھ گئی۔ میرے دل میں نوئل کے لئے بے پناہ پیار تھا اس معصوم بچی نے میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا اور اب میں اس کے مستقبل کے لئے فکرمند تھا۔ میری خواہش تھی کہ اسے مہذب دنیا میں لے جاکر ایک نئی زندگی دوں۔

نوئل کسی سنہری مچھلی کی طرح ندی کے شفاف پانی میں مچلتی پھر رہی تھی۔ وہ بے حد خوش تھی اور خوشی کا اظہار اس کے چہرے سے ہوتا تھا۔ اس کے حسین بال کھل گئے تھے اور پانی میں لہرا رہے تھے۔

اس دوران کنارے کی طرف ایک دفعہ بھی ذہن نہیں گیا تھا کوئی احساس ہی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت پیش آئی تھی لیکن یونہی بے مقصد میں نے پانی میں نگاہیں ڈالیں تو اچانک مجھے احساس ہوا کہ کچھ سائے پانی کی لہروں پر رقصاں ہیں۔ میں بے اختیار چونک پڑا تھا تب میں نے کنارے کی طرف دیکھا اور میری آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ بے شمار افراد تھے جن کے جسم قوت وتوانائی سے بھرپور سیاہ اور چمکدار تھے اور ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے دبے ہوئے تھے۔ سیاہ چہروں پر سفید آنکھیں بڑی خونخوار لگ رہی تھیں۔ جسم پر برائے نام لباس تھا اور ان کی تعداد بے پناہ تھی۔

ندی کے کنارے وہ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے میں نے بے اختیار پلٹ کر ندی کے دوسرے کنارے کی جانب دیکھا اور پھر مجھے ہنسی آگئی۔ یہ کنارہ بھی انہی سیاہ فاموں سے اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ گویا انہوں نے ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیا تھا۔

نوئل کی نگاہ ابھی ان پر نہیں پڑی تھی۔ وہ اب ندی کی شفاف تہہ میں سے

خوبصورت پتھر تلاش کر رہی تھی۔ کئی پتھر اس کی مٹھی میں دبے ہوئے تھے۔ پانی انتہائی پُرسکون اور آہستہ آہستہ بہنے والا تھا کہ بدن کو کوئی قوت نہیں صرف کرنی پڑتی تھی جس کی بناء پر نوئل کا دل شاید ندی سے نکلنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

میں نے نوئل کو آواز دی اور نوئل مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے انکل؟"

"کنارے کی جانب دیکھو۔" میں نے بھاری لہجے میں کہا اور نوئل نے کنارے کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں کی ہنسی کافور ہو گئی اور چہرے پر کسی قدر دہشت کے آثار نظر آنے لگے۔

"آہ انکل یہ کالے کالے لوگ کیا۔ کیا یہ بھوت ہیں؟" اس نے خوفزدہ انداز میں سوال کیا اور جلدی سے میرے نزدیک پہنچ گئی۔

"نہیں انسان ہی ہیں لیکن افریقہ کے اس علاقے کے باشندے ہیں اور ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ تو میں جانتی ہوں۔ یہ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ہم نے اپنے وطن میں دیکھے تھے۔"

"لیکن یہ انوکھے ہیں نوئل۔"

"ہاں انکل بڑے خوفناک لگ رہے ہیں لیکن یہ یہاں پر کیوں کھڑے ہیں انکل؟"

"نوئل ہوشیاری سے کام لینا ہوگا یہاں رکو پہلے میں تمہارا لباس لے کر آتا ہوں۔"

"ارے ہاں انکل میرے کپڑے۔ میرے کپڑے۔" نوئل نے دہشت زدہ لہجے میں کہا اور میں اس کے شانے تھپک کر آگے بڑھ گیا۔ جوں جوں میں کنارے کے نزدیک پہنچتا جا رہا تھا وہ لوگ ایک قدم پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔ لباس کنارے کے نزدیک ہی رکھا ہوا تھا۔ وہ لباس میں نے اٹھایا اور پلٹ پڑا۔ ان لوگوں نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ تب میں نوئل کے نزدیک پہنچ گیا۔

"لیکن لیکن انکل میں یہاں پانی میں کپڑے کیسے پہنوں۔"

"جس طرح بھی ممکن ہو سکے نوئل۔ یہ لوگ کسی نیک ارادے سے نہیں آئے۔" میں نے کہا۔

"کک........ کیا مطلب انکل؟" نوئل ہکلائی۔

"تم لباس پہنو نوئل۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" میں نے کہا اور نوئل نے بمشکل تمام پانی کے اندر ہی لباس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ تب میں اس کا بازو پکڑ کر دوبارہ کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ لوگ بالکل ساکت و جامد کھڑے تھے ان کی نگاہیں ہم دونوں پر جمی ہوئی تھیں لیکن انداز بڑا عجیب تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ کوئی وحشیانہ کارروائی نہ کرنا چاہتے ہوں لیکن کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی تھا۔ ورنہ ان کے یہاں آنے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔

میں کنارے پر پہنچ گیا اور نوئل کو میں نے اپنی پشت پر کر لیا۔ ان میں سے ایک آدمی جو کسی قدر چھوٹے قد کا آدمی تھا' لیکن چوڑے بدن کا مالک تھا آگے بڑھ آیا وہ اپنا نیزہ ہلا رہا تھا' میرے نزدیک پہنچ کر اس نے نیزہ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑا سینے پر رکھا اور ہلکی سی گردن جھکائی اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ گویا ان لوگوں کا انداز جارحانہ نہیں تھا بلکہ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟

چند لمحات وہ میری جانب دیکھتا رہا اس کے چہرے پر احترام کا تاثر تھا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"ناقابلِ عبور راستوں سے آنے والے! سردار زمبانے اپنے علم و عقل سے تجھے وہ ناقابلِ عبور پل طے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جس پر سے گزرنے کا تصور صرف دیوی اور دیوتا کر سکتے ہیں اور عام لوگ اس کے نزدیک جانے کی ہمت بھی نہیں کرتے' سردار زمبا نے کہا جاؤ اور اس جوان کو لے کر آؤ لیکن اس کی عزت و احترام میں فرق نہ ہو ہم تجھے لینے آئے ہیں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو میرے بارے میں اطلاع دی اور وہ سب میرے گرد جمع ہونے لگے۔ جو ندی کے دوسرے کنارے پر تھے وہ پانی سے گزر کر اس کنارے پر پہنچنے لگے جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ ہم ان کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ آگے بڑھنے والا راستہ بلا شبہ دلکش ترین راستہ تھا۔ ایک پگ ڈنڈی تھی جو نہ جانے کس جانب جاتی تھی۔ ہم اس پر آگے بڑھتے رہے۔

سیاہ فاموں کی ٹولیاں ہمارے اردگرد بکھری ہوئی تھیں' وہ ہر طرف سے سفر کر رہے تھے اور بالآخر ہم اس بڑے پہاڑی ٹیلے تک پہنچ گئے جس کے عقب میں مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیا تھا لیکن جب میں نے اس سے گزر کر دیکھا تو مجھے وحشیوں کی ایک عظیم الشان

بستی نظر آئی جو تاحدِ نگاہ پھیلی ہوئی تھی۔

چھوٹے چھوٹے گھاس کے بنے ہوئے جھونپڑے جن کی دیواروں میں پتھر بھی چنے ہوئے تھے اور دور دور تک بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان حسین سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے کھیتی باڑی وغیرہ کا شاید کوئی تصور نہیں تھا۔ نہ جانے وقت گزارنے کے لئے یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

ایک بڑے سے جھونپڑے میں ہم دونوں کو پہنچا دیا گیا اور اسی شخص نے جس نے پہلی بار مجھ سے گفتگو کی تھی جھک کر مجھ سے درخواست کی کہ میں یہاں آرام کروں۔

نوئل ان لوگوں کے ساتھ آتے ہوئے خوفزدہ تھی اور جھونپڑے میں پہنچ کر بھی اس کے چہرے پر دہشت کے آثار نظر آرہے تھے تب میں نے مسکرا کر نوئل کی جانب دیکھا۔

"کیا بات ہے نوئل' کیا تم خوف محسوس کررہی ہو؟"

"انکل یہ لوگ تو بڑے ہی وحشی معلوم ہوتے ہیں' ہمارے ہاں جو لوگ ہیں ان کے رنگ ان جیسے ضرور ہیں لیکن حلیہ ان جیسا نہیں ہے' یہ لوگ کون ہیں اور ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟"

"ان کا مقصد کچھ بھی ہو نوئل' تمہیں ان سے خوف نہیں کھانا چاہئے۔ یہ لوگ میری موجودگی میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" میں نے اسے دلاسہ دیا۔

"نہیں انکل میں خوفزدہ نہیں ہوں۔ میں تو کافی بہادر ہوں لیکن یہ لوگ انوکھے ہیں اس وجہ سے مجھے تشویش ہے۔" نوئل نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

سیاہ نسل کے ان لوگوں کے بارے میں ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ انہوں نے ہمیں گرفتار کیوں کیا ہے۔ ویسے ان کا رویہ کسی طور تکلیف دہ نہیں تھا لیکن میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر نوئل کو بچانے کے لئے جو کچھ کرسکتا ہوں ضرور کروں گا۔

نوئل کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ کافی دیر خاموشی سے گزر گئی تو میں نے اسے مخاطب کیا۔"

"کیا سوچنے لگیں نوئل؟"

"کوئی خاص بات نہیں انکل بس میں سوچ رہی ہوں کہ اب ہم کیا کریں گے؟"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آرہی میں آپ کے ساتھ خوش ہوں آپ اتنے اچھے ہیں کہ میں سوچتی ہوں کہ آپ اتنے اچھے کیوں ہیں' بس مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے اس کے بجائے ہم کسی شہر میں ہوتے تو بہت مزہ آتا۔"

"ہم یہاں سے شہر جانے کی کوشش کریں گے نوئل' تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔" میں نے کہا اور اسی وقت چند حبشی ہماری رہائش گاہ میں آگئے لیکن ان کے ہاتھوں میں ہمارے لئے کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر میں ان لوگوں کے بارے میں اندازہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

سورج جھکے چند وحشی میرے پاس آگئے۔ ان میں سے ایک نے زمبا کا پیغام مجھے دیا۔

"سردار زمبا تم سے ملاقات کا خواہش مند ہے اور اس نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

"لڑکی بھی میرے ساتھ جائے گی؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" اس نے جواب دیا۔

بہرحال میں نے نوئل کو ساتھ لیا اور جھونپڑوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم سردار کے جھونپڑے کے پاس پہنچ گئے جس کے سامنے ایک وسیع وعریض احاطہ موجود تھا۔ اس احاطے میں ایک پتھر پر ایک قوی ہیکل سیاہ فام موجود تھا جو بڑھاپے کی حدود میں داخل ہوچکا تھا لیکن اس کی بدنما آنکھوں سے تجربہ جھانکتا تھا۔

اس نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا پھر گردن ہلائی۔

"تم اس ناقابلِ عبور راستے سے آئے ہو جو موت کا راستہ ہے اور جسے عبور کرنے کی ہر کوشش موت ثابت ہوتی ہے۔"

"تمہارا نام زمبا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہیں دوسروں نے بتادیا ہوگا۔"

"اپنی بستی میں آجانے والے اجنبیوں کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو؟"

"ہم انہیں قبول نہیں کرتے۔ اول تو اس راستے سے' اس سے قبل کوئی نہیں آیا' دوسرے راستوں سے لوگ کبھی کبھی آجاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو پہاڑوں کی سنہری دھات یا چمک دار پتھروں کے پجاری ہوتے ہیں ان کے حصول کے لئے وہ زندگی کی

پرواہ نہیں کرتے لیکن وہ لوگ گندے خیالات کے مالک ہوتے ہیں۔ بہت پہلے ہمیں ان کی آمد پر اعتراض نہیں تھا ہم ان سے تعاون کرتے تھے لیکن پھر ان کی چند باتوں نے ہمیں تکلیف پہنچائی۔ وہ ہم میں شامل ہو جاتے ہماری لڑکیوں کو بہکاتے اور پھر انہیں چھوڑ کر چلے جاتے مقصد صرف سنہری دھات اور چمک دار پتھروں کا حصول ہوتا۔ ہمارے بہت سے لوگ ان کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔ تب رموکا نے ان کے داخلے کی ممانعت کردی اس نے کہا کہ سنہری دھات کے لئے آنے والوں کو ہلاک کردیا جائے' تب سے ہم اسی اصول پر کاربند ہیں' سو یہی سوال ہم تم سے کریں گے۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"کیا تم بھی سنہری دھات کی تلاش میں آئے ہو؟"

"نہیں۔"

"کیا تم سچ بول رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"اگر یہ بات ہے تو صبح کی عبادت کے وقت تمہیں رموکا کے بت کے سامنے اقرار کرنا ہوگا لیکن سنو رموکا کے بت کے سامنے جھوٹ سچ نمایاں ہو جاتا ہے اگر تم نے جھوٹ بولا تو جل کر سیاہ ہو جاؤ گے لیکن اگر تمہاری بات سچ نکلی تو ہم تمہیں احترام دیں گے' ہاں اس کے سوا کوئی بات ہو تو تم ہمیں بتادو تاکہ ہم مطمئن ہو جائیں۔"

"اگر میں سچا نکلا تو کیا تم میری مدد کرو گے؟"

"کیا مدد چاہتے ہو؟"

"دوسرے راستے سے مجھے مہذب دنیا تک پہنچا دینا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ تو سنہری دھات کا کوئی ٹکڑا اپنے ساتھ میں لے جاؤں گا اور نہ ہی تمہاری کسی عورت کو کوئی نقصان پہنچاؤں گا۔" میں نے کہا اور سردار نے مہربان انداز میں گردن ہلادی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم سچے نکلے تو میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔"

"شکریہ سردار۔" میں نے ممنونیت سے کہا۔

"اس وقت تک تمہیں کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جس جگہ تمہیں ٹھہرایا گیا ہے وہاں تمہیں تکلیف تو نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں۔"

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔ کسی بھی ضرورت کو بیان کرسکتے ہو۔" سردار نے کہا۔

"میں تم سے مزید معلومات کرنا چاہتا ہوں۔ سردار۔"

"پوچھو؟"

"خود تمہارا طرز زندگی کیا ہے۔ تمہارے قبیلے کا کوئی نام ہے؟ یہاں ان اطراف میں دوسرے قبائل بھی آباد ہوں گے۔"

"ہم سب رموکا کہلاتے ہیں اور یہی ہمارے قبیلے کا نام ہے دیوی رموکا ہماری نگران و محافظ ہے۔ اس کا جادو سب سے عظیم ہے ہاں وہ لوگ جو اپنے جادو آزماتے ہیں رموکا کے مجرم ہوتے ہیں ایسے مجرموں کو دیوی چھوٹ دیتی ہے اور انہیں ہزار راتیں دی جاتی ہیں ان ہزار راتوں میں اپنے جادو کی گندگی کے لئے آزاد ہوتے ہیں لیکن ان کے خاتمے کے بعد انہیں پتھر بنادیا جاتا ہے اور پھر وہ ہمیشہ پتھر کے بنے رہتے ہیں دیکھ سکتے ہیں' سوچ سکتے ہیں' بھوک پیاس لگتی ہے انہیں' لیکن نہ وہ مرسکتے ہیں نہ جنبش کرسکتے ہیں اس لئے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا جادو دیوی کے جادو پر حاوی کرتے ہیں' کبھی کبھی کوئی ایسا سرپھرا نکل آتا ہے اور وہ پھر بستیوں کے لئے مصیبت بن جاتا ہے جیسے شمبولا۔"

سردار کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نظر آنے لگے میں بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"شمبولا کون ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہ قبیلہ صدیوں سے آباد ہے' ہم برے لوگ نہیں ہیں ہمیشہ امن پسند رہتے ہیں اور دوسرے قبائل کی طرح جنگ وجدل ہمارا وطیرہ نہیں رہا' دیوی رموکا ہماری مدد کرتی ہے اور ہماری طرف بری نگاہ ڈالنے والے خوفزدہ ہو جاتے ہیں لیکن قسقہ کی چھوٹ ہم میں سے بدنصیب کے لئے تباہ کن ثابت ہوتی رہی ہے۔"

"قسقہ کی چھوٹ؟" میں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں میں اس بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں یعنی وہ سرپھرا انسان جو ہزار راتوں کا جادو مانگ لے اور پھر ساری زندگی پتھر بن کر گزار دے لیکن ان ہزار راتوں میں وہ آزاد ہوتا ہے۔ ایسا کوئی بھی شخص جس دور میں بھی ہو دوسروں کے لئے پریشانی کا باعث بنا رہا اور بدقسمتی سے میرا دور قسقہ کا دور ہے اور اس دور میں شمبولا موجود ہے۔"

"وہ جس نے ہزار راتیں مانگ لی ہیں۔"

"ہاں۔"

"خوب۔ شمبولا کہاں رہتا ہے اور تم لوگوں کے ساتھ اس کا کیسا رویہ ہے؟"

"وہ شیطان ہے اور ہم اس کے سامنے بے بس اور مجبور ہیں' قبیلے کی ہر عورت

اس کی بیوی ہے وہ جسے چاہے اپنے پاس بلالے ہم سب اس کے غلام بن کر زندہ رہتے ہیں وہ جس سے نفرت کرے اس کا جینا حرام کردے چنانچہ اس کی خوشنودی کے لئے ہمیں وہ کرنا ہوتا ہے جو ہم میں سے کسی کا دل نہیں چاہتا۔ ہر سات دن کے بعد وہ کسی ایک انسان کا خون پیتا ہے اور اس کے لئے یہ قربانی بھی ہم ہی میں سے کسی کو دینا ہوتی ہے۔" سردار کی آواز میں غم کے آثار تھے۔

"تم اسے ہلاک نہیں کرسکتے؟"

"نہیں' اس کے جادو کے سامنے ہماری ایک نہیں چلتی۔"

"یعنی اگر تم اسے ہلاک کرنا چاہو تو کوشش کرسکتے ہو' دیوی کی طرف سے اس کی ممانعت نہیں۔"

"نہیں وہ شیطان ہوتا ہے۔ شیطان کو ہلاک کرنے کی ممانعت کس طرح ہوسکتی ہے لیکن اس پر قابو کون پائے؟" سردار نے اداسی سے کہا۔

"کیا ماضی میں کبھی کسی نے ایسے شخص کو ہلاک کیا ہے؟"

"وہ جن پر ظلم کرتا ہے ایسی کوشش کرتے ہیں' لیکن ناکام رہتے ہیں۔" سردار نے جواب دیا۔

"وہ کہاں رہتا ہے' کیا تمہارے درمیان؟"

"نہیں۔ وہ سیاہ پہاڑیوں کے ایک غار میں رہتا ہے جب اس کا دل چاہتا ہے آتا ہے اور ہم سب اس کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔" سردار نے بتایا۔

"تم نے صبح کی عبادت کے بارے میں کہا تھا؟"

"ہاں۔ ہم نکلتے سورج کی عبادت کرتے ہیں۔ کل تم بھی صبح کو اس عبادت میں شریک ہوگے۔"

"صبح کس وقت؟"

"سورج نکلنے سے قبل۔"

"کیا شمبولا بھی اس عبادت میں شریک ہوتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"شیطان کو عبادت سے کیا کام وہ تو ہر رسم سے بے نیاز ہوتا ہے۔"

"شکریہ سردار۔ میں تمہارے اس تعاون کے لئے بے حد شکر گزار ہوں میں کل صبح کی عبادت میں شریک ہوں گا اور اس وقت تمہیں میری سچائی کا یقین ہوگا۔" پھر میں سردار کے پاس سے اٹھ گیا۔ نوئل اس دوران خاموش رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں

الجھن کے آثار تھے ظاہر ہے وہ اس گفتگو کو سمجھ بھی نہ رہی ہوگی پھر جب ہم باہر نکل آئے تو اس نے میرا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ دونوں کو کیا ہوگیا تھا انکل؟"

"کب نوئل۔"

"آپ لوگ نہ جانے کیا بول رہے تھے میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔"

"ان لوگوں کی زبان تھی میں ان سے ان کی زبان میں بات کررہا تھا۔"

"مجھے تو بڑی عجیب سی لگ رہی تھی کیا کہہ رہا تھا؟"

"کہہ رہا تھا کہ ہمیں تہذیب کی آبادیوں تک پہنچانے میں ہماری مدد کرے گا۔ وہ ہمارا دوست بن گیا ہے لیکن اس نے یہ پیش کش کی ہے کہ ابھی چند روز ان کے ساتھ قیام کریں اور یہاں کی سیر کریں۔"

"ویسے یہ جگہ تو بہت خوبصورت ہے انکل۔"

"ہاں۔ اور ان لوگوں کا رہن سہن بھی انوکھا ہے۔ جب یہ لوگ جشن مناتے ہیں تو وحشیانہ رقص کرتے ہیں۔"

"اوہ۔ تو کیا یہ لوگ جشن منائیں گے۔"

"شاید ابھی نہیں ہاں اگر تمہیں کچھ دن یہاں گزارنے میں اعتراض نہ ہو تو پھر ہم ان کا جشن دیکھ کر ہی چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے مجھے ان کا رہن سہن بہت پسند ہے۔" نوئل نے خوش ہوکر کہا اور خاموش ہوگئی۔ میں سردار زمبا کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ شمبولا میرے لئے ایک دلچسپ شخصیت تھی۔

میں نے دوسرے دن کی عبادت میں شریک ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ ان کی عبادت میں تنہا جاؤں گا لیکن نوئل کو اس جھونپڑے میں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں تھا اور پھر ممکن ہے وہ بھی اس انوکھی بات سے لطف اندوز ہو۔

لیکن سورج نکلنے سے قبل میں نے نوئل کو جگانے کی بھی کوشش کی تو وہ نہیں جاگی وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ تب میں خود ہی باہر نکل آیا۔ عبادت گاہ کے بارے میں' میں نے تفصیل نہیں پوچھی تھی لیکن مجھے اس کے بارے میں جاننے میں کوئی دقت نہ ہوئی تھی ایک سیاہ فام کو میں نے شانے سے پکڑ کر روک لیا وہ چونک کر رک گیا۔

"کیا تم صبح کی عبادت میں شریک نہیں ہوتے۔" میں نے پوچھا۔

"میں جارہا ہوں لیکن تم؟"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"تم؟" وہ حیرت انگیز دلچسپی سے بولا۔

"ہاں' تمہیں حیرت کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ تم ہم میں سے نہیں ہو تمہارا عبادت کرنا ہمارے لئے حیرت انگیز ہوگا۔"

"بہرحال مجھے اپنی عبادت گاہ لے چلو۔"

"آؤ۔ میرے ساتھ آجاؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس کا رخ جھونپڑوں کے عقبی میدان کی جانب تھا میں اس میدان کے دوسری سمت سے یہاں آیا تھا اس لئے یہ عقبی حصہ ابھی تک میری نگاہ سے پوشیدہ تھا۔

نیم تاریکی میں یہ ماحول بے حد دلکش اور پُراسرار لگ رہا تھا۔ عقب میں ایک وسیع وعریض میدان پھیلا ہوا تھا جس کے اختتام پر سیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ تاحدِ نگاہ تھا۔ یہ پہاڑیاں اس طرف کے ماحول کی ضد تھیں' حسین مرغزاروں میں ان کی بدنمائی عجیب سی لگ رہی تھی۔ میں نے دلچسپی سے یہ منظر دیکھا' ان کے درمیان آگ جل رہی تھی' میرا رہبر ایک جگہ کھڑا ہوگیا اور میں نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

"یہی عبادت کا میدان ہے۔ درمیان میں سلگتی ہوئی آگ سورج کے عکس کا پرتو ہے۔ یہ آگ سورج کی آگ کی نشاندہی کرتی ہے اور ہم اس کی عبادت کریں گے۔" میرے راہبر نے مجھ سے کہا۔

"لیکن میرے دوست ابھی تو یہاں زیادہ لوگ نہیں آئے ہیں' کیا پوری بستی کے لوگ عبادت نہیں کرتے۔" میں نے سوال کیا۔

"مجال ہے کسی کی' ہر شخص صبح کو سورج کی آمد کا انتظار اس میدان میں کرتا ہے چند ساعت دیکھتے جاؤ ابھی وقت نہیں آیا۔" اس نے کہا اور میں نے خاموشی سے گردن ہلادی۔ یہ ساری چیزیں میرے لئے بے حد دلکش تھیں۔

میں اس سوچ میں گم تھا کہ آگ میں سفید دھوئیں کے بادل نمودار ہوتے دیکھے ایک عجیب سی انوکھی سی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ غالباً آگ کے الاؤ میں کوئی خوشبودار چیز ڈال دی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اچانک چاروں طرف سے چیخوں کی آوازیں ابھرنے لگیں اور تیزی کے ساتھ میدان لوگوں سے بھرنے لگا پہلی صف دوسری

صف اور تیزی سے صفیں بھرنے لگیں۔ صفوں کے درمیان بے ہنگم انداز میں وحشی رقص کرتے پھر رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زمین سیاہ فام ننگ دھڑنگ آدمی اگل رہی ہو تب مجھے ایک آواز سنائی دی اور یہ آواز زمبا کی تھی۔ زمبا چیخ رہا تھا۔

"باہر سے آنے والے اجنبی تم جہاں بھی ہو میرے پاس آجاؤ میں اس تیز الاؤ کے نزدیک موجود ہوں۔" اور یہ آواز میرے لئے تھی۔ چنانچہ میں لوگوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میرا ساتھی ایک لمحے کے لئے حیران رہ گیا تھا۔

چند ساعت کے بعد میں زمبا کے نزدیک پہنچ گیا زمبا الاؤ کے نزدیک ہی موجود تھا اور اسے تلاش کرنے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی تھی کیونکہ شعاعوں کی روشنی اس کا چہرہ نمایاں کررہی تھی۔ زمبا کے نزدیک ہی چار آدمی بھی موجود تھے جو خاصے عمر رسیدہ تھے اور جن کے بال جٹاؤں کی شکل میں نیچے تک پھیلے ہوئے تھے بدن ان کے بھی ننگ دھڑنگ تھے اور ان کے بدن پر عجیب و غریب قسم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ ایسے نقش ونگار جو میں اس سے پہلے بھی لوگوں کو آرائش بدن کے لئے بناتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔

سردار زمبا نے مجھے اپنے بالکل قریب بلالیا اور تب میں نے پہلی بار اس عجیب وغریب مجسمے کو دیکھا جو خاصا طویل وعریض تھا۔ سیاہ رنگ کے پتھر سے تراشی ہوئی دیوی عجیب وغریب خدوخال کی مالک تھی۔ انتہائی بھونڈے سے خدوخال تھے اور باقی بدن کو نسوانی روپ دینے کی ناکام کوشش کی گئی تھی بہرصورت یہ دیوی رموکا تھی جس کے سامنے مجھے مقدس قسم کھانی تھی۔ میں زمبا کے نزدیک کھڑا ہوگیا۔

عبادت شروع ہوگئی آہستہ آہستہ سورج بلند ہورہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ان لوگوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اتنا شور مچا رہے تھے اتنا چیخ رہے تھے یہ لوگ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

مرد عورتیں بوڑھے بچے سب ہی موجود تھے اور سب کے سب دیوانہ وار چیخ رہے تھے۔ ویسے یہ ایک انوکھی عبادت تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یقینی طور پر جھونپڑے میں نوئل جاگ اٹھی ہوگی اس تصور کے ساتھ میں تھوڑا سا پریشان بھی ہوگیا تھا۔ بہرصورت لوگوں کے ہجوم سے نکلنا آسان بات نہیں تھی یوں بھی میں نے زمبا کو مطمئن کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ میں خاموشی سے ان کی عبادت دیکھتا رہا۔

پھر جونہی سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی وہ سب اچانک خاموش ہوگئے اتنی تیز

چیخوں کے بعد یہ خاموشی بڑی عجیب اور انوکھی لگ رہی تھی۔ میں دم سادھے ان لوگوں کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا' چند سیکنڈ وہ لوگ خاموش رہے اور سورج بلند ہوتا رہا پھر جب سورج نے سر ابھارا تو وہ لوگ مطمئن ہوگئے۔ گویا اب عبادت ختم ہوگئی تھی۔ تب زمبا مسکراتے ہوئے بولا۔

"میرے دوست نہ جانے کیوں تمہاری بات پر مجھے یقین ہے حالانکہ ہمارے مذہب میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم کسی ایسے شخص پر بھروسہ کریں جو ہمارا ہم مذہب نہ ہو اور مسافر یا اجنبی ہو یا پھر اس نے دیوی رموکا کے سامنے اپنی سچائی کا ثبوت نہ پیش کردیا ہو۔ تاہم میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی سچائی کا ثبوت دو۔"

"کیا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"سامنے آؤ۔" زمبا بولا اور میں دیوی رموکا کے بت کے سامنے پہنچ گیا۔ تب زمبا نے ایک بوڑھے کو اشارہ کیا اور وہ بوڑھا ہمارے نزدیک پہنچ گیا۔ زمبا بوڑھے سے مخاطب ہو کر بولا۔

"عظیم منگولا۔ ناقابلِ عبور راستوں سے آنے والا شخص کہتا ہے کہ وہ ایک بھٹکا ہوا انسان ہے اور سمندر کے راستے یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ یہاں آنا اس کا مقصد نہیں تھا اور نہ ہی وہ چمک دار پتھروں اور سنہری دھات کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے۔ یہ اس جگہ سے نکل جانے کا خواہش مند ہے اور اس سلسلے میں اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرنے کے لئے دیوی رموکا کے سامنے آیا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ اگر وہ رموکا کے سامنے قسم کھالے اور یہ بات ثابت کردے کہ وہ چمک دار پتھروں کی تلاش میں آنے والا شخص نہیں ہے تو میں اس کی مدد کروں گا قبیلے کے قانون کے مطابق اگر یہ شخص بھی چمک دار پتھر اور سنہری دھات کی تلاش میں یہاں آیا ہے تو پھر ہم اس کی کوئی اعانت نہیں کرسکیں گے اور پھر اسے رموکا کے قدموں پر قربان کردیا جائے گا اور اگر یہ ہمارا دشمن نہیں ہے تو ہم اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے اور اسے ان علاقوں میں پہنچا دیں گے جہاں سے یہ اپنی دنیا میں واپس جاسکے۔ چنانچہ عظیم منگولا تم اس سے یہ مقدس قسم لو۔" بوڑھے نے سر جھکایا اور لکڑی کے اس بڑے برتن کی جانب متوجہ ہوگیا جس میں کسی خاص لکڑی کا برادہ موجود تھا اور اس برادے کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

"میرے نزدیک آؤ۔" بوڑھے کی لرزتی آواز ابھری اور میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"دیوی رموکا کے سامنے جھوٹی قسم کھانے والے راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ چلو اس خوشبو سے ایک مٹھی بھر کر الاؤ میں ڈال دو۔" اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا آگ سے سفید دھوئیں کے ساتھ خوشبوئیں اٹھیں اور فضا میں پھیل گئیں۔ سردار کھسک کر میرے قریب آگیا تب بوڑھے نے کہا۔

"ہاں بولو۔ تمہارے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟"

"جیسا کہ میں پہلے سردار زمبا کو بتا چکا ہوں کہ میں ایک تباہ شدہ جہاز سے یہاں تک آپہنچا ہوں اور اس طرف آنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تہذیب یافتہ دنیا میں نکل جاؤں اور اس میں جھوٹ ہو تو تمہارے عقیدے کے مطابق مجھے ضرور نقصان پہنچے۔"

سردار کی آنکھیں دیوی کی طرف نگراں ہوگئیں لیکن کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہ آیا اور سردار نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگالیا۔

"ہاں۔ میں نے تجھے سچا تسلیم کیا اور اب مجھے تجھ پر کوئی شک نہیں ہے میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔" میں نے سردار کی پیٹھ پر تھپتھپائی اور سردار مجھے لئے ہوئے چل پڑا عبادت ختم ہونے کے بعد بستی کے دوسرے لوگ بھی واپس چل پڑے تھے اور میدان خالی ہوتا جارہا تھا۔

"مجھے یقین ہے تم نے اس بات کا برا نہیں مانا ہوگا اجنبی۔"

"نہیں۔ اس میں برا ماننے کی کوئی بات ہی نہیں تھی سردار تمہیں مطمئن کرنا بھی ضروری تھا اور میں مطمئن تھا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"

"تب مجھے دو دن کی مہلت دے' میں تیرے لئے سفر کا بندوبست کروں تاکہ تجھے راستے میں تکلیف نہ ہو۔ مہذب دنیا میں جانے کے لئے راستہ طویل ہے اور اس میں کچھ ایسے دشوار گزار مراحل آتے ہیں کہ انسان پریشان ہوجاتا ہے۔"

"مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے سردار' لیکن وہ بچی میری ذمہ داری ہے اگر بات صرف میری ہوتی تو میں ایک طویل وقت یہاں گزار کر تیرے لئے بھی کچھ کرنے کی کوشش کرتا۔"

"تیرا شکریہ۔ بہرحال مطمئن رہ' میں دو دن کے اندر تیری واپسی کا بندوبست کردوں گا۔ تیری سچائی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ اب مجھے اجازت دے۔" سردار میرے جھونپڑے کے نزدیک آکر بولا۔ اور میں نے گردن ہلادی۔

سردار چلا گیا اور میں جھونپڑے میں داخل ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ نوئل ضرور جاگ گئی ہو گی۔ آوازوں سے خوفزدہ بھی ہوئی ہو گی اور میرا خیال درست نکلا۔ وہ اس جگہ نہیں تھی جہاں میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا لیکن نوئل جھونپڑی میں نہیں تھی۔

بے چاری لڑکی خوف کے عالم میں روتی ہوئی مجھے تلاش کرنے نکل گئی ہو گی۔ میں تیزی سے باہر نکل آیا اور پھر میں جھونپڑے کے اطراف میں ان ساری جگہوں تک جہاں نوئل کے جانے کا امکان ہو سکتا تھا' تلاش کرتا پھرا لیکن وہ موجود نہیں تھی۔ کیا وہ کافی دور نکل گئی۔ ممکن ہے اس میدان کی طرف لیکن میدان اب سنسان پڑا تھا' سوائے آگ کے جو اب بھی تیزی سے جل رہی تھی۔ تب میں نے زور سے اسے پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا' میں کسی قدر پریشان ہو گیا تھا۔

وہاں سے واپس آکر میں نے ایک سیاہ فام کو پکڑا اور اس سے کہا۔

"میرے ساتھ ایک لڑکی تھی' کیا تم نے اسے دیکھا؟" سیاہ فام نے حیرانی سے مجھے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی۔

"وہ کھو گئی۔ کیا وہ اس جگہ نہیں ہے' جہاں تمہارا قیام ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں' وہ وہاں موجود نہیں ہے۔"

"کس وقت چھوڑا تھا تم نے اسے وہاں؟"

"اس وقت جب ہم سب عبادت کے لئے گئے تھے۔" میں نے جواب دیا اور سیاہ فام تعجب سے گردن ہلانے لگا۔

"اس وقت تو بستی میں کسی فرد کا وجود بھی نہیں ہوتا' پوری بستی خالی ہو جاتی ہے' تمہیں اسے یہاں چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے تھا۔"

میں نے اس سیاہ فام کی نصیحتیں سننے کے بجائے آگے بڑھ کر نوئل کو تلاش کرنا مناسب سمجھا اور پھر میں کافی دیر تک اس کی تلاش میں بستی کے کونے کونے میں مارا مارا پھرتا رہا۔ میں نے بے شمار لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات کیں اور نوئل کو نہ پاکر میں سردار کی قیام گاہ کی طرف چل پڑا۔

قیام گاہ کے باہر سیاہ فام پہرے دار موجود تھے۔ انہوں نے زمبا کو میری آمد کی اطلاع دی اور زمبا اپنے جھونپڑے سے باہر نکل آیا' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ تب اس نے سادگی سے پوچھا۔ "کیا میں کسی خاص کام سے اس کے پاس آیا

ہوں۔"

"ہاں زمبا' میری جھونپڑی سے وہ بچی غائب ہے جو میرے ساتھ تھی۔"

"کیا مطلب؟" زمبا کئی قدم آگے بڑھ آیا۔

"وہ میرے جھونپڑے میں موجود نہیں ہے۔"

"کہاں گئی اور کب؟"

"اس وقت جب میں عبادت کے لئے گیا تھا' تو وہ جھونپڑے ہی میں سو رہی تھی لیکن جب میں وہاں سے واپس آیا تو وہ اپنی جگہ موجود نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے بستی کے اطراف میں' میدان میں' ہر جگہ کونے کونے میں اسے تلاش کیا ہے لیکن وہ نہیں ملی۔"

"کیا؟" زمبا نے کہا۔

"ہاں زمبا وہ موجود نہیں ہے' براہ کرم سردار اس کی تلاش میں میری مدد کرو۔"

"یقیناً یقیناً۔ یہ تمہارے کہنے کی بات نہیں ہے۔" زمبا نے جواب دیا اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

زمبا نے چند افراد کو جمع کیا اور انہیں مختلف ہدایات دیں۔ اس نے ان سے کہا کہ بستی کا ہر فرد بچی کی تلاش کرے' بلکہ ہر جھونپڑے میں ہر جگہ اس بستی کے اطراف میں دور دور تک نکل جائے اور بچی کو تلاش کرے' بچی ہر حال میں چند گھنٹوں کے اندر اندر مل جانی چاہئے۔

لوگوں نے سردار زمبا کی ہدایات سنیں اور چاروں طرف دوڑ گئے۔ میرے انداز میں کچھ پریشانی پیدا ہو گئی تھی۔ میرے ذہن میں یہ بھی تھا کہ نوئل کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا ہے یا وہ خوف زدہ ہو کر کہیں چھپ گئی ہے' بہرصورت یہ لوگ اسے تلاش کرنے کے لئے گئے تھے۔

سردار زمبا نے مجھے اپنے ساتھ ہی رہنے کے لئے کہا اور پھر اس نے مجھے اپنے جھونپڑے میں بیٹھنے کی دعوت دی اور ہم دونوں اندر چلے آئے۔ اندر آکر ہم دونوں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے دوست' ظاہر ہے وہ بچی زیادہ دور نہیں جائے گی۔ اب اتنی ناسمجھ بھی نہیں ہے کہ جنگلوں میں بہت دور تک نکل جائے میرے تیز دوڑنے والے اسے تلاش کر لیں گے' تم اس سلسلے میں بے فکر ہو جاؤ۔" سردار زمبا نے

کہا اور میں نے گردن ہلادی۔

"اسے ہر قیمت پر ملنا چاہئے سردار۔ اسے ہر قیمت ملنا چاہئے' تم یقین کرو اس کی وجہ سے میری زندگی کا رخ بدلا ہوا ہے' ورنہ میں نہ جانے کہاں ہوتا؟"

"یقیناً یقیناً وہ ہماری مہمان ہے اور تم بھی میری پناہ میں ہو' اس لئے تم بے فکر ہوجاؤ' اسے تلاش کرکے تمہارے حوالے کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔" سردار زمبا نے بڑے اعتماد سے کہا اور میں کافی دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہا' سردار تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کوئی نہ کوئی گفتگو کرنے لگتا تھا۔ دفعتاً کسی خیال کے تحت وہ چونک کر متوحش لہجے میں بولا۔

"کیا اس کا پورا لباس اس کے بدن پر تھا' کوئی ایسی چیز تو جھونپڑے میں نہیں رہ گئی جس سے اندازہ ہو کہ اسے اس کی مرضی کے خلاف کسی نے جھونپڑے سے اٹھایا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میرے ساتھ چلو' میرے ساتھ آؤ۔" سردار اٹھ گیا نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیال تھا۔ بہرصورت وہ میرے ساتھ میرے جھونپڑے کی جانب چل پڑا۔ تب اس نے جھونپڑے کے اندر داخل ہوکر دیکھا اور ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا۔

"آہ۔ آہ یہ کیا ہوا؟" اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا سردار؟ کیا کوئی خاص بات تمہارے ذہن میں آئی ہے۔"

"بُو۔ ایک مکروہ اور شیطانی بُو۔ میں اس کو اس جھونپڑے میں ہی محسوس کررہا ہوں اور یہ اس منحوس انسان کے بدن کی بو ہے جو ہماری پیشانی کا داغ ہے۔"

"سردار براہ کرم مجھے صاف الفاظ میں بتاؤ۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"شمبولا' وہ جہاں جاتا ہے اس کے بدن کی بو وہاں رہ جاتی ہے اور دیر تک یہ بُو فضا میں پھیلی رہتی ہے۔ بڑا ہی ناپاک انسان ہے وہ۔"

"تو تمہارا مطلب ہے وہ اس جھونپڑے میں آیا تھا؟" میں نے خونخوار لہجے میں پوچھا۔

"میرے دوست اگر میرا تجربہ غلط نہیں ہے' لیکن ٹھہرو میں ایک شخص کو بلاتا ہوں۔ وہ اس بات کی صحیح نشاندہی کرسکے گا۔" سردار زمبا نے کہا اور باہر نکل آیا۔ پھر اس نے کسی کو بلانے کے لئے کہا اور چند ساعت کے بعد وہی بوڑھا جسے سنکارا کہہ کر

مخاطب کیا گیا تھا جھونپڑے میں موجود تھا بوڑھے نے جھونپڑے میں قدم رکھا اور ٹھٹک گیا۔

"زمبا۔ شمبولا کی بُو محسوس ہورہی ہے۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور سردار نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

میں خاموشی سے ان دونوں کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم دونوں کا کیا خیال ہے' براہ کرم مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"یہ قطعی اتفاق ہے کہ میں نے تمہیں شیطان صفت شمبولا' کے بارے میں بتایا تھا' میرا خیال ہے کہ لڑکی کو شمبولا لے گیا ہے۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

"کیا کہا جاسکتا ہے اس شیطان کے بارے میں لیکن اس منحوس نے بہت بری حرکت کی ہے۔ سنکارا بتاؤ۔ اب کیا کیا جائے؟"

"ہم سب اس کے سامنے بے بس ہیں۔ کوئی کیا کرسکتا ہے۔" بوڑھے نے لاچاری کا مظاہرہ کیا۔

"وہ کہاں ملے گا سردار؟"

"شمبولا کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"اس منحوس کا ٹھکانہ انہی سیاہ پہاڑیوں میں ہے جنہیں تم نے عبادت گاہ کے آخری سرے پر دیکھا ہوگا لیکن اس کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔"

"سردار اس ناممکن کو ممکن بنانا ہوگا' ویسے بھی یہ اصول مہمان نوازی کے خلاف ہے۔"

"یقین کرو میرے دوست' میں شرمندہ ہوں۔ ہم نے یہاں شمبولا کی بُو محسوس کی ہے۔ اس لئے ہمارا خیال اس طرف گیا ہے لیکن شمبولا ۔ اگر اس موذی سے ہمیں بھی نجات دلاسکتے ہو تو ہم تمہیں نجات دہندہ کہیں گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نوئل کو ایسے مصائب سے بچا کر لایا تھا جن میں موت یقینی تھی۔ یہاں آکر میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا اور اگر نوئل نہ ملی تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ ان لوگوں کے ساتھ میرا کیا رویہ ہو۔

زمبا سچا انسان تھا' اس کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ بہرحال میں نوئل کے لئے

سخت پریشان تھا۔ پھر میں نے سردار سے کہا۔

"مجھے ہتھیار چاہئے سردار۔"

"ہاں ضرور' آؤ میرے ساتھ آؤ۔" سردار مجھے اپنے جھونپڑے میں لے گیا۔ اور پھر اس نے مجھے ہتھیاروں کے ذخیرے کے سامنے کھڑا کردیا اور بولا۔

"اس میں سے جو پسند آئے لے لو۔" میں نے اپنی پسند کا ہتھیار لے لیا اور باہر نکل آیا۔ دوپہر کے بعد میں نے سیاہ پہاڑیوں کا رخ کیا۔ ایسا عجیب وغریب پہاڑی سلسلہ میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ پوری پوری چٹانیں اس قدر چکنی اور سپاٹ تھیں کہ قدم جمانا مشکل تھا میں اس غار کی تلاش میں بھٹکتا پھرا' لیکن سورج ڈھل گیا اور مجھے کوئی غار نظر نہیں آیا۔

میرے دل میں انتہائی غصہ تھا۔ اگر شمبولا مجھے مل جاتا تو میں اس کا خون پی جاتا۔ میں نے سوچا اور اچانک ہی سردار کے کچھ الفاظ میرے ذہن میں گونج اٹھے۔ میں خاموشی سے واپس چل پڑا تھا۔ سردار بے چارہ اپنے طور پر کوشش میں مصروف تھا۔ اس نے میری صورت دیکھی اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکالی۔ پھر بولا۔

"تم اس غار کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہوگے۔"

"ہاں لیکن میں ناکامی نہیں چاہتا سردار۔"

"میرے دوست میں تمہارے لئے کیا کروں؟"

"تم نے کہا تھا سردار کہ وہ قبیلے کے کسی شخص کا خون پیتا ہے۔"

"ہاں۔" سردار چونک پڑا۔

"اس کا کیا طریقہ ہوتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس ڈوبتے چاند کی رات کو ایک نوجوان کو خوشبوؤں میں بسا کر سیاہ پہاڑیوں میں ایک مخصوص مقام پر بھیج دیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس کی خون نچڑی ہوئی لاش وہاں سے اٹھالی جاتی ہے۔"

"کتنے دن باقی ہیں اس رات میں؟"

"صرف چند روز' لیکن کیوں؟"

"اس بار تم مجھے بھیجو گے سردار۔" میں نے کہا اور سردار کسی سوچ میں گم ہوگیا۔ اس کے چہرے پر حزن وملال کے آثار نظر آرہے تھے۔

جب میں واپس اپنے جھونپڑے میں پہنچا تو ایک دم اچھل پڑا۔ نوئل جھونپڑے میں

موجود تھی۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔

"نوئل۔" میں بے اختیار اس کی جانب لپکا اور میری آواز پر اس نے چونک کر گردن گھمائی۔

لیکن۔ لیکن یہ نوئل تھی؟ میں اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ نوئل کی آنکھیں معمول سے کئی گنا بڑی ہوگئی تھیں۔ اس کے جبڑے لٹکے ہوئے تھے اور سرخ سرخ دانت ایسے نظر آرہے تھے جیسے اس نے کسی کا خون پیا ہو' خون کے قطرے اس کے ہونٹوں کے نیچے ٹھوڑی پر بھی جمے ہوئے تھے۔

میں ششدر رہ گیا۔ نوئل کی یہ بھیانک شکل میرے لئے اجنبی تھی' نوئل مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی لیکن ان نگاہوں میں بچپن اور وہ معصومیت نہیں تھی جو نوئل کی عمر کے ساتھ ساتھ تھی ان نگاہوں میں ایسی کیفیت تھی جیسے وہ کوئی بھوکی بلی ہو۔ تب وہ چند قدم آگے بڑھی اور میرے نزدیک پہنچ گئی۔ میں نے اس کے بال اپنی مٹھی میں پکڑ لئے اور وہ ایک دم اچھل پڑی۔

"نوئل یہ تمہیں کیا ہوگیا؟"

"انکل۔" وہ آہستہ سے بولی۔ انداز سسکی لینے کا سا تھا۔

"اوہ نوئل تم ٹھیک تو ہو؟" میں نے پوچھا۔

"آپ مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے انکل۔ لوگ کتنی زور زور سے چیخ رہے تھے' مجھے ڈر لگ رہا تھا انکل بتائیے آپ مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟"

"تمہاری طبیعت کیسی ہے نوئل۔" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں' انکل اب تو آپ آگئے ہیں۔"

"ہاں نوئل لیکن تمہیں ڈر لگ رہا تھا؟"

"ہاں بہت زور سے شور کی آوازیں آرہی تھیں۔"

"پھر کیا ہوا نوئل؟" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں انکل۔ پھر آپ آگئے۔" وہ معصومیت سے بولی میں تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر میں سردار کے جھونپڑے کی طرف چل پڑا نوئل میرے ساتھ تھی۔

زمبا نوئل کو دیکھ کر اچھل پڑا۔ "ارے یہ کہاں ملی؟" وہ خوش ہوکر بولا لیکن دوسرے لمحے اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس کے انداز میں ایک پُراسرار کیفیت نظر آنے لگی۔ پھر اس نے مایوسی سے گردن ہلائی۔

"اوہ۔ یہ شمبولا کا شکار ہو گئی۔"

"کیا مطلب؟"

"یقیناً اسے لے جانے والا شمبولا تھا اور اب یہ اس کی ملکیت ہے وہ جب اور جہاں چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے۔"

"مگر کیسے؟" میں نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"آہ۔ یہ اس کی رفاقت کے بغیر کہیں نہیں جائے گی اب یہ اس کے سحر میں گرفتار ہے۔" سردار نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"مجھے حکم دو میرے دوست میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔"

"میں اسے لے کر یہاں سے فوراً نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میری اس اطلاع کے باوجود۔"

"ہاں۔"

"تب تم یہاں رکو' میں بندوبست کئے دیتا ہوں' کاش تم اس طرح اس منحوس کے بھیانک جال سے نکل سکو۔" سردار نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔ میں نے پریشان نگاہوں سے نوئل کو دیکھا وہ اب پھر اتنی معصوم نظر آرہی تھی۔

"نوئل۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں انکل۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں انکل؟"

"اوہ نہیں نوئل بیٹے۔ میں اگر پریشان تھا تو صرف تمہارے لئے تم ٹھیک ہو تو اب مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"انکل میں' میں کچھ بیمار ہو گئی تھی کیا؟ مجھے یاد نہیں آتا کہ صبح کو اس وقت جب لوگ چیخ رہے تھے اور میں سوتے سے جاگ پڑی تھی۔ آپ موجود نہیں تھے۔ اس کے بعد یہ شام کیسے ہو گئی انکل؟ مجھے نہیں معلوم انکل کہ کس طرح ہو گئی۔ مجھے دن بھر کے واقعات یاد کیوں نہیں رہے' کیا میں سو گئی تھی؟" اس نے پوچھا اور میں عجیب نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"ہاں نوئل بیٹے تم سو گئی تھیں' لیکن اب یہ بتاؤ کیا تم سفر کے لئے تیار ہو؟"

"سفر؟" نوئل نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں سفر۔"

"لیکن کیوں انکل' کیا ہم یہاں سے جارہے ہیں لیکن اتنی جلدی کیوں انکل؟"

"بس نوئل' سردار زمبا گھوڑوں کا بندوبست کرنے گیا ہے ہم لوگ آج ہی ابھی اور اسی وقت یہ بستی چھوڑ دیں گے اور کہیں اور چلے جائیں گے۔" میں نے کہا اور نوئل میری جانب دیکھنے لگی۔

"رات میں انکل؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں بیٹے رات میں۔"

"لیکن ہم کہاں جائیں گے؟"

"ان لوگوں کے رہنما سوار ہمیں کسی مخصوص مقام تک لے جائیں گے۔ وہاں سے ہم اپنی دنیا کی طرف نکل جائیں گے۔"

"آہ انکل یہ تو میری دلی خواہش ہے' انکل کتنی دیر میں یہ لوگ ہمارے ساتھ چلیں گے؟"

"میرا خیال ہے تھوڑی دیر کے بعد۔" میں نے کہا اور نوئل مسرور نظر آنے لگی۔ اس کے چہرے پر وہی معصومیت تھی۔ جو میں اس سے پہلے بھی دیکھتا رہا تھا لیکن میرے ذہن میں سردار کے کہے ہوئے الفاظ کا خوف بھی باقی تھا کہیں سردار کی بات سچ ہی نہ ثابت ہو۔

بے چارا سردار زمبا میرے ساتھ بھرپور تعاون کر رہا تھا وہ مجھ سے کم پریشان نظر نہیں آتا تھا۔

چھ گھڑسوار ہماری رہنمائی کے لئے تیار تھے۔ ان کے علاوہ تین گھوڑے اور تھے جن میں سے دو ہماری سواری کے لئے اور ایک گھوڑے پر ضرورت کا سامان بار کیا گیا تھا۔ سردار مجھے بستی کی سرحد تک چھوڑنے آیا' وہ اب بھی پریشان تھا۔ "میری بستی میں تمہارے ساتھ بہتر سلوک نہیں ہو سکا نوجوان جس کے لئے میں طویل عرصہ تک شرمندہ رہوں گا۔ میری دعا ہے کہ رموکا دیوی کی مدد سے تم اس شیطان کے جال سے نکل جاؤ' لیکن اگر تمہیں کوئی دقت محسوس ہو تو میرے دوست زمبا کو اپنا دوست سمجھ کر اس کے پاس آجانا۔"

"میں تمہاری اس دوستی کو یاد رکھوں گا زمبا۔" میں نے جواب دیا اور پھر رخصت

ہو کر ہم چل پڑے۔ افریقہ کے خطرناک علاقے میں رات کا سفر بے حد بھیانک سمجھا جاتا تھا وحشی اور خونخوار درندے چاروں طرف بھٹکتے پھرتے تھے اور تاریک راتوں میں تو ان کا خطرہ اور بڑھ جاتا تھا۔

جن لوگوں کو زمبانے ہمارے ساتھ کیا تھا وہ بے حد نڈر اور تجربہ کار لوگ تھے۔ ساری رات وہ بے تکان ہمارا ساتھ سفر کرتے رہے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ راستے میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔

صبح کو ہم نے خود کو ایک سرسبز و شاداب جنگل میں پایا جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا اور درختوں کے نیچے سبزہ پھیلا ہوا تھا' ایک انتہائی گھنے سایہ دار درخت کے نیچے میں نے گھوڑا روک دیا نوئل کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔

"تھک گئیں نوئل؟"

"بے حد انکل۔" نوئل نے جواب دیا۔

"تو اب آرام کرو' عمدہ جگہ ہے۔" میں نے کہا اور پھر میں اپنے رہنما سیاہ فاموں سے بات کرنے لگا۔ میں نے پروگرام بنایا تھا کہ دوپہر تک ہم آرام کریں گے' دوپہر کے بعد سفر کریں گے تاکہ ہم رات کو کسی مناسب جگہ قیام کر سکیں۔ سیاہ فاموں نے سعادت مندی سے گردن ہلادی' ان بے چاروں نے ہمارے لئے آرام کا بندوبست کیا اور پھر خوراک کا سامان اتارنے لگے۔ سردار نے انہیں خاص طور سے ہمارے آرام کا خیال رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ اس لئے ہمارے سارے کام انہوں نے کئے اور کھانے پینے کے بعد ہم آرام کرنے لیٹ گئے۔

نوئل اب متوازن تھی' اس کے انداز میں پہلے جیسی معصومیت پیدا ہوگئی تھی لیکن میں اس کی طرف سے غیر مطمئن تھا۔ دوپہر ڈھل گئی اور پھر ہم نے دوبارہ سفر کی تیاریاں شروع کردیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس جنگل کو عبور کر رہے تھے۔

چونکہ آرام کر چکے تھے اور تھکن دور ہو چکی تھی۔ اس لئے ہم اس وقت تک سفر کرتے رہے جب تک تاریکی کافی گہری نہ ہوگئی۔ پھر ہم نے دوبارہ آرام کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرلیا۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ اونچے اونچے ٹیلے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں درخت وغیرہ بھی تھے۔ ایک خوبصورت جگہ منتخب کرکے ہم وہاں رک گئے ابھی تک سفر پُرسکون رہا تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو تشویش ناک ہوتی۔ رات کے کھانے کے بعد دیر تک نوئل مجھ سے گفتگو کرتی رہی خود اس کی سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ یہ پُرصعوبت سفر کس طرح ختم ہوگا' اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔

پھر وہ حسب معمول سونے کے لئے لیٹ گئی میں بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر لیٹ گیا تھا ہم سے کچھ دور سیاہ فام محافظ آرام کر رہے تھے۔ وہ بیچارے دو دو کرکے جاگ رہے تھے۔ زمبانے ہماری بے لوث خدمت کی تھی' میں اس سے بہت متاثر تھا لیکن اس بے چارے کے لئے میں کچھ نہیں کرسکا تھا۔ آخری رات کا چاند تھا۔ پہلے تو تاریکی رہی لیکن پھر آہستہ آہستہ روشنی ہونے لگی میری آنکھیں نیم غنودہ ہوئی ہی تھیں کہ میں نے کسی کو اپنے قریب محسوس کیا اور چونک پڑا نوئل میرے سرہانے موجود تھی۔

"نیند نہیں آرہی" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا وہ بھی مسکرا دی لیکن اس کے اندر کسی قدر تبدیلی نظر آرہی تھی۔ یہ تبدیلی صرف میرا احساس تھا۔ کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا تھا لیکن چند ساعت کے بعد میرے اس احساس کی تصدیق ہوگئی' وہ کھسک کر میرے نزدیک آگئی۔ "میں عورت بننا چاہتی ہوں' میں جوان ہوگئی ہوں۔" اس کی آواز ابھری اور میں اچھل پڑا۔

"نوئل!" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ہوش میں آؤ۔"

"میں' میں تمہاری آغوش میں سمانا چاہتی ہوں مجھے مایوس نہ کرو ورنہ......"

اور میرا بھرپور ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ کئی فٹ دور جاگری تھی۔ "ٹھیک ہے تم مجھے قبول نہ کرو میں جارہی ہوں۔" بات حد سے گزر گئی تھی۔ میں اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے لپک کر اسے پکڑا اور پھر میرا ہاتھ اس کی گردن کی پشت پر پڑا اور وہ لہرا کر زمین پر آرہی۔ وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

میں نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر لٹا دیا۔ دیر تک میں اس کے نزدیک بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ دن رات سفر کرنا ہوگا تاکہ اس طلسمی ماحول سے جتنی جلدی ہوسکے دور نکل جاؤں کچھ بھی ہوجائے میں نوئل کو بے سہارا نہیں چھوڑوں گا۔

سیاہ فام اطمینان سے اپنی جگہ موجود تھے۔ ان بے چاروں کو صورت حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ دیر تک میں اسی طرح بیٹھا رہا اور پھر اس کے نزدیک ہی دوبارہ لیٹ گیا۔

چاند نمایاں سفر کرتا رہا تھا ہوا اتنی خوشگوار چل رہی تھی کہ آنکھوں میں شراب اتر رہی تھی اور پھر یہ شراب میرے حواس پر چھا گئی اور میں دوبارہ سوگیا اس بار سیاہ فاموں

نے مجھے جگایا تھا۔ دور پہاڑوں کی اوٹ سے اجالا ابھر رہا تھا سیاہ فام مجھے جھنجھوڑ رہے تھے میں چونک کر اٹھ گیا۔

"آپ کی ساتھی لڑکی گھوڑے پر بیٹھ کر اس طرف گئی ہے ہم نے دو آدمی اس کے پیچھے دوڑا دیئے ہیں۔" ایک سیاہ فام نے بتایا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں اور الجھ گیا تھا۔

بہر حال ہم نے بھی اپنے گھوڑے سنبھال لئے اور پھر ہم بھی اسی طرف دوڑ پڑے۔ سورج ابھر آیا تھا لیکن ان لوگوں کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔ یہ وہی رخ تھا جس سے ہم آئے تھے اور اب ہم دوبارہ بستی کی طرف جارہے تھے۔ میرے دل میں بھنور اٹھ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ نوئل کو جہنم میں جھنک کر آگے بڑھ جاؤں لیکن پھر خیال آیا کہ وہ بے قصور ہے یہ سب شمبولا کا ہی شیطانی چکر ہے میں اس شیطان کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ کچھ بھی ہوجائے میں شمبولا کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا میرے دانت بھنچ گئے اور ہم بغیر رکے سفر کرتے رہے۔

شام کو سورج چھپے ہم بستی پہنچ گئے۔ جہاں ہماری ملاقات زمبا اور ان دونوں سیاہ فاموں سے ہوئی تھی۔ سیاہ فاموں کی حالت خراب تھی ان کے بدن جھلسے ہوئے تھے اور جگہ جگہ سے گوشت نکل آیا تھا شاید وہ ابھی زمبا کے پاس پہنچے تھے۔ زمبا کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور مایوسی سے بولا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا۔"

"ان لوگوں کو کیا ہوا؟" میں نے افسردہ نگاہوں سے ان دونوں سیاہ فاموں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ان ہی سے سنو۔" زمبا نے کہا۔

"کیا ہوا تم دونوں کو؟" میں نے پوچھا۔

"ہم لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے سیاہ پہاڑوں تک گئے تھے وہ گھوڑے سمیت پہاڑوں میں غائب ہوگئی۔ ہم پہاڑوں میں بھٹک رہے تھے کہ اچانک پہاڑوں سے شعلے نکلے اور ہم شعلوں میں گھر گئے۔ ہمارے گھوڑے جل کر ہلاک ہوگئے۔ ہم بمشکل نکل آنے میں کامیاب ہوسکے۔"

"اوہ۔ یہ حرکت اس شیطان کے علاوہ کسی کی نہیں ہے۔" زمبا نے کہا۔

"لڑکی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا؟" میں نے شعلہ بار نگاہوں سے انہیں گھورتے

ہوئے کہا۔

"نہیں اس کا نام ونشان تک نہیں مل سکا۔"

"ہوں۔ زمبا ان کے علاج کا بندوبست کرو مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے سخت پریشانی اٹھانی پڑی میں دیکھوں گا کہ وہ کتنا بڑا جادوگر ہے۔" رات کو زمبا دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا تھا وہ بہت مایوس تھا اور مجھ سے بھی مایوسی کی گفتگو کررہا تھا۔

"یقین کرو میرے دوست تمہاری خواہش پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ایک مہمان کی حیثیت سے میں تمہیں اس خطرے سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے خلوص کو دل سے قبول کرتا ہوں لیکن اب میرے لئے یہ ضروری ہے اس کے علاوہ میں اور کیا کرسکتا ہوں۔"

دوسرے دن میری درخواست پر زمبا مجھے وہاں لے گیا جہاں ہزار راتوں کے شکار افراد زندگی گزار رہے تھے۔ بڑا پُراسرار علاقہ تھا زمبا مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتارہا تھا جو بظاہر سیاہ پتھر کے مجسمے نظر آرہے تھے یہ سن کر حیرت ہوتی تھی کہ وہ کبھی انسان تھے۔ اس نے ان شیطانوں کی روایات بتا کر مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی، لیکن خوف کا میرے نزدیک گزر نہیں تھا۔

"یہ تمام وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی قوتوں سے بستی کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں انہوں نے وہ سب کیا جو کرسکتے تھے اور جس کی جتنی زندگی تھی اس نے اتنے ہی انسانوں کا خون پی لیا گو بے شمار افراد لقمۂ اجل بنے اور ان کی زندگیاں اس طرح ختم ہوگئیں سو میرے دوست، میرے معزز مہمان یہ مناسب نہیں ہے کہ تم خود کو اس نوجوان کی حیثیت سے پیش کرو جسے شمبولا کی خدمت میں اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ وہ اس سے اپنے خون کی پیاس بجھائے۔ ہم لوگ تو اس کے عادی ہیں اور ہماری تقدیریں یہی ہیں۔ گناہ کا پودا ہماری زمین سے اگا ہے اور ہمارے ہی خون سے سیراب ہونا چاہیئے تم چند روز کے لئے یہاں آئے ہو تمہاری زندگی خطرے میں کیوں ڈالی جائے۔"

"نہیں زمبا یہ تو ممکن نہیں ہے کہ میں اس لڑکی کو یہاں چھوڑ کر اپنی زندگی بچانے کے لئے آگے بڑھ جاؤں۔ چنانچہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے مجھے اس پر اٹل رہنے دو۔ اور میری مدد کرو۔" زمبا نے گردن جھکالی پھر وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

"ٹھیک ہے اگر تم اس حد تک بضد ہو تو میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔"

چاند آخری راتوں کا سفر طے کررہا تھا۔ پھر ایک رات وہ ڈوب گیا۔ گویا وہ ڈوبتے

چاند کی آخری رات تھی اور اس رات کے آخری پہر اس نوجوان کو سیاہ پہاڑیوں میں بھیج جانے والا تھا جو اس بار شمبولا کا نشانہ بننے کے لئے تیار تھا۔

ان چند دنوں میں نوئل کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا اور میرا دل اس کے لئے خون کے آنسو روتا تھا۔ مجھے نوئل کی وہ کیفیت یاد آئی جس کا اظہار اس رات ہوا تھا معصوم نوئل کے چہرے پر ایک جوان عورت کے جذبات تھے اور میرا دل کسی طور یہ بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

سردار زمبا خاصا مایوس تھا بہرصورت وہ میری راہ میں آنا بھی نہیں چاہتا تھا چنانچہ تاریک رات کے آخری پہر میں اس نے مجھے الوداع کہا اور میں سیاہ پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔

زمبا نے مجھے بتادیا تھا کہ مجھے وہاں جاکر کیا کرنا ہے۔ میرا ذہن عجیب سے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان خیالات میں خوف کا عنصر تو نہیں تھا البتہ ایک الجھن ضرور تھی میں سوچ رہا تھا کہ ان شیطانی قوتوں کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے تب میں نے رک کر ان سچے جذبوں کو آواز دی۔ میں نے سوچا کہ میں نے سچائی کی راہ میں قدم رکھا ہے مجھے آسمانوں سے امداد درکار ہے اور میں نے ایک روشنی کوندتے دیکھی ایک مرمریں مجسمہ میرے سامنے نمودار ہوا اور اس کی نقرئی آواز ابھری۔ "آسمان کے رہنے والے سچائی کے ساتھی ہوتے ہیں میں دیوی رموکا ہوں اور یہ سرخ پتھر تیری ملکیت ہے جو بالآخر شمبولا کی موت بن جائے گا۔" اس نے ایک چمدار سرخ پتھر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ نقرئی آواز پھر سنائی دی۔ "اس کے جادو کی ہزار راتیں پوری ہو چکی ہیں اور وہ غافل ہے وہ ان دنوں کا حساب بھول گیا ہے۔ جا آسمان والا تیری حفاظت کرے گا اور اسے موت دے گا۔" اس کا مرمریں پیکر فضاؤں میں تحلیل ہوگیا۔ میں اس سرخ پتھر کو ہاتھ میں لئے حیران کھڑا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے اپنے وجود میں ایک بے خوفی کا احساس ہوا یوں لگا تھا جیسے اب میرے لئے کامیابی ہی کامیابی ہو۔

تاریکی میں، میں ان پہاڑوں کی جانب تیزی سے سفر کررہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس ہیبت ناک اندھیرے میں داخل ہوگیا وہ چشمہ جس کے بارے میں زمبا نے مجھے بتایا تھا سامنے ہی موجود تھا اور وہاں ایک تنہا درخت کے نیچے مشعل روشن تھی جس کا علم مجھے پہلے ہی ہوگیا تھا۔ میں درخت کے نیچے جاکھڑا ہوا اور میری نگاہیں چاروں طرف لگیں پھر اچانک مجھے عقب سے آواز سنائی دی۔

"آہ۔ میں پیاسا ہوں۔ میں کس قدر پیاسا ہوں کون میری پیاس بجھائے گا کیا تم؟" وہ اچانک میرے سامنے آگیا۔ مشعل کی روشنی میں، میں نے اس کی مکروہ شکل دیکھی بڑی ہیبت ناک شکل تھی سیاہ فام تو تھا ہی نچلا ہونٹ ٹھوڑی تک لٹکا ہوا تھا۔ اور اس کے لمبے لمبے دانت نظر آنے لگے ناک طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تھی بدن اچھا خاصا توانا تھا۔

"کیا تُو میری پیاس بجھائے گا؟" اس نے پوچھا۔ پھر خود ہی بڑبڑایا۔

"تُو کون ہے تو اس بستی سے تو نہیں ہے۔ اوہ سمجھ گیا۔ سمجھ گیا میں، اس لڑکی کا ساتھی۔ ہاں وہی تو ہے میں نے عبادت کی صبح تجھے دیکھا تھا لیکن یہ زمبا بڑا ہی عیار ہے اس نے تجھ سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سوچا۔ خوب کوئی ہرج نہیں ہے مگر تُو کیا پیئے گا۔"

"تیرا خون؟" میں نے جواب دیا۔

"اوہو۔ اوہو۔ کیا واقعی۔ پی لے۔ پی لے۔ یہ خنجر لے لے اور جہاں تیرا دل چاہے بھونک دے۔" اس نے ایک لمبا خنجر نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے اسے بغور دیکھا ایک لمحے کے لئے میں چکرا کر رہ گیا تھا۔

"بجھالے اپنی پیاس بجھالے۔ یا پھر میری پیاس بجھا دینا۔" میں نے خنجر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ شمبولا سینہ کھول کر میرے سامنے آگیا میں جانتا تھا کہ اس پیش کش میں کوئی خاص بات ضرور ہے تاہم میں یہ دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے خنجر پوری قوت سے اس کے سینے میں بھونک دیا یوں لگا جیسے میں نے وہ خنجر کسی کاہی میں اتار دیا ہو پھر میں نے اسے نکالا اور اسے کئی بار شمبولا کے بدن میں جگہ جگہ بھونکا لیکن کہیں سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔ شمبولا مکروہ انداز میں ہنس پڑا۔

"اب میں کیا کروں میرے بدن میں تو خون ہی نہیں ہے اب تو اجازت ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور خنجر شمبولا کو واپس کردیا اس نے خنجر میرے ہاتھ سے لے لیا اچانک وحشیانہ انداز میں اچھلنا کودنا شروع کردیا اور پھر انتہائی سفاکی سے وہ خنجر میری گردن میں اتارنے کی کوشش کی لیکن خنجر کی دھار مڑگئی۔ جس قوت سے وہ میری گردن میں پیوست کیا گیا تھا اس کے تحت اس کا وہ پہلا اور آخری وار ہونا چاہئے تھا لیکن اس نے حیرانی سے مڑے ہوئے خنجر کو دوبارہ دیکھا اور پھر اسے چٹکیوں سے پکڑ کر سیدھا کردیا۔

اس بار اس نے خنجر میرے سینے میں بھونکا تھا لیکن اس بار خنجر دوبارہ سیدھا ہونے

کے قابل بھی نہیں رہا۔

"کیا تیرا بدن پتھر کا ہے؟" اس نے وحشیانہ انداز میں کہا۔

"نہیں شمبولا بلکہ تیری قوت ختم ہوگئی ہے شاید تو ان دنوں کا حساب نہیں رکھ رہا ہزار راتیں پوری ہو چکی ہیں شمبولا اور یہ رات میری ہے۔" میں نے کہا اور شمبولا ساکت ہوگیا شاید وہ ان دنوں کا حساب لگا رہا تھا دوسرے لمحے اس نے ایک سمت چھلانگ لگا دی اور ایک غار میں داخل ہوگیا لیکن اب میں اس کا پیچھا کیا چھوڑتا میں بھی غار میں داخل ہوگیا تھا۔

بدبو کا ایک شدید بھپکا میری ناک سے ٹکرایا تھا میں نے شمبولا کو تلاش کیا لیکن اس کشادہ غار میں وہ مجھے نظر نہ آیا البتہ سامنے ہی ایک اور سرنگ سی موجود تھی کشادہ غار میں دیواروں میں مشعلیں لگی ہوئی تھیں اور ان کی روشنی نہایت بھیانک منظر پیش کر رہی تھی۔

پورے غار میں مردہ جانوروں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں انسانی ڈھانچے بھی موجود تھے جن میں سڑا ہوا گوشت چپکا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ایسی ہی مکروہ چیزیں۔ میں اس سرنگ کی طرف بڑھ گیا اور سرنگ کے دوسرے دہانے پر مجھے ایک اور روشن غار نظر آیا اس غار کی روشنی بہت تیز تھی میں بے تکان اندر داخل ہوگیا یہ غار زیادہ کشادہ نہیں تھا سامنے ہی سفید رنگ کا تخت بچھا ہوا تھا۔ جس میں اعلیٰ درجے کے جواہرات نصب تھے اور انہی ہیروں کی روشنی سے غار منور تھا مکروہ شمبولا اس تخت پر بیٹھا ہوا تھا اس نے پاؤں بھی اوپر اٹھا رکھے تھے اور اس کے عقب میں ایک کرسی پر نوئل بھی بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس خوفناک اور وحشت زدہ شکل میں' جس میں' میں نے اس رات اسے دیکھا تھا۔ جس دن وہ اغوا ہوئی تھی اس کے ہونٹوں پر ایک خوفناک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ شمبولا کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

"تم کون ہو کون ہو تم؟" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم خوفزدہ ہو شمبولا؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے' بگاڑ کے دیکھ لو میں تم سے اتنا دور ہوں کہ تم۔ تم مجھ تک پہنچ ہی نہیں سکتے میں تم سے ہزاروں میل دور ہوں سمجھے ہزاروں میل۔" اس نے کہا۔

"تم شاید پاگل بھی ہوگئے ہو مجھے ہلاک کرو آؤ' میرا خون پیو تم۔ تم پیاسے ہونا!"

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"دھوکہ ہوگیا ہے دیکھ لوں گا زمبا کو دیکھ لوں گا بستی والوں کو' پوری بستی کا خون نہ پی جاؤں تو نام نہیں۔ اس نے تمہیں کیوں بھیجا اب اس کے لئے مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں۔" شمبولا نے کہا میں بدستور آگے بڑھ رہا تھا اور ایک لمحے میں مجھے انوکھا احساس ہوا میرے اور شمبولا کے درمیان جتنا فاصلہ تھا وہ تو چند قدموں میں طے ہوجانا چاہئے تھا میں مسلسل آگے بڑھتا رہا تھا لیکن فاصلہ جوں کا توں تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں ٹھٹک گیا اور اسی وقت بدبخت شمبولا نے قہقہہ لگایا۔

"آؤ' آؤ رک کیوں گئے۔ مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرو تم یہ فاصلہ ساری زندگی نہیں طے کرسکو گے آؤ۔ بڑھتے رہو۔" لیکن میں وہیں رک گیا۔ یہ صورتِ حال تعجب خیز تھی اور شمبولا کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ یہاں میں ناکام رہا ہوں۔ چنانچہ اس کا خوف آہستہ آہستہ دور ہوتا جارہا تھا لیکن اس نے پاؤں زمین پر نہیں رکھے تھے اور اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ تخت میری آخری پناہ گاہ ہے جب تک میرے پاؤں اوپر رہیں گے تُو مجھ تک نہ پہنچ سکے گا۔"

"ممکن ہے ایسا ہو لیکن تمہاری دیوی رموکا نے یہ سرخ پتھر مجھے دیا ہے اور کہا ہے کہ اسی میں تیری موت پوشیدہ ہے۔ اگر یہ بے کار ہے تو مجھے اس کا کیا کرنا ہے۔" میں نے پتھر اس کے تخت پر اچھال دیا اور ایک بجلی سی کوندگئی تخت شعلوں میں گھر گیا تھا اور شمبولا کی دردناک چیخیں ابھرنے لگیں۔ چند لمحات میں اس کا وجود خاکستر ہوگیا۔ میں نے نوئل کی طرف دیکھا جو اس طرح کھڑی ہوئی تھی جیسے خواب سے جاگی ہو۔

"کیا بات ہے انکل۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں آؤ۔" میں نے بھاری لہجے میں کہا اب میں آزاد تھا یوں لگا جیسے دیوی رموکا مسلسل میری رہنمائی کررہی ہو میرا مذہب ان باتوں کو قبول نہیں کرتا تھا لیکن سرزمین افریقہ کے جادو کی کہانیاں اجنبی نہیں ہیں۔ چند روز کے بعد میں ایک مہذب آبادی میں داخل ہوگیا اور پھر نہ جانے کہاں کہاں سفر کرتا ہوا لندن آگیا۔ مہذب آبادیوں کے مرکز میں۔ لندن کی پُر رومان فضا میں زندگی رقصاں تھی۔ اگر اپنی اصلی زندگی میں یہاں آیا ہوتا تو اپنے بارے میں سوچتا لیکن اب تو میرا یہ جذبہ میری یہ سوچ نوئل کے لئے تھی۔ یہ لڑکی اس سرکش کو تو بہت پہلے ہلاک کرچکی تھی جو دنیا کا دشمن تھا جہاز میں

اس کے آنسوؤں نے مجھے قتل کردیا تھا اب تو میرے سینے کے سچے جذبات زندہ تھے لیکن نوئل کو ایک حسین زندگی دینے کے لئے میں کیا کروں؟ عالیشان عمارتوں کے درمیان بھٹکتا رہا۔ ہمارے لئے کہیں کوئی جگہ نہیں تھی زندگی گزارنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ نوئل کے بے ترتیب لباس اور خشک ہونٹ دیکھ کر میرا کلیجہ کٹتا تھا۔ پھر ایک دن جب وہ فاقہ کشی سے نڈھال ہوگئی تو میں نے خود سے خود کو ادھار مانگ لیا میں صرف چند لمحات کے لئے صرف کچھ عرصہ کے لئے اپنی قدیم زندگی اپنالی۔ اپنے لئے نہیں نوئل کے لئے۔

لندن کی اس خوفناک ڈکیتی کی کہانیاں کافی دن تک اخبارات کی زینت بنی رہیں۔ جن میں صرف ایک ڈاکو نے پانچ افراد کو ہلاک کرکے بینک لوٹ تھا لیکن اس کے بعد میرا لندن میں رکنا موت کو دعوت دینا تھا۔ کیونکہ جدید ملک کی جدید پولیس کافی ہوشیار تھی یہاں سے ایک طویل سفر کرکے میں طویل عرصہ کے بعد ایک بار پھر اسی سرزمین پر آگیا جہاں کی مٹی سے میرا خمیرا اٹھا تھا نوئل میرے ساتھ تھی۔ اسے مجھ پر مکمل اعتماد تھا۔ میرے علاوہ دنیا میں اس کا کوئی نہ تھا۔ میں نے تہران کے نواح میں ایک قطعہ زمین خریدا ایک خوبصورت مکان بنایا اور بدنام ڈاکو مفرور مجرم ایک نیک نام انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگا۔

کوئی مجھے نہیں پہچان سکا تھا کیونکہ زندگی کے ساتھ ساتھ میں نے اپنا حلیہ بھی تبدیل کرلیا تھا۔ میری فطرت اور میری عادت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی تھی اور اب پچھلی زندگی کے سائے بھی میرے ذہن پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے لیکن تقدیر کے کھیل نرالے ہوتے ہیں' نوئل عمر کی انیسویں منزل میں قدم رکھ چکی تھی۔ میرے ساتھ اس کا رویہ بہت پیار بھرا تھا اور میں بھی اس پر زندگی نچھاور کرتا تھا۔ اپنے لئے تو اب کچھ سوچنا حماقت کی بات ہی تھی کیونکہ میں سوچ کی منزل سے بہت آگے نکل گیا تھا لیکن نوئل کے بہتر مستقبل کا خیال ہمیشہ میرے ذہن پر سوار رہتا تھا' میری آرزو تھی کہ کسی شریف انسان سے اس کی زندگی وابستہ کردوں اور اپنے اس آخری فرض سے سبکدوش ہوجاؤں۔ بلاشبہ میری زندگی میں جو تبدیلی نوئل نے پیدا کی تھی اس کا کوئی جواب نہیں تھا' میری سوچ کے دھارے ہی بدل گئے تھے۔

تہران میں میں نے ایک چھوٹا سا کاروبار کررکھا تھا اور میرا معاون نوری عبار ایک نوجوان آدمی تھا۔ مجھے نوئل پر اتنا اعتبار تھا کہ میں نے کبھی اس کے بارے میں کسی غلط انداز میں سوچا ہی نہیں تھا۔ نوری عبار اکثر میرے گھر آتا جاتا رہتا تھا' نوئل سے اس کی

دو چار ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں اگر بے وقوف لڑکی خود مجھ سے اس بات کا اظہار کردیتی کہ وہ نوری عبار کی طرف متوجہ ہے تو شاید میں اس کی راہ میں آنے کی کوشش نہ کرتا لیکن ایک انسان کی زندگی کے بارے میں آپ خود سوچئے جس کی فطرت کچھ بھی ہو لیکن اس نے اپنے آپ کو بالکل تبدیل کرلیا تھا صرف ایک شخصیت کے لئے اور میری زندگی کا وہ ایک ہی لمحہ میرے لئے قیامت بن گیا۔ جب میں نے نوری عبار کو نوئل کے ساتھ تہران کے ایک خوبصورت ہوٹل میں دیکھا' مجھے شدید حیرت ہوئی تھی' ان دونوں کو میں نے جس حال میں دیکھا تھا اس سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی قربت میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ بات کچھ بھی نہیں تھی' لیکن بس میرے اندر کا حیوان جاگ اٹھا تھا۔ نفرت اور حقارت کے اس ابھرتے ہوئے شدید تر جذبے نے مجھے مجبور کردیا کہ ایک بار پھر میں اپنی زندگی میں واپس لوٹ جاؤں۔ ہاں میں نے جو تاج محل بنایا تھا اسے اس طرح مسمار ہوتے نہیں دیکھ سکتا' نوئل نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی اور میں اس کی اس کوشش کو ناکام بنانے پر تل گیا۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے ذہن کو کسی طرح معتدل کرلوں لیکن نوئل کی اس حرکت نے مجھے چراغ پا کردیا تھا۔ میرے ذہن میں طرح طرح منصوبے جنم لینے لگے تھے۔ میں نے نوری عبار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی اور یہ جان کر میری نفرت اور حقارت میں مزید اضافہ ہوگیا کہ نوری عبار ایک اوباش نوجوان تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی نوجوان لڑکیوں کو جھانسے میں لاکر انہیں تباہ وبرباد کرچکا تھا اور اب اس کا مرکز نگاہ یہ دولت مند لڑکی نوئل تھی۔ میں نے بہت غور وخوض کیا اور پھر ایک بار نوئل سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

نوئل کو میں نے اس وقت روکا جب وہ کہیں جانے کی تیاریاں کررہی تھی۔

"کہاں جارہی ہو؟" میں نے پوچھا۔ تو وہ سہم گئی اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے مجھے دیکھا اور پھر اس کی نظریں جھک گئیں۔

"تم سمجھ دار ہوچکی ہو نوئل اپنا اچھا برا بہت اچھی طرح جانتی ہو اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے آخری مرحلہ تک تمہیں صحیح راستوں کی جانب گامزن کرسکوں۔ میں تمہارے لئے صحیح راستوں کا انتخاب کرنا چاہتا ہوں۔"

"انکل۔" نوئل کی پھنسی پھنسی آواز ابھری۔

"ہاں نوئل۔ میری تجربہ کار نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ تم تیز رفتاری سے غلط راستوں کی جانب بڑھ رہی ہو۔"

"غلط راستے؟" اس نے سوال کرنے والے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ میں تم سے حصوں میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا نوئل' نوری عبار میرے وطن کا باشندہ ہے اس کے بارے میں' میں نے جو معلومات حاصل کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ میں تمہیں اس کے ساتھ گھومنے پھرنے کی آزادی نہیں دے سکتا اور نہ ہی میں تمہاری اور اس کی قربت پسند کرتا ہوں۔"

"انکل!" نوئل کے لہجے میں ہلکا سا احتجاج پیدا ہوگیا۔

"ہاں نوئل۔ تم جانتی ہو تم میری ساری زندگی کی آرزوؤں کا مرکز ہو میری پرانی زندگی کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں معلوم نوئل' لیکن یوں سمجھ لو کہ میں نے تمہارے لئے ایک نیا جنم لیا ہے۔"

"یہ سب فرسودہ باتیں ہیں انکل۔" نوئل کی اجنبی آواز ابھری اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ انکل کہ میں بالغ ہوں اور مجھے اب اپنی زندگی گزارنے کے لئے آزادی ملنی چاہئے۔ نوری عبار کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا نوری عبار اس سے پہلے ہی مجھے اس سے آگاہ کرچکا تھا۔"

"ایک بار میں پھر وہی سوال دہراؤں گا کہ کیا مطلب؟"

"ہاں انکل۔ اس نے کہا تھا کہ آپ زیرک انسان ہیں اور نہایت چالاکی سے مجھے اس سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے چنانچہ میں آپ سے محتاط رہوں۔"

"یہ بات تم سے نوری عبار نے کہی تھی۔"

"ہاں انکل۔"

"تمہارا اپنا نظریہ کیا ہے۔ اس بارے میں؟"

"کچھ نہیں انکل۔ میں صرف اپنی آزادی چاہتی ہوں۔"

"کیا تمہیں یہ یاد ہے کہ میں نے کس طرح تمہیں پروان چڑھایا ہے۔"

"نہیں انکل آپ غلط کہہ رہے ہیں یہ بات' میں آپ کی اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"کیوں؟"

"آپ نے مجھے پروان نہیں چڑھایا۔ میں ہوش وحواس میں تھی اپنے بارے میں

سب کچھ جانتی تھی ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے میری جان بچائی تھی اور اس کے بعد اس کے بعد............" نوئل کے ان الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا میرے اندر غم وغصہ کھول رہا تھا مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ ضائع کرکے بہتر نہ کیا ہو جیسے میں نے جو کچھ سوچا ہو غلط سوچا ہو نوئل درحقیقت مجھ سے نہیں تھی وہ مجھ میں سے نہیں تھی وہ ایک غیر ملکی لڑکی تھی میرا اس سے کیا تعلق تھا لیکن میں اپنی زندگی کے ان لمحات کی قیمت کہاں سے وصول کرتا جو میں نے اس کے لئے ضائع کئے تھے۔

"گویا تم میری اس حیثیت کو سرے سے نظرانداز کر رہی ہو نوئل۔ میری تمام کاوشوں کو ٹھکرا رہی ہو نوئل۔" میں نے سوال کیا۔

"آپ مجھے اس . کے لئے مجبور کررہے ہیں۔"

"میں تم سے عیش کی یہ زندگی چھین بھی سکتا ہوں۔"

"یہ سب کچھ آپ کا ہے انکل۔ آپ اس کا حق رکھتے ہیں۔ میں نوری کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کروں گی۔"

یہ بدل تھا۔ یہ معاوضہ تھا اور اب کچھ کہنے کی گنجائش کہاں تھی۔ میں نے اسے جانے دیا لیکن اس کے بعد میں اپنے اندر جاگنے والے قدیم انسان کو نہیں سلا سکا۔ وہ وقتاً فوقتاً چیخ رہا تھا۔

نوری عبار میرا ملازم تھا میں نے اسے اپنی کوٹھی پر طلب کیا تو وہ میرے سامنے حاضر ہوگیا اس کے آنے سے پہلے میں نے نوئل کو بھی بلایا تھا۔ نوئل بھی موجود تھی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا آپس میں کچھ اشارے کئے میں نے کہا۔

"آج میں نے تمہیں ایک خاص مقصد سے بلایا ہے نوری۔"

"جی سر۔"

"تمہاری سابقہ زندگی میرے سامنے ہے۔ تم ایک برُے انسان ہو۔ اس کے باوجود تم نوئل کو فریب دے رہے ہو تمہارے پاس واپسی کا کوئی راستہ ہے؟"

"میں واپسی کا عادی نہیں ہوں۔" اس نے بے خوفی سے کہا۔

"افسوس تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے عبار۔ اگر جانتے ہوتے تو شاید اس لہجے میں بات نہ کرتے۔"

"یہی تو میری خوش بختی ہے کہ میں آپ کے بارے میں سب کچھ جان گیا ہوں۔"

ڈاکٹر ہرمز رنجاتائی کے قاتل کی فائل آج تک بند نہیں ہوئی ہے اور اس میں آج بھی آپ کی تصویر موجود ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ تصویر پرانی ہے لیکن پولیس کی نگاہ بہت تیز ہوتی ہے۔"

میرے بدن کو شدید جھٹکا لگا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا اور مسکرا کر بولا۔

"اس کے علاوہ بھی بہت سے قتل کئے ہیں میں نے۔"

"ہاں نوئل مجھے بتاچکی ہے آپ لندن پولیس کو بھی درکار ہیں۔ اب آپ کو یہ دنیا ہم نوجوانوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیے۔"

"کیوں نوئل تم بھی اس سے متفق ہو؟" میں نے نوئل سے پوچھا۔

"میں صرف نوری کا ساتھ چاہتی ہوں انکل۔"

"گویا تم دونوں کے بارے میں میرا فیصلہ درست تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے ہمارے بارے میں۔"

"یہ۔" میں نے پستول نکالا ان کا نشانہ لیا اور ایک ایک گولی ان کے سینے میں اتار دی۔ میرے نزدیک دو قتل کرنا کیا معنی رکھتا تھا لیکن ابھی وہ تڑپ ہی رہے تھے کہ پولیس کے بے شمار افراد اندر گھس آئے اور میں ان میں سے صرف تین کو ہلاک کرسکا چوتھا نشانہ چوک گیا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ نوری عبار پولیس کو میرے بارے میں اطلاع فراہم کرکے یہاں آیا تھا۔

مجھے چوتھی بار سزائے موت سنائی جاچکی ہے جس کوٹھری میں' میں قید ہوں اس سے نکلنا میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے لیکن جی چاہتا ہے اس بار موت کا مزا چکھ ہی لوں۔ دنیا کو بہت اچھی طرح دیکھ چکا ہوں اور اب اس میں کوئی مزا نہیں رہا ہے۔

☆======☆======☆

شیبا کی حقیقت

ایک عظیم سائنسدان کی انوکھی سوچ کا حال۔
اس نے ایک نرم و نازک حسین دوشیزہ کی
تخلیق کا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ ...مگر
کیا واقعی اس کی تخلیق مکمل تھی؟

نوشیرواں کی درمیانہ درجے کی زندگی دیکھ کر اس کا کوئی دوست یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا چچا کروڑ پتی ہو سکتا ہے۔ وہ چچا جس نے اسے تین سال کی عمر سے لے کر بیس سال کی عمر تک پرورش کیا ہے اور جس کا نوشیرواں کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ خود نوشیرواں کا بھی اس چچا کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں تھا' یہ دوسری بات ہے کہ اس نے سات سال سے چچا کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض تھے نوشیرواں کا خیال تھا کہ اس کا چچا خود غرض ہے وہ اسے صرف اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے' اس نے نوشیرواں کی پرورش بھی اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے کی تھی' ورنہ اس جیسا خود غرض انسان دنیا میں کسی کے لئے کچھ نہیں کرسکتا اور نوشیرواں کے چچا کا خیال ہے کہ نوشیرواں نالائق ہے وہ احسان فراموش بھی ہے اور اس نے چچا کی تمام عنایات' اس کی تمام محبت ایک لمحے میں بھلا دی ہیں۔ بہرحال دونوں اپنے اپنے مئوقف پر سختی سے جمے ہوئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ سات سال میں ان کی ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔
ان کی کشیدگی کی وجہ بھی یہی جدائی تھی ورنہ گھر سے نکلنے کے بعد اگر ایک بار بھی دونوں چچا بھتیجا مل لیتے تو تمام رنجش دور ہوجاتی اور دونوں گلے مل جاتے لیکن اس سلسلے میں پہل کوئی نہیں کرسکتا تھا۔

نوشیرواں کی عمر صرف تین سال تھی جب اچانک ایک رات اس بستی میں شدید طوفان آیا' جہاں نوشیرواں اور اس کے والدین رہتے تھے نوشیرواں کے والد ایک چھوٹے موٹے تاجر تھے اور درمیانے درجے کی زندگی بسر ہورہی تھی۔ وہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے جس کے سامنے کے حصے میں برگد کے چند پرانے درخت تھے۔ اس وقت نوشیرواں مکان کے ایک کمرے میں سویا ہوا تھا جب برگد کا سب سے پرانا اور سب سے زیادہ حجم والا درخت اس کمرے پر گرا جس میں نوشیرواں کے والد اور والدہ سو رہے تھے۔

درخت پورے کمرے کو لے کر بیٹھ گیا اور جب طوفان تھما اور لوگ اس مکان پر پہنچے تو نوشیرواں کے والد اور والدہ کی پسی ہوئی لاشیں ہی مل سکیں البتہ نوشیرواں محفوظ تھا۔ پڑوس کے لوگوں نے اس شریف جوڑے کے کفن دفن کا انتظام کیا' اور ایک گھرانے نے نوشیرواں کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرلی' لیکن ابھی نوشیرواں کو اس نئے گھر میں منتقل ہوئے دو ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن اس کا چچا وہاں پہنچ گیا درمیانی عمر کے اس آدمی کی شان ہی نرالی تھی۔ وہ اپنے بھائی اور بھاوج کی موت پر پھوٹ پھوٹ کر رویا اور اس نے بھائی کی اس نشانی کو سینے سے چمٹالیا۔
جب اس لاوارث بچے کا وارث موجود تھا تو کسی اور کو اسے رکھنے کا کیا حق پہنچتا تھا' چنانچہ پرورش کی ذمہ داری لینے والے خاندان نے اسے بخوشی چچا کے حوالے کیا اور نوشیرواں کا چچا سہراب اسے لے کر اپنی چمچماتی کار میں بٹھا کر شہر آگیا۔ وہ کسی غیر ملک میں اقامت گزیں تھا اور اس غیر ملک میں اس نے بے پناہ دولت اکٹھی کرلی تھی۔ وہ بچپن میں ہی دنیا کی سیر کو نکل گیا تھا اور پوری زندگی انوکھے تجربات میں گزاری تھی۔ جب تک وطن سے دور تھا وطن کا خیال نہ آیا لیکن اب جب وطن واپس آیا تو وطن کی محبت نے جوش مارا اور اس نے یہیں اقامت گزیں ہونے کا فیصلہ کرلیا' اب اس کے کندھوں پر نوشیرواں کی ذمہ داری تھی چنانچہ اس نے ایک خوبصورت مکان خریدا' اپنی تمام دولت یہاں منتقل کرلی اور نوشیرواں کے ساتھ زندگی گزارنے لگا لیکن وہ کچھ عجیب فطرت کا مالک تھا۔ انسانوں سے بیزار' تنہائی پسند' اور جب نوشیرواں نے قدرے ہوش سنبھالا تو اسے پتا چلا کہ اس کا چچا سائنس دان ہے سائنسی تجربات کی وجہ سے وہ انسانوں کی بستی سے دور رہنا چاہتا ہے اور انسانوں کی بستی سے دور رہنے کے وہ انتظامات کررہا ہے۔
چنانچہ جب بستی سے تقریباً اسی میل دور ایک ویران علاقے میں اس کی عظیم الشان کوٹھی تعمیر ہوگئی تو وہ اپنا سامان اور نوشیرواں کو لے کر اس کوٹھی میں منتقل ہوگیا۔ نوشیرواں کی عمر اس وقت سات سال تھی انسانوں سے دور اس ویرانے میں اس کا دل بہت گھبراتا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ تنہائی کا عادی ہوگیا۔ سہراب نے اس کے لئے بہترین کھلونے مہیا کئے تھے۔ دنیا کے حسین ترین کھلونے' اس کے علاوہ نوشیرواں نے کچھ جانور بھی پالے تھے اور یہ جانور اور کھلونے ہی اب اس کے رفیق تھے۔
سہراب کی آدم بیزاری کا یہ حال تھا کہ اس نے گھر کے کام کاج کے لئے بھی کسی

ملازم کو رکھنا پسند نہیں کیا تھا' وہ خود ہی نوشیرواں کے لئے کھانا تیار کرتا تھا' اس کے علاوہ وہ خود ہی نوشیرواں کا اتالیق تھا' ابتدائی تعلیم اس نے ہی نوشیرواں کو دی' اور اس تعلیم میں سائنسی تعلیم بھی شامل تھی۔ نوشیرواں کی عمر اس وقت دس سال تھی جب پہلی بار سہراب نے اسے کوٹھی میں اپنی لیبارٹری دکھائی اور پوچھا کہ کیا وہ اس لیبارٹری میں اس کے ساتھ کام کرنا پسند کرے گا۔

لیکن لیبارٹری میں پھیلی ہوئی عجیب وغریب بو' وہاں موجود سائنسی آلات دیکھ کر نوشیرواں کی طبیعت الٹنے لگی اور اس نے چچا کے ساتھ کام کرنے سے صاف انکار کردیا۔ سہراب نے غور سے نوشیرواں کو دیکھا' اور فیصلہ کیا کہ دس سالہ بچہ ابھی سے ان مشینوں میں سر نہیں کھپا سکتا۔ تب اس نے نوشیرواں سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

"میں شہر میں رہ کر پڑھنا چاہتا ہوں۔" نوشیرواں نے جواب دیا اور دوسرے ہی دن اس کا چچا اپنی شاندار جیپ میں اسے لے کر شہر چل پڑا شہر کے سب سے عمدہ ہوسٹل میں اس کے رہنے کا بندوبست کردیا اور نوشیرواں اپنی پسند کی زندگی گزارنے لگا۔ کئی سال کی تنہائی کے بعد آزاد زندگی گزارنے کو ملی تھی اس زندگی نے نوشیرواں کو بڑی فرحت بخشی' لیکن اس کے ساتھ وہ دل لگا کر پڑھتا بھی رہا' تاکہ چچا کو اس کی شکایت نہ ہو' یوں بھی چچا نے اب تک اسے جو تعلیم دی تھی اس کا معیار بہت بلند تھا' اور نوشیرواں کی عمر کم تھی' ورنہ اسے کالج میں داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

تاہم چچا نے جلد بازی سے کام نہیں لیا اور نوشیرواں کو اس کی مرضی کے مطابق پڑھنے دیا خود وہ اپنی اسی ویران کوٹھی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ مہینے میں ایک بار وہ اسے لینے آجاتا اور دو دن نوشیرواں اس کے ساتھ رہتا ان دو دنوں میں سہراب اسے اپنی لیبارٹری میں ہی رکھتا۔ اسے اپنے تجربات کے بارے میں بتاتا رہتا حالانکہ نوشیرواں کو اس لیبارٹری اور ان تجربات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن ایک خوبصورت زندگی گزارنے کے لئے دو دن کی تکلیف بری نہیں تھی' وہ چچا کے کہنے کے مطابق لیبارٹری اور تجربات سے دلچسپی لینے کی کوشش کرتا اور چچا خوش ہوجاتا۔ اسی طرح زندگی گزرتی رہی نوشیرواں نے سائنس میں اعلیٰ ڈگری حاصل کرلی اس وقت اس کی عمر بیس سال تھی اور وہ پورے ملک کا سب سے کم سن طالب علم تھا جس نے یہ اعزاز حاصل کیا تھا۔

حکومت نے پیش کش کی کہ اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے غیر ممالک بھیج دیا جائے لیکن

سہراب نے یہ تجویز رد کردی اس نے کہا کہ اب وہ نوشیرواں کو سنجیدگی سے اپنے ساتھ کام سے لگانا چاہتا ہے۔ نوشیرواں کو اس سے اختلاف تھا وہ کسی قیمت پر واپس اس جہنم میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے غیر ملک جائے لیکن اس بار چچا اس کی ضد پوری کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ چنانچہ شہر سے دور اسی ویران عمارت میں دونوں چچا بھتیجے میں آپس میں گرما گرم گفتگو ہوئی دونوں میں سے کوئی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ نوشیرواں نے صاف کہہ دیا کہ اسے سہراب کے اس گورکھ دھندے سے نفرت ہے اور وہ کسی قیمت پر اس کے ساتھ یہاں رہ کر کام نہیں کرے گا۔

"میں نے تمہیں سائنس کی اعلیٰ تعلیم ہی اسی لئے دلوائی ہے نوشیرواں کہ تم میرے مددگار بن جاؤ۔ زندگی کے یہ سترہ سال میں نے تمہارے جوان ہونے کے انتظار میں گزارے ہیں۔ مجھے ان سترہ سال کی محنت کا معاوضہ ادا کرو۔" سہراب نے کہا۔

"کاش میں آپ کو اس محنت کا معاوضہ دے سکتا' چچا جان کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کس لئے مجھے پرورش کررہے ہیں کاش میں اس وقت بھی سمجھ دار اور خودمختار ہوتا تو کسی یتیم خانے میں پرورش پانا بہتر سمجھتا آپ کے اس منحوس ماحول سے مجھے نفرت ہے میں اس مقبرے میں نہیں رہ سکتا مجھے زندگی چاہئے' جیتی جاگتی زندگی' کان کھول کر سن لیں میں یہاں زندہ نہیں رہ سکتا اس مقبرے میں میں ایک ہفتہ بھی نہیں گزار سکتا اور میں بہرحال زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"تب تم میرے لئے بے کار ہو' جاؤ یہاں سے نکل جاؤ' مجھے ان سترہ سال کا ماتم کرنے دو' جو میں نے تمہارے اوپر ضائع کئے ہیں۔ فوراً نکل جاؤ اور آج کے بعد مجھ سے کسی قسم کا رابطہ نہ رکھو۔"

اور نوشیرواں وہاں سے نکل آیا شہر کی بارونق فضا میں آکر اس نے زندگی کی پُراطمینان سانسیں لیں' بلاشبہ بوڑھے سہراب کے پاس بے انتہا دولت تھی' وہ اس کی دولت سے رئیسانہ زندگی گزار سکتا تھا لیکن اسے دولت نہیں چاہئے تھی۔ اس عمارت میں رہ کر وہ پاگل ہوجاتا اسے یہ زندگی عزیز تھی اور اب خود مختار زندگی اسے اور دلکش لگ رہی تھی۔ اس کی تعلیم کافی تھی اس کے پاس بے شمار ذرائع تھے کئی سرکاری سائنسی شعبوں میں اسے ملازمت کی پیش کش کی گئی لیکن اس نے ان تمام ملازمتوں کو ٹھکرا دیا اسے اس شعبے سے نفرت تھی۔ اگر اسے سائنس پر ہی کام کرنا ہوتا تو ملازمت کی کیا

ضرورت تھی۔

پھر اس کے ایک دوست نے ایک بنک میں ملازمت دلا دی، اور وہ پورے سکون اور دل جمعی کے ساتھ ملازمت کرنے لگا۔ اس نے ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا اس کی مناسب تنخواہ میں درمیانے درجے کی زندگی گزر جاتی تھی اور اب تو پورے سات سال گزر چکے تھے پورے سات سال۔ ان سات سالوں میں وہ سب کچھ بھول گیا تھا چچا کی محبت بھی اسے یاد نہ رہی تھی، وہ کوٹھی بھی اسے یاد نہ رہی تھی وہ عیش و عشرت بھی یاد نہیں رہے تھے جن میں اس نے زندگی بسر کی تھی۔ وہ تو اب ایک درمیانے درجے کا انسان تھا چند دوست تھے جن میں کچھ اس کے دفتر کے ساتھی تھے کچھ باہر کے تھے دن بھر دفتر کی فائلوں میں سر کھپاتا، شام دوستوں کے ساتھ مختلف تفریحات میں گزارتا اور رات کو پاؤں پھیلا کر آرام سے سوجاتا یہی زندگی تھی اور اب وہ اس زندگی کا پوری طرح عادی ہوگیا تھا۔

لوگ بھول گئے تھے کہ وہ کیا ہے، وہ خود بھی بھول گیا تھا کہ وہ کیا تھا اس کے دوست اسے ایک درمیانے درجے کے انسان کی حیثیت سے جانتے تھے۔ نوشیرواں نے کبھی اس زندگی میں تبدیلی کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی لیکن ایک دن اسے ایک لفافہ ملا جس کی تحریر اس کے لئے اجنبی تھی اس کی زندگی میں پہلی بار کسی پوسٹ مین نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اسے خط لکھنے والا کون تھا۔

کیا یہ خط غلطی سے اس کے پاس آگیا ہے اس نے دوسری بار لفافے پر درج پتا پڑھا اسی کا نام تھا اسی کے فلیٹ کا پتا لکھا تھا لیکن خط لکھنے والا کون تھا؟ اس کے تمام دوست اسی شہر میں تھے شہر سے باہر اس کا کوئی دوست نہیں تھا، پھر یہ خط؟ اس نے بے چینی سے لفافے کو الٹا پلٹا اور پھر اسے چاک کرکے اس کے اندر رکھا ہوا پرچہ نکال لیا۔ بے صبری سے اس نے پرچے کی تہہ کھولی اور القاب تلاش کرنے لگا۔

لیکن کوئی القاب نہ تھے، کوئی ابتدا نہ تھی، پرچہ ان الفاظ سے شروع ہوا تھا۔

"تمہیں شاید تعجب ہوگا کہ مجھے تمہارا پتا کس طرح معلوم ہوگیا، لیکن تلاش کرنے سے کیا نہیں مل جاتا، چنانچہ تمہارا پتہ مل جانا ایسا مشکل کام نہیں تھا، تم سوچو گے کہ شاید میں نے تم سے شکست مان لی ہے اور میری محبت دوبارہ عود کر آئی ہے لیکن یہ قطعی غلط ہے میں آج بھی تمہیں نافرمان، نالائق اور بے ہودہ انسان تصور کرتا ہوں کچھ ایسی ہی

ضرورت تھی کہ میں تمہیں تحریری طور پر مخاطب کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ میں نے تمہارے بارے میں کوئی بات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی میں نہیں جانتا کہ تم نے زندگی کے یہ سات سال کس طرح گزارے ہیں، کیوں معلوم کرتا، مجھے تم جیسے نالائق انسان سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے بس ایک ضرورت تھی جس کی وجہ سے میں تمہیں مخاطب کرنے پر مجبور ہوگیا اور اب اس ضرورت کی تفصیل پڑھو۔

تمہیں علم ہے کہ میں ایک سائنس دان ہوں، میری سائنسی معلومات جس حد تک ہیں اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہے۔ میں نے کبھی نام و نمود کی خواہش نہیں محسوس کی میں تو خاموشی سے اپنا کام کرتے رہنا چاہتا ہوں اور میں نے وہی کیا، کسی کو نہیں معلوم کہ میں کیا کر رہا ہوں، نہ میں کسی کو بتانا چاہتا ہوں میں تمہیں بھی نہیں بتاؤں گا بالکل نہیں بتاؤں گا ضرورت بھی کیا ہے لیکن جو ضروری بات ہے وہ یہ ہے کہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میری زندگی مختصر ترین ہے، ممکن ہے جس وقت تمہیں یہ خط ملے میں اس دنیا میں نہ ہوں، مجھے موت کی ذرہ برابر پروا نہیں ہے جب تک زندگی تھی جیا، جب موت آرہی ہے تو اس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے زندہ رہ کر بھی انسان کون سی خوشیاں حاصل کرلیتا ہے جو اسے موت کی فکر ہو۔ اس دور میں موت و زندگی ایک ہی چیز ہے، بالکل ایک چیز مجھے بتاؤ زندگی سے کون کون سے فائدے ہیں اور موت سے کیا نقصان ہے، کچھ نہیں سب فضول باتیں ہیں نہ ہم اپنی مرضی سے پیدا ہوتے ہیں نہ ہم اپنی مرضی سے مرتے ہیں اپنی بے بسی کا اندازہ اسی سے لگالو۔ پھر ہم ایسی خواہشات کیوں کریں، جو ہمارے بس میں نہ ہوں۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ممکن ہے جس وقت یہ خط تمہیں ملے میں مرچکا ہوں یا ممکن ہے مررہا ہوں، بہرحال تمہیں اس سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے میرے پاس کافی سرمایہ ہے۔ بقول تمہارے یہ منحوس کوٹھی تو تمہارے لئے بے کار ہے اس لئے میں اس بے کار چیز کو ضائع کردوں گا۔ البتہ بنکوں وغیرہ میں میری کافی دولت ہے اگر وہ تمہارے کام نہ آئی، تو دوسروں کے کام آئے گی۔ میں نے اسے کافی محنت سے اکٹھا کیا ہے میں نہیں چاہتا کہ غلط لوگ اس سے عیش کریں یا پھر وہ بنکوں میں پڑی سڑ جائے اس لئے تم اسے حاصل کرلو، تمہارے کام آئے گی تم میری طرح محروم انسان نہیں ہو تمہیں زندگی کے بہت سے مراحل سے گزرنا ہے، یہ دولت تمہیں سہارا دے گی۔ میں نے وصیت نامہ

اور دیگر کاغذات تیار کردیئے ہیں اگر تم انہیں حاصل کرنا چاہو' تو ایک مخصوص جگہ سے حاصل کرلینا۔ یہ جگہ کوٹھی سے نصف میل دور ایک پکی قبر ہے' نہ جانے یہ قبر کس کی ہے مجھے نہیں معلوم' لیکن بہرحال کاغذات وغیرہ ایک بکس میں بند کرکے میں نے قبر کے سرہانے دبا دیئے ہیں اور ان پر ایک اینٹ سے نشان بنا دیا ہے ان کاغذات میں' میں نے اپنی دولت تمہارے نام منتقل کردی ہے باقی کام تمہارا ہے' بس یہی کہنا ہے۔

خدا حافظ۔

سہراب"

نوشیرواں کی آنکھوں میں پانی آگیا خبطی سہراب کی وہ شکل اسے یاد آگئی جس پر محبت برستی تھی۔ بچپن میں جب تنہا سوتے سوتے وہ کسی خواب سے ڈر جاتا تھا تو سہراب اسے سینے سے لگا لیتا تھا اور پھر وہ پوری رات اسے سینے سے لگائے گزار دیتا اس نے ہمیشہ اس کی ضدیں پوری کی تھیں۔ ہمیشہ اس سے محبت کی تھی صرف تھوڑا سا اختلاف تھا وہ یہ کہ نوشیرواں اس کوٹھی میں نہیں رہنا چاہتا تھا اور جب سہراب نے اس سے ضد کی اور اسے برا بھلا کہا تو وہ بھی بگڑ گیا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ سہراب اگر چاہتا تو مختلف ذرائع سے اسے مجبور کرکے اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا لیکن اس نے کوئی ایسی بات نہ کی اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

آج نوشیرواں کو سب کچھ یاد آگیا تھا اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا اور وہ پشیمانی سے ہاتھ مل رہا تھا' دولت کی طلب نہ اسے پہلے تھی نہ اب دولت کی اس کی نگاہوں میں کوئی وقعت تھی۔ اس مطمئن کن زندگی میں اس نے مزید کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی' لیکن بھری دنیا میں صرف ایک چچا تھا اور چچا بھی وہ جس نے اسے پرورش کیا تھا۔ اپنے خون کو ٹھکرا کر میں نے اچھا تو نہیں کیا اس نے سوچا اور تڑپ اٹھا۔ سہراب کی محبت نے جوش مارا اور وہ اس کے پاس جانے کے لئے بے چین ہوگیا۔ اسے خط کے الفاظ پریشان کرنے لگے۔ ممکن ہے جس وقت تمہیں یہ خط ملے' میں مر رہا ہوں' یا مرچکا ہوں۔ "اگر وہ مرگیا تو............ میں کبھی خود کو معاف نہ کرسکوں گا۔" نوشیرواں نے سوچا اور پھر وہ حواس درست کرکے چچا کے پاس جانے کا پروگرام بنانے لگا۔

بنک سے چھٹی مل جانا مشکل نہیں تھا' سات سالہ ملازمت میں اس نے ایک بار بھی چھٹی نہیں لی تھی کوئی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی۔ اس بستی تک بھی آسانی سے

پہنچا جاسکتا تھا۔ یہاں سے اسی میل کے سفر کا معاملہ تھا اس سے قبل جب وہ شہر سے چچا کی کوٹھی میں جاتا تھا تو چچا بذات خود اسے لینے کے لئے بستی آجاتا تھا اور پھر وہ جیپ میں اطمینان سے کوٹھی چلا جاتا تھا لیکن یہ اسی میل کا سفر اب اس کے لئے جس قدر دشوار گزار تھا وہی جانتا تھا۔

بہرحال کچھ بھی ہو' خواہ یہ سفر پیدل طے کرنا پڑے' جانا تو ہے ہی' سہراب کے لئے وہ ہر تکلیف اٹھانے کو تیار تھا۔ دوسرے دن اس نے بنک سے پندرہ دن کی چھٹی لی جو اسے فوراً مل گئی' بنک منیجر نے اس سے پوچھا تھا کہ اسے چھٹی کی ضرورت کیوں پیش آگئی تب اس نے اپنے چچا کے بارے میں بتایا اور پھر اس مشکل کا ذکر بھی کیا جو اسے درپیش تھی۔

"آپ کی یہ مشکل میں حل کئے دیتا ہوں' اس بستی میں ہماری برانچ موجود ہے میں برانچ منیجر مسٹر مفتی کو فون کردوں گا' آپ ان سے مل لیں وہ آپ کو جیپ مہیا کردیں گے مجھے یقین ہے آپ کو ان کی وجہ سے کوئی دقت نہ ہوگی۔"

"اگر یہ انتظام ہوجائے تو میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا جناب۔"

"کوئی بات نہیں ہے مسٹر نوشیرواں' ہم سب دوست ہیں اور پھر آپ کے بے داغ کردار کا تو ہر شخص دل سے قائل ہے ہمیں آپ کی خدمت کرکے مسرت ہوگی۔" بنک منیجر نے کہا اور یہ حقیقت بھی تھی۔

نوشیرواں بڑا قناعت پسند انسان تھا بنک میں اس کی اعلیٰ کارکردگی کی رپورٹ بہت شاندار تھی اس نے خود ہی اپنی ترقی کے لئے کوشش نہیں کی تھی' ورنہ اسے ترقی مل جاتی تاہم بنک کا پورا عملہ اس کی عزت کرتا تھا۔ بنک منیجر نے برانچ منیجر کے نام ایک خط بھی دے دیا اور نوشیرواں اپنے دوستوں سے ملنے چل دیا اس کے دوستوں نے بھی اسے ہر ممکن تعاون پیش کیا اور اس نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

اسی دن شام کو وہ بستی کے لئے چل دیا۔ ٹرین کے سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ کی ایک سیٹ پر بیٹھا وہ سہراب کے بارے میں سوچتا رہا اسے اپنے چچا کی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا معلوم بھی کیسے ہوتا جب اس کے والدین حیات تھے تو وہ بہت چھوٹا تھا ہر قسم کے رشتے ناطوں سے بے نیاز۔ ممکن ہے گھر میں چچا کا ذکر ہوتا ہو' اسے کچھ معلوم نہیں تھا اس نے تو ہوش ہی چچا کی گود میں سنبھالا تھا۔ بس اتنا ضرور معلوم تھا کہ وہ

اس کا باپ نہیں ہے اگر سہراب اس ویرانے میں کوٹھی نہ بناتا تو شاید نوشیرواں کے اس سے تعلقات کبھی نہ خراب ہوتے۔

لیکن وہ اس ویران کوٹھی میں کیا کررہا تھا آج تک سہراب نے اس بارے میں نہیں بتایا تھا آخر اس نے کون کون سی سائنسی ایجادات کی تھیں ابھی تک اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ صرف خبطی ہو' صرف خبط' لیکن یہ کیسا خبط تھا اور اس کے پس پردہ کون سی چیز تھی' اسے سہراب کی شخصیت بے حد پُراسرار معلوم ہوئی اور وہ دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔

کیسی انوکھی بات تھی' اس نے چچا کے زیر سایہ پرورش پائی زندگی کے بیس سال اس کے ساتھ گزارے' لیکن وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ چچا اسے سائنس داں کیوں بنانا چاہتا تھا' آخر وہ ایسی کون سی ایجاد کرنا چاہتا تھا کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی پھر وہ اس کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگا' خدا کرے سہراب زندہ ہو' اگر وہ زندہ ہوا تو اس بار میں اس کی شکایتیں دور کرنے کی کوشش کروں گا میں اسے بتاؤں گا کہ یہ ویرانے میرے قاتل ہوں گے اگر وہ میری موت چاہتا ہے تو میں اس کے ساتھ مرنے کو تیار ہوں۔

رات ہوگئی تھی ٹرین کا سفر طویل تھا اسے پوری رات سفر کرنا تھا ٹرین علی الصبح اس بستی پہنچے گی جہاں سے اسے جیپ حاصل کرکے کوٹھی روانہ ہونا ہوگا۔ خیالات نے اس کا دماغ تھکا دیا تھا چنانچہ وہ خود کو تازہ دم رکھنے کی کوشش کرنے لگا' اس نے سوچا کہ وہ سوجائے اس طرح ان پریشان کن خیالات سے نجات مل جائے گی جو اس کے دماغ پر حملہ آور تھے۔

کمپارٹمنٹ میں زیادہ رش نہیں تھا اس کے اوپر کی برتھ خالی تھی چنانچہ وہ سونے کے لئے اوپر چلا گیا ٹرین کی پُرشور موسیقی اور ہچکولے' نیند لانے میں معاون ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد اسے ان پریشان کن خیالات سے نجات مل گئی' رات گزرتی رہی اس دوران کئی بار اس کی آنکھ کھلی' لیکن ذہن نیند کے زیر اثر تھا۔ اس لئے پھر سوگیا۔

صبح ہونے میں کچھ دیر تھی کہ وہ جاگ گیا باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھویا' بال سنوارے اور کھڑکی کے نزدیک آبیٹھا۔ جھٹ پٹے سویرے میں دھندلے مناظر اجاگر ہورہے تھے۔ یہ مناظر اس کے جانے پہچانے تھے پورے سات سال کے بعد وہ دوبارہ

مناظر دیکھ رہا تھا' اس کے ذہن میں بہت سی یادیں تازہ ہورہی تھیں اور ان یادوں کے ساتھ ایک ہول سا ذہن پر سوار ہوجاتا تھا۔ ایک بھیانک سا خیال دماغ پر حاوی ہوجاتا۔

اگر سہراب اس دنیا میں نہ ہوا تو؟ نہ جانے کیوں اس تصور کے ساتھ اس کا دل دھڑکنے لگتا۔ حالانکہ پورے سات سال گزر گئے تھے' پورے سات سال اور اگر اب بھی سہراب کا خط نہ ملتا تو وہ اس کے بارے میں نہ سوچتا لیکن اب جوں جوں وہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اس کے دل میں سہراب کی محبت جاگ رہی تھی۔ بلاشبہ اس نے بوڑھے چچا کے ساتھ زیادتی کی تھی' سہراب نے اس کے ساتھ احسان کیا تھا اگر وہ اس کی پرورش نہ کرتا' تو نہ جانے وہ کہاں کہاں بھٹک رہا ہوتا ممکن ہے کسی یتیم خانے میں ہوتا' ممکن ہے کسی کھیت میں ہل چلارہا ہوتا۔ اس کی یہ حیثیت بھی سہراب کی مرہون منت تھی۔ ٹھیک ہے اس نے سہراب کا حکم نہیں مانا تھا لیکن پورے سات سال تک اس کی خبر نہ لینا واقعی نامعقولیت تھی اور وہ اس نامعقولیت پر پشیمان ہونے لگا۔

روشنی پھوٹنے لگی تھی اور اب بستی آیا ہی چاہتی تھی۔ ٹرین کی آواز میں اب پن چکی کی آواز بھی شامل ہوگئی تھی اس پن چکی کی آواز سے وہ بچپن سے مانوس تھا' پورے ستائیس سال سے یہ پن چکی چل رہی تھی پھر دور سے پن چکی نظر آنے لگی اور ٹرین کی رفتار سُست ہوگئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹرین بستی کے چھوٹے سے اسٹیشن پر رک گئی.......... اور وہ اپنا اٹیچی کیس لے کر نیچے اتر آیا۔ ایک ایک چیز جانی پہچانی' کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا سب کچھ وہی تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ سب کچھ بھول گیا اسے یاد نہ رہا کہ سہراب سے اس کی رنجش ہے اسے کچھ بھی یاد نہ رہا۔ اس کے قدم اسٹیشن کے چھوٹے سے گیٹ کی طرف بڑھ گئے اور وہ گیٹ سے نکل آیا تب اس نے دور پیپل کے درخت کے نیچے سہراب کی جیپ تلاش کی' سہراب اسی درخت کے نیچے جیپ روک کر اس کا انتظار کرتا تھا۔

لیکن آج اس درخت کے نیچے کوئی جیپ نہیں تھی البتہ اس سے کچھ فاصلے پر دو تانگے کھڑے ہوئے تھے اس کا دل دھک سے ہوگیا۔ وہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا اور نہ جانے کیوں وہ رنجیدہ ہوگیا۔ وہ اس انوکھی بات پر رنجیدہ تھا۔ کاش میں سہراب کی بات مان لیتا' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر سوچا اور مرے مرے قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

ماموں کا ہوٹل حسب معمول کھلا ہوا تھا۔ آج سے قبل وہ کبھی اس ہوٹل میں نہیں

گیا تھا ہاں جب بھی یہاں آتا تھا ماموں کے ہوٹل کے دلچسپ بورڈ کو ضرور پڑھتا تھا لیکن آج اسے ہوٹل میں کچھ وقت گزارنا تھا ابھی صرف سات بجے تھے بنک نو بجے کھلتا ہوگا' دو گھنٹے گزارنے تھے' پورے دو گھنٹے.......... وہ ہوٹل میں داخل ہوگیا ماموں کاؤنٹر پر موجود تھا اور یہاں آنے کے بعد اسے پہلی تبدیلی نظر آئی' ماموں کا سر پہلے کی طرح گھٹا ہوا اور چمکدار تھا لیکن اس کی اکڑی ہوئی مونچھوں کے چند بال سفید ہوگئے تھے اور اب مونچھوں کی اکڑ میں بھی فرق آگیا تھا۔

ہوٹل کے اندر بنچ پر بیٹھ کر وہ خلا میں گھورنے لگا۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے بیرا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"چائے لے آؤ۔" اس نے کہا اور کنارے جھڑی پیالی میں بدشکل چائے آگئی' اس نے چائے کی طرف نہیں دیکھا اور پیالی اٹھا کر اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا اسے چائے کے ذائقے کا بھی احساس نہیں ہوا اس نے چائے ختم کرلی۔

یہ دو گھنٹے جتنے طویل تھے اس کا دل ہی جانتا تھا۔ بمشکل نو بجے اور اس دوران نو پیالی چائے پی لی' چائے کا بل ادا کرکے وہ باہر نکل آیا۔ اب خاصی رونق ہوگئی تھی اس دوران کئی ٹرینیں آئی اور گئی تھیں مسافر سروں پر بکس رکھے باہر نکلتے اور اندر جاتے نظر آرہے تھے۔ تانگوں کی تعداد بھی اب بڑھ گئی تھی۔

وہ ایک تانگے کی طرف بڑھ گیا اور تانگے والے نے جلدی سے نیچے اتر کر اس کی اٹیچی لے لی اٹیچی رکھ کر اس نے تانگہ آگے بڑھادیا۔

"کہاں چلوں بابو جی؟"

"حسن روڈ.........." اس نے جواب دیا اور تانگہ چل پڑا وہ بستی کی ایک ایک چیز کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا آگے بڑھتا رہا چھوٹی سی بستی تھی چند منٹ کے بعد وہ حسن روڈ پہنچ گیا بنک کا بورڈ سامنے ہی نظر آرہا تھا بنک کھل چکا تھا' اس نے تانگے والے کو پیسے دیئے' اور اٹیچی لے کر نیچے اتر آیا بنک کے چوکیدار اور پھر منیجر کے کیبن کے نزدیک پہنچ گیا۔

بنک کے منیجر مفتی نے اس کا مسکراتے ہوئے استقبال کیا وہ درمیانی عمر کا ایک شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"فرمایئے جناب۔"

"میرا نام نوشیرواں ہے۔" نوشیرواں نے کہا اور مفتی اچھل پڑا۔

"اوہ' آیئے مسٹر نوشیرواں' نفیس صاحب نے آپ کے بارے میں فون کیا تھا آیئے تشریف رکھئے' بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔" اس نے گرمجوشی سے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" نوشیرواں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور منیجر نے گھنٹی بجا کر چپڑاسی کو بلایا۔

"اگر آپ غسل کرنا پسند کریں تو؟"

"نہیں شکریہ۔"

"تب پھر ناشتا کرلیا جائے ارے بھئی رحمت ہوٹل سے ناشتا لے آؤ۔"

"اس کی زحمت نہ کریں' میں نے اسٹیشن پر اتر کر.........."

"کمال ہے' اس میں زحمت کی کیا بات ہے' جاؤ رحمت۔" مفتی صاحب نے کہا اور چپڑاسی چلا گیا۔ "اس عمارت کے پچھلے حصے میں باقاعدہ انتظام ہے' آپ ناشتہ وغیرہ کرکے تھوڑی دیر سوجائیں' تھکن اتر جائے گی اس کے بعد آپ کو بستی کی سیر کرائیں گے۔"

"نہیں مفتی صاحب میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے دراصل مجھے اپنے چچا سے ملنے جانا ہے' وہ شاید سخت بیمار ہیں' ناشتے کے بعد آپ مجھے جیپ فراہم کردیں میں جلد از جلد چلا جانا چاہتا ہوں۔"

"اوہ' چچا کی بیماری کا سن کر افسوس ہوا' بات ایسی ہے کہ میں آپ کو روک بھی نہیں سکتا' میری تو خواہش تھی کہ آپ مجھے بھی ایک آدھ دن کے لئے شرف میزبانی بخشتے' بہرحال ناشتہ کریں جیپ حاضر ہے۔"

"آپ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوں مفتی صاحب' مجبوری بتا چکا ہوں پھر کبھی زحمت دوں گا۔" اس نے کہا اور مفتی نے گردن ہلادی پھر وہ نفیس کے بارے میں پوچھتا رہا جو شہر کا بنک منیجر تھا اور کافی دیر تک مختلف باتیں ہوتی رہیں ناشتا آگیا اور پھر ناشتے کے بعد مفتی نے اسے جیپ کی چابی دے دی۔ درحقیقت وہ بے حد خلیق اور ملنسار انسان تھا جیپ کی ٹنکی پیٹرول سے بھری ہوئی تھی کچھ فالتو ٹین بھی رکھے ہوئے تھے نوشیرواں نے اس کا آخری بار شکریہ ادا کیا اور جیپ لے کر چل پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد جیپ بستی سے نکل آئی اور کچے راستے پر دوڑنے لگی۔ یہ راستے اس کے جانے پہچانے تھے۔

ذہن میں بے شمار خیالات لئے وہ جیپ ڈرائیو کرتا رہا اور فاصلے طے ہوتے رہے' کچے راستے پر جیپ زیادہ تیز نہیں دوڑائی جاسکتی تھی لیکن اس کے باوجود کافی تیز رفتاری سے جارہا تھا' نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اگر اسے پہنچنے میں دیر ہو گئی تو پھر سہراب اسے نہ مل سکے گا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے کوٹ کی اندرونی جیب سے خط نکال لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا' خط کے چند حصے اسے ہراساں کررہے تھے۔ "ممکن ہے جس وقت تمہیں یہ خط ملے' میں مرچکا ہوں یا مررہا ہوں' بقول تمہارے یہ منحوس کوٹھی تو تمہارے لئے بے کار ہے' اس لئے میں اس بے کار چیز کو ضائع کردوں گا۔"

یہ الفاظ کیا معنی رکھتے تھے؟ سہراب کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ خط ملے ہوئے تو دو دن گزر چکے تھے۔ کیا سہراب مرچکا ہے........... کیا........... کیا؟ اور اس سے آگے سوچنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا اگر سہراب مرچکا ہے تو پھر اب وہاں کیا رکھا ہے؟ اب وہاں جاکر کیا کرے گا؟

لیکن ممکن ہے اس کے خط کے الفاظ غلط ہوں ممکن ہے اس نے ایسا خط اس وجہ سے لکھا ہو کہ نوشیرواں کی محبت عود کر آئے اور وہ اس سے ملاقات کے لئے دوڑ پڑے حالانکہ سہراب اب بھی اس سے ناراض تھا۔ خط کے الفاظ اس کی ناراضگی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ "کاش وہ زندہ ہو' میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔ میں اپنی زیادتی کا ازالہ کردوں گا۔"

اس نے جیپ کی رفتار اور تیز کردی اور جیپ اچھلتی کودتی دوڑنے لگی۔ راستے کی گرد اس کے بالوں میں اٹ گئی اس کا حلیہ ہی بدل گیا تیز رفتاری کے باوجود اس پُراسرار کوٹھی تک پہنچنے میں اسے تین گھنٹے لگ گئے اور پورے سات سال کے بعد وہ کوٹھی کے گیٹ پر پہنچ گیا۔

کوٹھی کے گیٹ کے سامنے بے ترتیب جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں کواڑ اسی انداز میں آدھا کھلا ہوا تھا اس نے جیپ روک دی اور نیچے اتر آیا اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ لرزتے ہوئے قدموں سے ادھ کھلے پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا لان کی گھاس اسی طرح بے ترتیب تھی اور بالکل سوکھ گئی تھی روش پر کوڑے کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ یہ تمام چیزیں خود سہراب صاف کرتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس نے کبھی کوئی ملازم نہیں رکھا

تھا۔

روش سے گزر کر وہ مین گیٹ پر پہنچ گیا خوبصورت دروازے پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں دونوں کواڑ بند تھے کیا یہ کواڑ اندر سے بند ہیں؟ نوشیرواں نے سوچا اور کواڑوں کو دھکا دے کر دیکھا لیکن کواڑ اندر سے بند نہیں تھے۔ دھکا دینے سے وہ ایک کراہ کے ساتھ کھل گئے۔

لیکن اندر سے سیلن کا ایک بھپکا باہر نکل آیا جس کا مطلب تھا کہ کافی دن سے دروازہ نہیں کھلا۔ وہ سانس روک کر اندر داخل ہو گیا ایک راہداری طے کرکے وہ عمارت کے رہائشی حصے میں پہنچ گیا۔ ہر چیز ویران' ہر شے اداس' لیکن یہ اداسی نئی نہیں تھی۔ یہاں کی ہر شے ہمیشہ سے اسی طرح ویران تھی۔ نوشیرواں نے ہمیشہ یہاں کی یہی حالت دیکھی تھی۔ وہ آگے بڑھتا رہا اور پھر وہ سہراب کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا دل کی دھمک کنپٹیوں میں گونج رہی تھی لرزتے ہاتھوں سے اس نے دروازہ کھولا کمرے میں حسب معمول تاریکی تھی وہ تیز دھوپ سے اندر آیا تھا' اس لئے چند سیکنڈ اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی رقص کرتی رہی اور پھر آنکھیں روشنی کی عادی ہو گئیں۔

اس نے سہراب کی مسہری دیکھی مسہری خالی تھی اس کی چادر بے شکن تھی۔ قریب ہی وہ آبنوسی میز رکھی ہوئی تھی جو ہمیشہ یہیں رکھی رہتی تھی۔ میز پر ایک کھلی کتاب اوندھی رکھی ہوئی تھی جیسے سہراب نے پڑھتے پڑھتے اسے اسی طرح رکھ دیا ہو' وہ آہستہ قدموں سے کتاب کے نزدیک پہنچ گیا۔

لیکن کتاب پر جمی گرد کی تہہ کو دیکھ کر اس کا دل لرز گیا اس کا مطلب ہے کہ کتاب کافی دنوں سے اسی طرح رکھی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے غور سے دیکھنے پر فرش پر بھی گرد کی تہہ نظر آئی۔ اس گرد پر قدموں کے نشانات نہیں تھے۔ گویا بہت دن سے کوئی اس فرش پر بھی نہیں چلا ہے۔

اور یہ علامات نوشیرواں کا دل بٹھائے دے رہی تھیں۔ کہاں گئے انکل' سہراب کہاں ہیں؟ ممکن ہے وہ بہت دن سے لیبارٹری میں ہوں اس طرف آئے ہی نہ ہوں اس نے دل کو سہارا دیا اور اس کمرے سے نکل آیا اب وہ دوسرے کمروں میں سہراب کو تلاش کررہا تھا۔ لیبارٹری کا علاقہ پچھلی سمت میں تھا جب پوری عمارت میں سہراب کا نشان نہ ملا

تو وہ لیبارٹری کی طرف بڑھ گیا لیکن............ جونہی وہ عمارت کے عقبی حصے سے نکلا اس کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔

لیبارٹری کی پوری عمارت منہدم تھی ایسا لگتا تھا جیسے اس پر بمباری کر کے اسے تباہ کردیا گیا ہو۔ نوشیرواں کے ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے وہ پھٹی پھٹی نظروں سے تباہ شدہ عمارت کو دیکھنے لگا۔ جہاں زندگی کے آثار نہیں تھے سہراب اس تباہ شدہ عمارت میں نہیں ہے۔

پھر وہ کہاں تھا؟

"ممکن ہے اس وقت مرچکا ہوں یا مررہا ہوں............" خط کے آخری الفاظ اس کے کانوں میں گونجے اور اس نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

"نہیں نہیں انکل............ انکل............ تم نہیں مرے ہو۔ تم کہاں ہو انکل............ میں آگیا ہوں............ میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں انکل............ مجھے معاف کردو............ سامنے آجاؤ انکل............" وہ حلق پھاڑ کر چیخا' اور اس کی آواز پتھروں کے سینے میں جذب ہوگئی' لیکن اس کا کوئی ردِعمل نہیں ہوا البتہ ایک درخت سے چند کوے کریہہ آوازوں میں چیختے اڑ گئے تھے اس کے قدم منہدم عمارت کی طرف اٹھ گئے۔

لیکن عمارت کا دروازہ بالکل تباہ ہوگیا تھا اس پر برآمدے کی چھت آگری تھی اور اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

"انکل............ انکل............" وہ حلق پھاڑ کر چیختا رہا' اور اس کی آواز پھٹ گئی' حلق خشک ہوگیا' سر چکرانے لگا اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

تیز دھوپ تھی اس کے جسم سے پسینہ بہہ رہا تھا لیکن اسے کچھ ہوش نہیں تھا اس کا دل غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ سہراب اس دنیا میں نہیں ہے وہ شاید مرچکا ہے اور اس کی لاش اسی لیبارٹری کے ملبے کے نیچے دبی رہ گئی ہے' اور شاید اس نے خود یہ لیبارٹری تباہ کی ہے۔

"تم نے ایسا کیوں کیا انکل............ تم نے ایسا کیوں کیا؟" وہ سسکی لے کر بولا' اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس وقت اسے سہراب کی ایک ایک بات یاد آرہی تھی۔ سہراب بچپن میں اسے اپنے ہاتھوں سے کپڑے پہناتا تھا اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا تھا

اور وہ اس کی پسند کی چیزیں خود ہی بڑی محنت سے پکاتا تھا حالانکہ وہ ایک مصروف انسان تھا اس نے کبھی نوشیرواں کی کوئی ضد نہ ٹالی تھی۔ جو کچھ اس نے کہا سہراب نے مہیا کردیا۔

اور سہراب نے اس سے صرف ایک فرمائش کی تھی۔ صرف ایک فرمائش' نوشیرواں نے اس کی ایک بھی فرمائش پوری نہیں کی۔ آخر سہراب کو اس سے کیا ملا؟ صرف موت............ اس نے بے غرض احسان کیا تھا ورنہ اس دنیا میں کون کسی کے لئے مٹتا ہے؟ سہراب دولت مند تھا وہ جو چاہتا کر سکتا تھا نہ جانے کتنے لوگ کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں لیکن سہراب نے نوشیرواں کے لئے دنیا جہاں کے عیش مہیا کردیئے تھے۔

نوشیرواں کو شدت سے احساس تھا کہ اس نے سہراب کے ساتھ سخت زیادتی کی ہے۔ اس کی پوری عمر کے احسانات کو ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا ہے کیا تھا اگر وہ اپنی زندگی اس ویرانے میں گزار دیتا لوگ تو احسانات کے بدلے چکانے کے لئے اپنی زندگیاں قربان کردیتے ہیں۔ نہ جانے کب تک وہ اسی جگہ بیٹھا روتا رہا۔

پوری دھوپ اس کے سر سے گزر گئی تھی۔ شام جھک آئی تھی لیکن اس کا وہاں سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا یوں بھی پوری رات ٹرین میں کٹی تھی۔ طبیعت بوجھل تھی دھوپ میں بیٹھے رہنے سے طبیعت اور خراب ہوگئی' سردرد سے پھٹا جارہا تھا اور جب درد کی شدت قابلِ برداشت ہوگئی تو وہ پتھر سے اٹھ گیا مرے مرے قدموں سے وہ رہائشی عمارت کی طرف چل پڑا' لیبارٹری کے برعکس یہ عمارت بالکل ٹھیک تھی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

وہ عمارت کے اندرونی کمروں میں چکر لگانے لگا ہر چیز جوں کی توں تھی اس ویران علاقے میں بھی سہراب نے ہر چیز کا بندوبست کرلیا تھا۔ ایک چھوٹا سا الیکٹرک اسٹیشن پوری کوٹھی کو بجلی سپلائی کرتا تھا خود کار ٹیوب ویل نلوں میں پانی سپلائی کرتے تھے غرض یہاں کی زندگی کسی باقاعدہ شہری زندگی سے مختلف نہیں تھی۔

نوشیرواں سہراب کی خواب گاہ میں پہنچ گیا اس نے مسہری پر بیٹھ کر اپنے سر کو بھینچ لیا لیکن درد ناقابلِ برداشت ہوگیا تھا تب اس نے غسل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور سہراب کی خواب گاہ سے ملحقہ باتھ روم میں چلا گیا سب کچھ حسبِ معمول تھا اس نے ٹھنڈے اور فرحت بخش پانی سے غسل کیا غسل نے اسے کافی سکون بخشا تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر اس نے لباس تبدیل کیا اور پھر کچن کی طرف چل دیا۔

جدید سازوسامان سے آراستہ کچن میں ہر چیز موجود تھی' دودھ' پنیر' بسکٹ اور دوسرا تمام سامان' اس نے کیتلی میں کافی کے لئے پانی چڑھا دیا اور دودھ کا ڈبہ کھولنے لگا تھوڑی دیر میں اس نے ہلکے پھلکے کھانے کا انتظام کرلیا اور اس دوران اس کی آنکھوں سے آنسو لڑھکتے رہے تھے۔اسے سہراب یاد آرہا تھا وہ خود اس سامنے والی کرسی پر بیٹھ جاتا تھا اور سہراب کسی ماہر باورچی کی طرح اس کے لئے اس کی پسند کی چیزیں تیار کرتا تھا پھر وہ چیزوں کو ٹرالی پر رکھے ناشتے کے کمرے کا رخ کرتا تھا اور نوشیرواں اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے صرف ٹرالی دھکیلنے میں اس کی مدد کرتا تھا اور اس کی اس مدد پر سہراب کس قدر خوش ہوتا تھا۔ ٹرالی پر سامان رکھنے کے بعد وہ محبت بھری نظروں سے نوشیرواں کو دیکھتا اور نوشیرواں اس سے پوچھتا۔

"چلیں انکل..........؟"

"چلو بیٹے۔" وہ جواب دیتا اور نوشیرواں ٹرالی دھکیلتا ہوا باہر لے جاتا۔ ایک ایک بات اسے یاد آتی رہی کچن میں بیٹھ کر ہی اس نے کھانا زہر مار کیا کافی کی کئی پیالیاں پیں اور پھر وہ وہاں سے نکل آیا۔ سہراب کی یاد کو فراموش کرنا ہوگا۔ یہ عملی زندگی ہے گزرا وقت واپس نہیں آتا۔

لیکن.......... اس کے آخری حقوق تو فرض ہیں کم از کم وہ اپنا ایک فرض تو ادا کرے۔ سہراب کی لاش کو تلاش کرکے اسے دفن کردے۔ نہ جانے بوڑھے سائنس دان کی بے گور وکفن لاش کہاں پڑی ہو' اس کے اندازے کے مطابق لاش لیبارٹری میں ہی ہوسکتی تھی۔ رہائشی عمارت کا تو اس نے ایک ایک حصہ دیکھ ڈالا تھا لیکن لیبارٹری میں داخلے کا تو دروازہ ہی بند تھا' دروازے کے ملبے کو ہٹائے بغیر اندر داخل ہونا مشکل کام ہے۔

وہ سہراب کی مسہری پر لیٹا سوچتا رہا۔ نہ جانے کیوں اب اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ طبیعت بھی ہلکی ہوگئی تھی۔ کافی دیر تک وہ سوچتا رہا پھر اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور وہ چونک پڑا اس وقت چونکہ اس کے ذہن پر بوجھ تھا سہراب کی گم شدگی اور اس کی موت کے خیال نے اسے غمگین کردیا تھا' اس لئے وہ لیبارٹری میں داخل ہونے کے اس دوسرے راستے کو یاد نہ کرسکا جو اس کی اپنی دریافت تھا۔

لیبارٹری کی عقبی دیوار کے ایک روشن دان سے وہ اکثر اندر داخل ہوجاتا تھا عقبی

دیوار کے نزدیک ایک درخت تھا اور جب کبھی اس پر شرارت سوار ہوتی تو وہ سہراب کو ڈرانے کے لئے اس درخت پر چڑھ کر روشندان سے اندر داخل ہوجاتا تھا اور مشینوں پر جھکے کام کرتے ہوئے سہراب کو "ہاؤ" کرکے ڈرا دیتا تھا بعض اوقات سہراب زیادہ منہمک ہوتا تو اچھل پڑتا تھا ایسے اوقات میں اکثر نقصان بھی ہوجاتا تھا لیکن اس نے نوشیرواں کی کسی شرارت پر اسے کبھی نہیں ڈانٹا تھا۔

اس وقت بھی اسے یہی روشن دان یاد آگیا اور وہ چونک کر مسہری پر اٹھ بیٹھا رات کا وقت تھا ممکن ہے لیبارٹری کا الیکٹرک نظام بھی فیل ہوگیا ہو۔ اس نے سوچا لیکن لیبارٹری میں داخل ہوکر سہراب کی لاش تلاش کرنے کا خیال اس قدر مضبوط ہوگیا کہ اس نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی اور جوتے پہن کر کمرے سے باہر نکل آیا' تھوڑی دیر کے بعد وہ لیبارٹری کی عمارت کے عقب میں تھا۔

درخت جوں کا توں تھا دیوار بھی سلامت تھی اور روشندان کھلا ہوا تھا اس نے جوتے اتارے اور درخت پر چڑھنے لگا' بچپن کی اور بات تھی۔ اس وقت وہ ایک ہلکا پھلکا بچہ تھا درخت پر بندروں کی طرح چڑھ جاتا تھا لیکن اب اس کا تن وتوش مناسب تھا اور اب درخت پر چڑھنے کی پریکٹس بھی نہیں تھی۔ اگر کوئی اور ضرورت ہوتی تو وہ یہ خیال ترک کردیتا لیکن اس وقت اس کے ذہن پر جنون سوار تھا وہ ہر قیمت پر اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ کئی بار درخت سے پھسلنے کے باوجود وہ کوشش کرتا رہا اور آخر روشندان تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ بچپن کا دور بھی کیا دور ہوتا ہے ایک وہ وقت تھا جب وہ بھاگتا ہوا آتا تھا اور درخت پر چڑھ جاتا تھا اور پھر روشندان سے دوسری طرف کودنے میں نہ کوئی خوف دامن گیر ہوتا تھا نہ جھجک ہوتی تھی۔

جوانی نے طاقت بخش دی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی عقل بھی۔ روشن دان سے اندر داخل ہونے میں تو کوئی دقت نہ ہوئی لیکن دوسری طرف کی زمین کافی نیچی محسوس ہوئی' یقیناً نیچے کودنے میں پیروں میں چوٹ لگے گی بہرحال یہاں تک آنے کے بعد بے نیل و مرام واپسی ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے آنکھیں بند کیں اور نیچے کود گیا۔ پیروں کو سخت جھٹکا لگا تھا کئی سیکنڈ تک وہ وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھا اور دیوار میں سوئچ تلاش کرنے لگا اسے علم تھا کہ سوئچ کہاں کہاں ہیں اس لئے سوئچ تلاش کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن چٹ کی آواز بلند ہوکر رہ گئی اور روشنی نہ ہوئی اسے سخت مایوسی ہوئی روشنی کا

انتظام درست نہیں تھا اس نے دوسرے بٹن بھی آزمائے لیکن لائن بے جان تھی تب اس نے مایوس ہو کر گردن جھٹکی اور اندھیرے میں ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھول کر وہ راہداری میں نکل آیا یہ کمرہ لیبارٹری کے انتہائی حصے میں تھا اصل لیبارٹری یہاں سے دور تھی۔ تاریکی میں اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے سخت مایوسی ہوئی تھی کاش اس کے پاس ماچس ہی ہوتی اندھیرے میں اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ کوئی دیوار مخدوش ہو سکتی تھی کہیں بھی گڑھا ہو سکتا تھا لیکن وہ ان چیزوں سے بے نیاز آگے بڑھ رہا تھا۔

اور پھر وہ لیبارٹری کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور اس نے ہاتھ سے ٹٹول کر اسے اچھی طرح محسوس کیا اور پھر اس کے ٹوٹے ہوئے حصے سے اندر داخل ہو گیا لیکن اندر قدم رکھتے ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا اسے کوئی چاپ سنائی دی تھی۔ کوئی آہٹ جو سماعت کا واہمہ نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ ٹھٹک گیا اور دوبارہ اس آواز کو سننے کی کوشش کرنے لگا اسے مایوسی نہیں ہوئی ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ پھر سنائی دی تھی جیسے کوئی اسی کی طرح تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو' اور وہ آواز کی سمت آنکھیں پھاڑنے لگا اور پھر وہ اچھل پڑا۔

ماچس جلنے کی آواز سنائی دی' شعلہ چمکا اور روشنی ہو گئی کسی نے شمع جلائی تھی۔

گھور تاریکی زخمی ہو گئی' شمع کا مدھم شعلہ تاریکی سے جنگ کرنے لگا اور بے اختیار نوشیرواں کے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔

"انکل..........!"

وہ شمع کی طرف دوڑا' لیکن ایک بار پھر اس کے قدم رک گئے شمع کے قریب وہ چہرہ اسے صاف نظر آگیا تھا اور وہ اس چہرے کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا وہ حسین چہرہ اس کے حواس پر چھا گیا۔

وہ ایک نوجوان لڑکی تھی' نوجوان لڑکی انتہائی پاکیزہ اور صاف ستھری شکل کی لڑکی' شمع کی روشنی اس کے آدھے چہرے کو منور کر رہی تھی باقی چہرہ تاریکی میں تھا لیکن اس منور چہرے کا سلگتا ہوا گداز انسان کو پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا تیکھے نقش و نگار سادہ سا انداز گھٹاؤں کی طرح بکھرے بال۔

نوشیرواں سکتے کے سے عالم میں وہ چہرہ دیکھ رہا تھا اور پھر اس کے کانوں میں ایک

مترنم آواز گونجی۔

"تم کون ہو؟"

لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ وہ پاگلوں کی طرح اسے دیکھتا رہا' وہ سب کچھ بھول گیا تھا اسے یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا اور وہ اس چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

اس چہرے کے علاوہ دنیا کی کوئی شے اس کی نگاہوں کے سامنے نہ تھی۔ لڑکی چند لمحات اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر اس نے جلتی ہوئی شمع ہاتھ میں اٹھائی اور اپنے چہرے کے برابر کئے آگے بڑھ آئی۔ اب وہ نوشیرواں کے بالکل قریب تھی اور نوشیرواں اس کے پاس سے اٹھتی بھینی بھینی خوشبو سے مسحور ہو گیا تھا۔

"تم.......... تم کون ہو..........؟" لڑکی نے اس بار شمع اس کے چہرے کے قریب کر دی لیکن نوشیرواں بدستور بت کی طرح ساکت کھڑا رہا لڑکی اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور نوشیرواں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نوشیرواں کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی اس کے ہاتھ کے نرم و لطیف لمس نے اس کے رگ و پے میں سرور کی لہر دوڑا دی تھی۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچا اور نوشیرواں کے قدم خود بخود اٹھ گئے وہ لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور لڑکی اسے لئے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گئی یہ کمرہ بھی نوشیرواں نے پہلے سے دیکھا ہوا تھا۔ پہلے الماریاں لگی ہوئی تھیں اور اس میں بوتلیں چنی ہوئی تھیں جن میں رنگین سیال بھرے ہوئے تھے۔

لیکن اب اس کمرے کا حلیہ بدلا ہوا تھا۔ اب اسے بیڈ روم کی شکل دے دی گئی تھی یہاں ایک قیمتی مسہری پڑی ہوئی تھی اور آرائش کا تمام سامان موجود تھا' ایک طرف قیمتی صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ ایک میز پر بہت خوبصورت شمعدان رکھا ہوا تھا لڑکی نے کمرے میں لا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور شمعدان کے قریب پہنچ گئی اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شمع سے تمام شمعیں روشن کر دیں اور کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔

نوشیرواں کی نگاہیں لڑکی کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں وہ عورتوں کی دنیا کا انسان نہیں تھا کالج کی زندگی میں بھی اس کی توجہ تعلیم کی طرف رہی' حالانکہ کالج کی زندگی میں کئی لڑکیوں نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ بالکل ٹھس ثابت ہوا تھا بعض لڑکیاں تو اسے روبوٹ کہتی تھیں۔ جو صرف ایک مشین تھا لیکن وہ کبھی کسی سے متاثر نہ ہوا۔

اس کے بعد سات سالہ عملی زندگی تھی اس زندگی میں اس کے معمولات محدود تھے اور ان محدود معمولات میں میں رومان کا دخل نہ تھا اس نے کبھی اس انداز میں سوچا ہی نہ تھا۔

لیکن آج اس کے دل کی کیفیت اور ہی تھی آج اس نے پہلی بار عورت کو بحیثیت عورت دیکھا تھا اور یہ عورت اس کے حواس پر اس طرح چھائی تھی کہ وہ یہاں آنے کا مقصد ہی بھول گیا تھا۔

شمعیں جلا کر لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی اور ایک بار پھر اس کی آواز نوشیرواں کے کانوں میں گونجی۔

"تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے.......... بتاؤ تم کون ہو؟" اور نوشیرواں چونک پڑا۔

درحقیقت اس پُراسرار ماحول میں لڑکی کی موجودگی حیرت انگیز تھی تباہ شدہ لیبارٹری میں وہ کہاں سے آگئی؟ یہاں کیا کررہی ہے؟ کیسے زندہ ہے؟ بہت سے سوالات اس کے ذہن میں رینگ آئے اور پھر لڑکی کا سوال اس کے کانوں میں گونجا.......... کسی کی بات کا جواب نہ دینا بھی بداخلاقی تھی' اب وہ سحر کی دنیا سے نکل آیا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ "میں نوشیرواں ہوں۔"

"نوشیرواں..........!" لڑکی نے زیر لب کہا۔ "ہاں' میں نے یہ نام سہراب کی زبان سے سنا تھا' یا اُن کی روشنی میں تم ہی چیخ چیخ کر کسی کو آواز دے رہے تھے؟"

سہراب کے نام پر نوشیرواں چونک پڑا' اسے یاد آگیا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔ ایک بار پھر اسے سہراب یاد آگیا اور وہ بے چین ہوگیا۔

"ہاں میں ہی چیخ رہا تھا کیا تم نے میری آوازیں سنی تھیں؟"

"ہاں' لیکن میں تمہیں جواب دینے سے معذور تھی۔ میری آواز باہر نہیں جاسکتی تھی اس تباہ شدہ لیبارٹری سے میری آواز باہر نہیں نکل سکتی۔"

"سہراب میرے انکل تھے' وہ کہاں ہیں' وہ کہاں ہیں خدا کے لئے مجھے بتاؤ۔" اس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"پروفیسر!" لڑکی کے منہ سے سرگوشی کے انداز میں نکلا۔ "پروفیسر اب اس دنیا میں نہیں ہیں ان کی لاش اس مٹی کے نیچے دبی پڑی ہے' اس لاش کو نکالنا بہت مشکل کام

ہے۔"

"لاش۔" نوشیرواں کے منہ سے کراہ کے انداز میں نکلا۔ "تو.......... انکل مرگئے۔"

"ہاں' پروفیسر نے خودکشی کرلی' نہ جانے کیوں انہوں نے خودکشی کرلی میں آج تک ان کی خودکشی کی وجہ معلوم کرنے سے قاصر ہوں۔"

"خودکشی.........." نوشیرواں سسک کر بولا۔ "انہوں نے خودکشی کی ہے۔"

"ہاں' سوفیصدی خودکشی' پروفیسر نے اس مشین کے تمام بٹن کھول دیئے جس میں ایٹمی شعاعیں دوڑتی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ مشین اتنی قوت برداشت نہیں کرسکتی۔ وہ پھٹ جائے گی لیکن اس کے باوجود اس کے بٹن کھول کر اس کے نزدیک کھڑے رہے اور مشین ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ گئی' اور لیبارٹری کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا۔ پروفیسر کی لاش بھی اسی حصے میں دبی ہوئی ہے۔"

"مگر کیوں؟ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں خود بھی یہ راز نہیں جانتی نوشیرواں' اگر جانتی تو تمہیں ضرور بتادیتی۔" لڑکی نے کہا۔

اور نوشیرواں چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر سسکنے لگا۔ لڑکی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی سہراب کی موت کی تصدیق ہوگئی تھی اور نوشیرواں اس خودکشی کا ذمہ دار خود کو سمجھ رہا تھا اس کا خیال تھا کہ سہراب اس کی بے اعتنائی کو برداشت نہ کرسکا۔

تھوڑی دیر کے بعد لڑکی نے ہی اس کے چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹائے اور غمزدہ آواز میں بولی۔ "میں تمہارے غم میں شریک ہوں لیکن افسوس اس کا ازالہ کرنے کی کوشش میں ناکام ہوں۔"

نوشیرواں نے آہستہ آہستہ اپنا سر لڑکی کے نرم وگداز سینے سے ٹکادیا اور لڑکی محبت سے اس کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ نوشیرواں کو ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا۔ کافی دیر تک وہ لڑکی کے سینے سے لگا رہا اور پھر چونک پڑا' اس کے ذہن میں ایک سوال ابھرا تھا۔

یہ لڑکی کون ہے؟ حالات اس قدر الجھے ہوئے تھے اور اس کا ذہن اس قدر بے قابو تھا کہ اس نے اب تک لڑکی کے بارے میں نہیں سوچا تھا اس لڑکی کے سینے سے سر ہٹا کر

اس کی طرف دیکھا لڑکی کی آنکھیں بند تھیں' اس کے چہرے پر جذبات کا عکس نظر آرہا تھا جیسے وہ بھی نوشیرواں کے لمس سے سرشار ہو۔

"سنو۔" نوشیرواں نے اسے آواز دی اور لڑکی نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اس کی آنکھیں بوجھل تھیں اور ان سے نشہ جھلک رہا تھا۔

"ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو؟"

"میں.........." وہ چونک پڑی۔

"ہاں' تم کون ہو۔"

"میں شیبا ہوں۔"

"شیبا.........." نوشیرواں نے غور سے اسے دیکھا۔ لڑکی کے خدوخال مشرقی تھے لیکن اس کا نام؟

"تمہیں میرے اور سہراب کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"

"پروفیسر اکثر آپ کا ذکر کرتے تھے آپ ان کے بھتیجے ہیں جو ان سے ناراض ہوکر کہیں چلے گئے تھے۔"

"ٹھیک ہے' لیکن تم پروفیسر کے پاس کب آئیں؟"

"مجھے یاد نہیں ہے۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے آنکھ کھولی تو میں پروفیسر کے سامنے تھی۔"

"لیکن میں نے کبھی تمہیں ان کے پاس نہیں دیکھا۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" لڑکی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کیا تم نے پہلے کبھی مجھے دیکھا تھا؟"

"نہیں.........."

"عجیب بات ہے اور تم کہتی ہو کہ تم نے جب ہوش سنبھالا تو تم پروفیسر کے سامنے تھیں۔"

"ہاں.........."

نوشیرواں نے ایک گہری سانس لی یہ معمہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا نہ جانے یہ حسین لڑکی کون ہے' کہاں سے آئی ہے اگر وہ پہلے سے پروفیسر سہراب کے ساتھ ہوتی تو وہ

اسے کیوں نہ دیکھتا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کافی دیر تک وہ خاموش رہا پھر بولا۔

"پروفیسر سہراب کے ہاں تمہاری حیثیت کیا تھی؟"

"پروفیسر مجھے اپنی سیکرٹری کہتے تھے۔" اس نے جواب دیا اور نوشیرواں خاموش ہوگیا۔ یہ معمہ کسی طرح حل نہیں ہوتا تھا چنانچہ اس نے اس کے بارے میں مزید چھان بین مناسب نہ سمجھی پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔

"شیبا' میں انکل کی لاش اس ملبے سے نکالنا چاہتا ہوں' کیا تم میری مدد کرو گی؟"

"میں تیار ہوں۔"

"ہم کل دن کی روشنی میں یہ کام شروع کریں گے میں انکل کی لاش کو دفنائے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"میں ہر طرح تمہارا ساتھ دوں گی۔"

"آؤ.......... باہر چلیں.......... کل دن میں یہاں آئیں گے کیا تم اس ماحول سے گھبرا نہیں رہیں؟"

"میں یہاں سے باہر نہیں جاسکتی.........." لڑکی نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا مطلب..........؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں' یہ پروفیسر کی ہدایت ہے۔"

"اوہ' لیکن اب تو انکل اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"لیکن ان کی ہدایت مجھے یاد ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے' یہاں تمہارا دم نہ گھٹ جائے گا آؤ ضد نہ کرو' یہاں تم کیسے زندگی گزار سکو گی۔"

"براہ کرم مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو میں یہاں سے کہیں نہیں جاسکتی۔ میں چاہتی تو یہاں سے نکل سکتی تھی لیکن پروفیسر کی موت کو پورے پندرہ دن گزر چکے ہیں اور میں یہیں ہوں۔"

"پندرہ دن' تم پندرہ دن سے یہاں ہو شیبا' اور زندہ ہو' کیا یہاں تمہارے کھانے پینے کا بندوبست ہے۔"

"سب کچھ ہے میں یہاں ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہوں ہمیشہ.......... البتہ میں یہاں سے نکلی تو مرجاؤں گی' میں کسی طرح پروفیسر کی حکم عدولی نہیں کر سکتی۔" شیبا نے جواب دیا

اور نوشیرواں عجیب شش و پنج میں پڑ گیا۔ یہ کیسے ممکن تھا یہ دیوانی لڑکی یہاں زندگی کیسے گزار سکتی ہے لیکن اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہہ دیا تھا کہ وہ یہاں سے نہیں جائے گی۔ اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ یہیں رہنے پر مصر ہے۔ لڑکی کی شخصیت اس کی نگاہوں میں پُراسرار ہو گئی۔

"مجھے تمہارے فیصلے پر حیرت ہے شیبا! لیبارٹری تباہ شدہ ہے کسی وقت بھی تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے، براہ کرم ضد نہ کرو، یہاں سے نکل چلو، پروفیسر کے احکامات ان کی زندگی میں قابلِ عمل تھے، اب وہ نہیں ہیں تو ان کے احکامات بے معنی ہو گئے ہیں۔"

"میرے لئے بے معنی نہیں ہیں مسٹر نوشیرواں براہ کرم اب اس موضوع پر کچھ نہ کہیں آپ صبح کو یہاں آئیں اور پروفیسر کی لاش نکالنے کی کوشش کریں، میں آپ کی مدد کروں گی۔" شیبا نے جواب دیا اور نوشیرواں ایک گہری سانس لے کر پلٹ پڑا وہ اسی راستے سے باہر نکل آیا جس راستے سے اندر گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سہراب کی خواب گاہ میں مسہری پر لیٹا ہوا تھا۔

پریشان کن خیالات میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا سہراب کی موت کی تصدیق ہو گئی تھی اس کی موت پر وہ بہت افسردہ تھا لیکن لڑکی کی الجھن نے اس کے ذہن کو الجھا دیا تھا۔ لڑکی کی شخصیت بے حد پُراسرار تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کون ہے کب سے پروفیسر سہراب کے پاس ہے اور اس لیبارٹری میں رہنے پر کیوں مصر ہے؟ وہ اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں بتاتی۔ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔

اور پھر اس کے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا، سہراب کی موت میں اس لڑکی کا ہاتھ تو نہیں ہے وہ کسی خاص مقصد کے تحت تو اس لیبارٹری میں مقیم نہیں ہے سہراب سائنس دان تھا۔ ممکن ہے لڑکی کسی کی آلہ کار ہو، اور سہراب کی لیبارٹری سے کچھ اڑانا چاہتی ہو، یہ بات عین ممکن ہے، حالانکہ لڑکی کی پاکیزہ شکل اس کا حسین انداز نوشیرواں کو شبہ کرنے سے روک رہا تھا لیکن حقائق اسی بات کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

یہ لڑکی اسے بے حد پسند آئی تھی، وہ اس کے حواس پر چھا گئی تھی لیکن اگر وہ کوئی فراڈ ہے تو میں اسے ذہن سے کھرچ پھینکوں گا وہ سوچتا رہا اور انہی خیالات میں اسے نیند آ گئی۔

جس وقت آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا چاروں طرف تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ

اٹھ گیا اس نے باتھ روم میں جا کر غسل کیا اور پھر کچن کی طرف بڑھ گیا اپنے لئے ناشتا تیار کرتے ہوئے اس نے لڑکی کے بارے میں سوچا اگر وہ فراڈ ہے تو رات بھر میں فرار ہو گئی ہوگی، ممکن ہے اس کو جس چیز کی تلاش ہو اسے مل گئی ہو، بہرحال خود نوشیرواں کو تو کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ لڑکی اگر اپنے مطلب کی چیز لے کر نکل گئی تو نکل جائے اب سہراب کی زندگی تو واپس نہیں آ سکتی تھی لیکن اس حسین لڑکی کی چالاکی پر اسے غصہ آ گیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ کوٹھی کے مختلف حصوں میں ایسی چیزیں تلاش کرنے لگا جس سے ملبہ ہٹانے میں مدد مل سکے۔ اسے ایک کدال اور پھاوڑا مل گیا اور وہ یہ دونوں چیزیں لے کر چل پڑا درخت ہی کے راستے وہ روشن دان سے نیچے اتر گیا اور پھر اس نے شیبا کے کمرے کے سامنے پہنچ کر اسے آواز دی۔

اس وقت لیبارٹری میں بھی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سورج کی کرنیں مختلف رخنوں سے اندر پہنچ رہی تھیں دوسرے لمحے اسے کمرے میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ شیبا موجود تھی دن کی روشنی میں وہ رات سے بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کا سانولا رنگ انتہائی متناسب جسم، حسین بال، وہ پیکر حسن تھی، ایک بار پھر نوشیرواں اس کی حسین آنکھوں میں کھو گیا ان آنکھوں میں جو جھیل کی طرح گہری تھیں اور جن میں ڈوبنے کے بعد انسان کا ابھرنا مشکل تھا شیبا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آؤ نوشیرواں میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے نغمہ بار آواز میں کہا۔ "کیا تم تیار ہو؟"

"ہاں۔" نوشیرواں نے بادل ناخواستہ کہا اس کے شبہات پھر ابھر آئے تھے۔ "رات کو میرے اور تمہارے درمیان کچھ گفتگو ہوئی تھی" اس نے کہا۔

"ہوں ہوئی تھی۔" شیبا نے جواب دیا۔

"لیکن میں اس گفتگو سے مطمئن نہیں ہوا۔"

"کیوں؟"

"یہ بات کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہیں اپنے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں براہ کرم مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ میں............ میں تمہیں پسند کرتا ہوں، میں تمہارے بارے میں

شبہات میں مبتلا ہوتا جارہا ہوں' ایسا نہ ہونے دو شیبا' پلیز ایسا نہ ہونے دو۔"

"میں تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں نوشیرواں' میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں لیکن یہ بات میں کبھی نہیں پسند کروں گی کہ تم میرے بارے میں کچھ اور انداز سے سوچو۔ یہ میری درخواست ہے اور اب ہم اس موضوع پر گفتگو نہیں کریں گے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور نوشیرواں خاموش ہوگیا لیکن اس کا ذہن صاف نہیں ہوا تھا۔

"پروفیسر کی لاش کہاں تلاش کی جائے؟" تھوڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا۔

"میرے ساتھ آؤ میں تمہیں وہ جگہ بتاؤں جہاں وہ مشین نصب تھی جس کے زیاں ہونے سے پروفیسر ہلاک ہوئے تھے۔" شیبا نے کہا اور نوشیرواں کدال اور پھاوڑا اٹھا کر چل پڑا شیبا کو بھی لیبارٹری کی ایک ایک جگہ کا علم تھا وہ اسے لے کر ایک تباہ شدہ حصے میں پہنچ گئی اور اس نے ملبے کی طرف اشاہ کیا۔

"یہی وہ جگہ ہے۔" نوشیرواں نے گردن ہلائی پھر اس نے قمیض اتار دی اور کدال لے کر ملبہ صاف کرنے لگا۔ شیبا نے پھاوڑا اٹھا لیا تھا پھر جب وہ مٹی صاف کرنے کے لئے جھکی تو نوشیرواں نے اسے روک دیا۔

"نہیں شیبا' یہ کام تمہارے نازک ہاتھوں سے نہ ہوسکے گا تم رہنے دو۔"

"میں اتنی نازک نہیں ہوں نوشیرواں مجھے میرا کام کرنے دو۔" اس نے کہا اور پھاوڑے سے مٹی ہٹانے لگی۔

نوشیرواں حیرت سے اسے یہ محنت کا کام کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ تیزی سے کدال چلا رہے تھے اور شیبا بھی اتنی ہی تیزی سے مٹی ہٹا رہی تھی۔ نوشیرواں کا جسم پسینہ پسینہ ہوگیا لیکن اس نے حیرت سے شیبا کو دیکھا جس کی پیشانی پر پسینے کا ایک بھی قطرہ نہیں تھا۔ وہ اسی تیزی سے کام کررہی تھی اور ڈھائی گھنٹے کی شدید محنت کے بعد وہ پروفیسر کی لاش دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئے' ہوا سے محفوظ ہونے کی وجہ سے پروفیسر سہراب کا جسم ابھی تک نہیں سڑا تھا۔ بوڑھے سہراب کی لاش دیکھ کر نوشیرواں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگا۔ شیبا اس کے قریب پہنچ گئی اس نے نوشیرواں کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"پروفیسر مرگئے نوشیرواں ہم انہیں زندہ نہیں کرسکتے۔ صبر کرو اور ان کی آخری آرام گاہ ترتیب دو۔"

بمشکل نوشیرواں سنبھل سکا اس نے پروفیسر کی لاش دونوں ہاتھوں پر اٹھالی اور اسے نکال کر صاف جگہ میں لے آیا۔

"پروفیسر کی قبر کہاں بناؤ گے؟" شیبا نے پوچھا۔

"اسی عمارت کے لان میں' کیا تم قبر کی کھدائی میں میرا ساتھ دو گی؟"

"میں اس عمارت سے باہر نہیں جاسکتی نوشیرواں' میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔" شیبا نے سپاٹ آواز میں جواب دیا اور نوشیرواں اسے گھورنے لگا۔

"بہت بہتر۔" اس نے سخت لہجے میں کہا اور بمشکل پروفیسر کی لاش روشندان کے ذریعے باہر نکال لایا۔ پھر پروفیسر کی قبر کھودنے اور اسے ایک سیاہ کپڑے کا کفن پہنانے کے بعد اس نے پروفیسر کو دفن کردیا۔ اس کام میں بھی کئی گھنٹے صرف ہوگئے تھے وہ تھک کر چور ہوگیا تھا اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ پروفیسر کو دفن کرتے ہوئے جہاں اس کا دل غم واندوہ سے لبریز تھا وہیں اسے اس خود غرض لڑکی پر بھی غصہ آرہا تھا۔ وہ عمارت سے باہر نہ نکلنے کا بہانہ کئے ہوئے تھی۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ شیبا سے دو ٹوک بات کرے گا اس سے کہہ دے گا کہ وہ اسے زبردستی بھی نکال سکتا ہے' کیونکہ پروفیسر سہراب کی موت کے بعد یہ عمارت بہرحال اس کی ملکیت ہے۔

اس خیال کے تحت غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر وہ روشن دان کے راستے دوبارہ اندر پہنچ گیا۔ شیبا کمرے سے باہر ملی۔ وہ راہداری میں چہل قدمی کررہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔

"اپنے کام سے فارغ ہوگئے نوشیرواں؟"

"ہاں شیبا اور تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے کام سے کب فارغ ہوگی؟" نوشیرواں کے لہجے میں طنز کے نشتر تھے۔

"کبھی نہیں' میں ہمیشہ اسی لیبارٹری میں رہوں گی۔"

"ہمیشہ۔" شیبا نے کہا اور کمرے کی طرف واپس پلٹ پڑی۔ نوشیرواں اس کے پیچھے پیچھے کمرے تک آیا اور ایک دیوار کے قریب پہنچ گیا۔

"سنو شیبا میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ اور بتانا چاہتا ہوں' کیا تم سننا پسند کرو گی؟"

"ضرور۔" شیبا نے دلچسپی سے کہا۔

"پروفیسر سہراب نے مجھے بچپن سے پرورش کیا تھا جوان ہونے کے بعد انہوں نے مجھ سے صرف ایک خواہش ظاہر کی' وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے ساتھ اس لیبارٹری میں کام کروں' لیکن میں نے یہ تسلیم نہ کیا اور وہ مجھ سے ناراض ہو گئے۔ میں نے ان کی تمام دولت ٹھکرا دی اور شہر میں ایک معمولی سی ملازمت پسند کی' اب بھی اگر مجھے پروفیسر کا خط نہ ملتا تو میں کبھی نہ آتا۔ تم یہ سمجھ لو کہ میں دولت کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتا اگر تم کسی خاص چیز کے حصول کے لئے سوانگ رچائے ہوئے ہو تو مجھے اس کے بارے میں بتاؤ' میں اس کی تلاش میں تمہاری مدد کروں گا' اور وہ سوفیصدی تمہاری ہو گی میں تم سے متاثر ہوں شیبا اگر اس چیز کے حصول کے بعد تم میرے ساتھ زندگی گزارنا پسند کرو گی تو میں خود کو پیش کر دوں گا میرے اعتماد کو دھوکا نہ دو۔"

"تو تم مجھے فراڈ سمجھتے ہو نوشیرواں۔" شیبا نے دکھ سے کہا۔ "لیکن میں جو کچھ کہہ رہی ہوں درست کہہ رہی ہوں اس میں کوئی بات جھوٹ نہیں ہے۔ پروفیسر کی ہدایت ہے کہ میں یہاں سے باہر نہ نکلو اور میں جب تک قائم ہوں اس ہدایت پر عمل کرتی رہوں گی میں یہاں سے کہیں نہیں جاسکوں گی۔"

"میں اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا شیبا۔" نوشیرواں نے غصے سے کہا اور اس کا جسم کانپنے لگا اس نے سہارا لینے کے لئے دیوار میں نصب ایک مشین کو پکڑ لیا بحری جہاز کے اسٹیئرنگ کی مانند یہ مشین نہ جانے کیسی تھی۔ دفعتاً اس نے شیبا کی چیخ سنی بھیانک چیخ۔

"نہیں نوشیرواں نہیں' اس پر سے ہاتھ ہٹالو' کہیں وہ گھوم نہ جائے میں مرجاؤں گی نوشیرواں' پلیز اس پر سے ہاتھ ہٹالو۔" اس نے دہشت کے عالم میں کہا اور نوشیرواں چونک کر اس مشین کو دیکھنے لگا اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے لیکن پھر یہ حیرت طنز میں بدل گئی اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"حقیقت چھپانے کی کتنی ہی کوشش کی جائے شیبا لیکن حقیقت چھپنا مشکل ہے میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس مشین کو گھمانے سے کیا ہوگا۔" اس نے مشین کے ہینڈل دونوں ہاتھوں سے پکڑ لئے۔

"نہیں نوشیرواں نہیں' پلیز میری زندگی مت لو' پلیز نوشیرواں۔"

"اس کے پیچھے کیا ہے؟ کون سی چیز ہے؟ جو تم مجھ سے چھپانا چاہتی ہو میں دیکھے بغیر نہ رہ سکوں گا' میں بھی ضدی انسان ہوں۔" نوشیرواں نے کہا اور پوری قوت سے مشین گھما دی۔ اس نے شیبا کی گھٹی گھٹی چیخ سنی لیکن وہ جنون کے عالم میں اس گول پہیے کو گھمانے لگا' اسٹیم کی تیز آواز سنائی دی اور نوشیرواں پہیہ گھماتا رہا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

"مجھے بتاؤ شیبا' یہ ڈھکن کس طرح کھلتا ہے؟" اس نے پلٹ کر شیبا سے کہا لیکن اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اس نے شیبا کے کانوں اور ناک کے دونوں نتھنوں سے تیز دھواں نکلتے دیکھا تھا اسٹیم کی سی آواز اسی سے خارج ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں شیبا کا چہرہ اور جسم دھویں میں چھپ گیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم کے گرد دھواں پھیل گیا اور پھر دھواں چھٹا تو شیبا کے جسم کے بجائے وہاں صرف ایک فولادی ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا۔ ایک انسانی ڈھانچہ جس کی تمام ہڈیاں موجود تھیں لیکن سب کی سب فولاد سے بنی ہوئی تھیں۔

"شیبا........." اس نے لرزتی آواز میں آواز دی لیکن شیبا جو کچھ تھی اس کے سامنے تھی "شیبا" وہ حلق پھاڑ کر دھاڑا لیکن جواب کون دیتا اس نے بدحواسی کے عالم میں مشین کے پہیے کو واپس گھمایا لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ شیبا اب کبھی اصل حالت پر واپس نہیں آسکتی تھی۔

وہ دیوانوں کی طرح ایک ایک چیز ٹٹولتا رہا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا اس نے سر پکڑ لیا اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ یہ اسرار اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور وہ مایوس ہو گیا تو روشندان کے راستے باہر نکل آیا' ذہنی ہیجان عروج پر پہنچ چکا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی شیبا کی حقیقت نے اسے زبردست ذہنی جھٹکا دیا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا۔

وہ رات اسے کوٹھی میں گزارنا مشکل ہو گئی وہ اس آسیبی ماحول سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ دوسری صبح وہ پھر لیبارٹری میں داخل ہوا۔ اس امید پر کہ شاید شیبا اب اصل حالت میں ہو' لیکن فولادی ڈھانچہ اسی جگہ کھڑا تھا جہاں وہ کل چھوڑ گیا تھا۔ غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا وہ باہر نکل آیا اس نے آخری نگاہ سہراب کی قبر پر ڈالی اور جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ اب اس کوٹھی میں کیا رکھا تھا۔ کوٹھی سے نکلتے ہوئے اسے سہراب کے الفاظ یاد آئے اور

اس نے سوچا کہ چلو وہ کاغذات بھی دیکھ لئے جائیں جن کے بارے میں سہراب نے لکھا تھا۔ وہ خط کی نشاندہی سے اس قبر پر پہنچ گیا۔ قبر کے سرہانے اینٹ کا نشان موجود تھا' اس نے وہ جگہ کھودی اور وہ بکس برآمد ہو گیا جس میں کاغذات تھے۔

بکس کھولنے پر سہراب کی وصیت کے کاغذات نکلے جس میں اس نے اپنی بے شمار دولت بلا شرکت غیرے نوشیرواں کے نام کردی تھی اس کے ساتھ ہی سفید رنگ کی جلد والی ایک خوبصورت ڈائری بھی رکھی ہوئی تھی۔ نوشیرواں نے جلدی سے ڈائری اٹھائی۔ شاید اس میں ان الجھنوں کا حل موجود ہو' جو اس کو پاگل کئے دے رہی تھیں۔

اور اس کا اندازہ درست نکلا ڈائری میں سہراب نے اسے مخاطب کر کے لکھا تھا۔

"زندگی سے عزیز نوشیرواں۔

جہاں بھی رہو' خوش رہو۔

تمہاری جدائی کے یہ طویل دن جس طرح میں نے گزارے ہیں میرا دل جانتا ہے میں ایک محروم انسان ہوں' بیٹے انسان کی محبت میری قسمت میں نہیں ہے' میرا خیال ہے مرتے مرتے میں تمہیں اپنی حقیقت سے آگاہ کردوں۔ میں جیسی شکل و صورت کا انسان ہوں بیٹے تم دیکھ چکے ہو' میرے کردار میں بھی کبھی کوئی خامی نہیں رہی ہے لیکن نہ جانے لوگ مجھ سے نفرت کیوں کرتے رہے ہیں۔ پوری زندگی مجھے نفرت کے علاوہ اور کچھ نہ مل سکا۔ میرے بڑے بھائی' تمہارے والد بھی مجھ سے نفرت کرتے تھے حد تو یہ کہ میری ماں بھی مجھے نہ چاہتی تھی۔ ان لوگوں کی نفرت سے دل برداشتہ ہو کر میں غیر ممالک کو نکل گیا لیکن میری بدقسمتی تو میری ساتھ تھی میں نے ایک عورت سے شادی کی' اس کا نام شیبا تھا کچھ عجیب سے حالات میں شادی ہوئی تھی شادی ہوگئی لیکن میری بیوی نے پہلی ہی رات میرے منہ پر تھوک دیا وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ بے پناہ نفرت' اور چند ہی ماہ میں اس نے مجھ سے طلاق لے لی۔ میں نے اسے ہاتھ بھی نہ لگایا تھا شیبا کی نفرت کے بعد میں کسی عورت کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ کرسکا ہر عورت مجھ سے نفرت کرتی تھی لیکن اس میں میری کیا خطا تھی میں نے اپنی خامیاں تلاش کیں لیکن ایک بھی خامی تلاش کرنے میں ناکام رہا' میرے اندر ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے مجھ سے ایسی شدید نفرت کی جائے۔

تم جوان ہو چکے ہو بیٹے' میری محرومی کو سمجھ سکتے ہو' میں بھی جوان تھا میرے دل

میں بھی آرزوئیں تھیں لیکن ان آرزوؤں کی تکمیل کبھی نہ ہوسکی۔ کئی عورتیں میری زندگی میں آئیں لیکن مجھے ہمیشہ نفرت سے دیکھا تھا کسی نے مجھ سے محبت نہ کی اور میں محبت کو ترستا رہا' میں کسی عورت کی مسکراہٹ کو ترستا رہا' میرے بازو کسی جوان جسم کو بھینچنے کے لئے تڑپتے رہے لیکن کوئی نہ تھا جو مجھے اپنا لیتا۔

اور اس محرومی نے مجھے انسانوں سے بیزار کردیا میں نے کافی دولت جمع کرلی تھی لیکن بیکار' میں اس دولت کا کیا کرتا جب کسی کو مجھ سے محبت ہی نہیں تھی اور میں آدم بیزار ہو گیا میں نے ویرانے اپنا لئے۔ میں نے سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی بیٹے لیکن اب مجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ میں صرف موت کا منتظر تھا میں اب صرف قبر کی آغوش میں جانا چاہتا تھا لیکن مجھے خوف تھا کہ زمین بھی مجھے قبول کرے گی یا نہیں۔

پھر میں نے اپنے بھائی کی موت کی اطلاع سنی' مجھے تمہارے بارے میں خبر ملی میں تڑپ گیا۔ میں نے ویرانے خیرباد کہہ دیئے اور تمہارے پاس آگیا میں نے تمہیں حاصل کر کے جیسے ساری دنیا کی دولت پالی تھی۔ مجھے یقین تھا تم مجھ سے محبت کرو گے اور جب تم میرے سینے سے چمٹ کر سوجاتے تھے تو مجھے لاانتہا سکون محسوس ہوتا تھا۔

میرے بچے' میں عورت کی آغوش سے محروم انسان تھا اس محرومی نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا تب میں نے ایک اسکیم سوچی اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے اپنی تمام تر سائنسی صلاحیتوں کو صرف کر کے ایک فارمولے پر کام شروع کردیا۔ میں ایک عورت بنانا چاہتا تھا ایک مکمل عورت ایک روبوٹ جو حسین ترین ہو' جو مجھ سے محبت کرے جو محبت سے مجھے اپنی آغوش میں لے لے اور میں نے اس ویرانے میں کوٹھی بنا کر کام شروع کردیا۔ میں دنیا سے الگ تھلگ رہ کر اپنی محبوبہ کی تشکیل کرنا چاہتا تھا اور نوشیرواں میں اس میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اپنی پسند کو سامنے رکھ کر ایک عورت بنائی۔ حسین ترین عورت' جذبات سے بھرپور عورت' میں نے اس روبوٹ کو ایک نوجوان لڑکی کے ذہن کی مکمل یادداشت بخش دی' میں نے اسے محبت کی یادداشت دی' میں نے اسے گرم جذبات دیئے یوں سمجھو کہ وہ ایک مکمل عورت تھی۔ جذبات سے بھرپور' صرف اس کے اندر روح نہیں تھی باقی وہ مکمل تھی اور اس عورت کو بنا کر میں نے جیسے دنیا جہاں کی دولت پالی' اس دوران تم مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے میں تمہاری وجہ سے

فکر مند تھا پریشان تھا لیکن میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس تخلیق کی آغوش میں' میں تمہیں بھی بھلادوں گا اور پھر ایک رات وہ عورت مکمل ہوگئی میں نے اس کا نام اپنی بیوی کے نام پر شیبا رکھا اور.......... نوشیرواں وہ رات میرے لئے مسرتوں کی رات تھی مجھے محسوس ہورہا تھا جیسے میں پھر سے جوان ہوگیا ہوں میری شادی ہوئی ہے اور میں پہلی بار حجلہ عروسی میں جارہا ہوں' میں حجلہ عروسی میں گیا میں نے شیبا کو اپنی آغوش میں لے لیا لیکن نوشیرواں' میری بدنصیبی کی داستان غور سے سنو' میں نے اس حسین تخلیق کے ہونٹ چومنے چاہے تو اس نے نفرت سے ناک سکوڑلی' اس نے منہ پھیرلیا اس نے اپنا جسم میرے سپرد کردیا تھا' کیونکہ میں نے اسے مکمل جذبات دیئے تھے لیکن یہ جذبات دیتے وقت میں نے خیال نہ رکھا تھا کہ اس میں صرف پسند کا جذبہ رکھوں' خود اس کی اپنی کوئی رائے نہ ہو' اس کی اپنی رائے تھی کیونکہ وہ ایک مکمل عورت تھی اور اس عورت نے اپنی رائے کا اظہار کردیا وہ میری محکوم تھی لیکن اس کی پسند آزاد تھی۔

اور نوشیرواں یہ میرے لئے آخری تازیانہ تھا میں اس صدمے کو برداشت نہ کرسکا اور میں نے خودکشی کا فیصلہ کرلیا۔ میں پروگرام بناچکا ہوں کہ ایک ذریعے سے اپنی لیبارٹری میں خودکشی کرلوں' مجھے اب شیبا سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ میں اسے اسی طرح لیبارٹری میں چھوڑ دوں گا حالانکہ اس کا میکنزم میرے قبضے میں ہے میری لیبارٹری کے ایک حصے میں ایک گول مشین ہے کسی بحری جہاز کے اسٹیرنگ کی طرح اگر میں اسے گھمادوں تو شیبا کا حسین جسم دھواں بن جائے گا' وہ لیبارٹری سے نکل بھی نہیں سکتی کیونکہ اس کی یادداشت میں یہاں سے باہر نکلنے کا مادہ نہیں ہے۔" یہ ہے مجھ بدنصیب کی داستان خدا کرے تم کسی محرومی کا شکار نہ ہو۔

تمہارا بدنصیب چچا
سہراب۔

☆======☆======☆

مجرم ضمیر

ضمیر کے قیدی ایک انسان کی عبرتناک کہانی۔
اس کے ضمیر کی کسک اسے بچھو کے لگاتی تھی۔
اسے موت بھی قبول نہیں کرتی تھی اور وہ اپنے ضمیر
کی عدالت میں کھڑا اپنی ہی آگ میں سلگ رہا تھا۔

جنون کا طویل ترین دور ختم ہوگیا۔ جنگ بند ہو چکی تھی لیکن بے شمار افراد کے لئے ابھی جنگ بند نہیں ہوئی تھی۔ میجر نواب کی اس ٹکڑی کو جس میں چند افراد ہی زندہ بچے تھے ریڈیو پر واپسی کی ہدایت مل گئی تھی۔ میجر جہاندیدہ انسان تھا۔ اپنے قافلے کو اس نے مستعد رکھا تھا اور کہا تھا۔

”اس بات کا امکان ہے کہ ابھی لڑنے والے تمام فوجیوں کو جنگ بندی کی اطلاع نہ ملی ہو۔ چنانچہ کسی بھی وقت کوئی انہونی ہو سکتی ہے اس لئے محتاط رہا جائے۔“ اور انہونی ہوگئی تھی۔ مشرقی برما کے پہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے چھ جاپانی بمبار اس قافلے پر آپڑے تھے اور ایسی بمباری کی انہوں نے کہ پورا قافلہ نیست و نابود ہوگیا تھا۔ نہ جانے میجر نواب کی زندگی کس طرح بچ گئی۔ اسے ہوش آیا تو وہ ایک الٹی ہوئی گاڑی کے نیچے پڑا تھا اور چونکہ اس کی پشت پر گاڑی کا سائبان تھا اس لئے زندگی بچ گئی تھی لیکن بدن کے بہت سے حصوں میں تکلیف ہو رہی تھی۔ گاڑی کے نیچے سے نکل کر اپنا جائزہ لیا لیکن کوئی بھی زخم خطرناک نہیں تھا جب کہ اس کے چاروں سمت تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا ایک بھی ساتھی زندہ نہیں بچا تھا۔ جیپیں بری طرح جل کر راکھ ہوگئی تھیں اور ان میں پھنسی ہوئی لاشوں کی چراند چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ ہوائیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ میجر نواب نے یہ بھیانک منظر دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ان چند سالوں میں اس نے اس کے علاوہ اور دیکھا بھی کیا تھا۔ اسے تو اپنے ساتھیوں کی موت کا بھی افسوس نہیں تھا کیونکہ مسئلہ اب اپنی تنہا زندگی کا تھا۔ یہ جگہ اب بھی محفوظ نہیں تھی کسی بھی وقت موت آکر دبوچ سکتی تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ چاروں طرف ویران صحرا بکھرا ہوا تھا۔ جن لوگوں کو اس علاقے سے نکلنے کا راستہ معلوم تھا وہ مر چکے تھے۔

اس نے ایک ایک جیپ کا جائزہ لیا۔ ساری گاڑیوں میں صرف وہی گاڑی ایسی تھی جو کسی حد تک محفوظ تھی جس کے نیچے وہ دبا ہوا تھا لیکن الٹی ہوئی گاڑی کو سیدھا کرنا اس

کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے اطراف میں بھاگ دوڑ کر ایسی چیزیں تلاش کیں جو اس سفر میں اس کے کام آسکتی تھیں۔ کھانے پینے کی اشیاء' ہلکے ہتھیار جنہیں ضرورت پڑنے پر استعمال کیا جاسکتا تھا اور ان چیزوں کو لے کر چل پڑا۔ راستوں کا کوئی تعین نہیں تھا ظاہر ہے وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ طویل طویل میدان جن میں کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ نظر آجاتے لیکن شام کے دھندلکے سے صبح ہونے تک یہ جھنڈ اسے خوفزدہ کرتے رہتے تھے۔ ہر آہٹ پر یہی محسوس ہوتا تھا کہ ناواقف جاپانی نکل آئے ہیں۔ میجر نواب کو ذاتی طور پر ان جاپانیوں کی بے جگری اور جان فروشی کا پورا پورا اعتراف تھا۔ غالباً اتحادیوں نے اس بارے میں کبھی غور بھی نہیں کیا ہوگا کہ کھلونے بنانے والا جاپان اس طرح جنگ کرے گا۔ ہیروشیما اور ناگا ساکی تباہ نہ کردیئے جاتے تو غالباً جاپانیوں کی اس یلغار کو سنبھالنا اتحادیوں اور خاص طور پر امریکیوں کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ جاپان ایک نئے روپ میں ہی سامنے آیا تھا۔ جنگ کے وہ ہولناک مناظر جن میں میجر نواب کی کمپنی کو جاپانیوں سے سابقہ پڑا تھا۔ شاید مرتے دم تک نہیں بھولے جاسکتے تھے۔ میجر نواب سفر کرتا رہا کئی بار فوجی طیارے اس کے اوپر سے گزر گئے۔ کس کے تھے اور کہاں جارہے تھے؟ اس کا اندازہ ممکن نہ تھا سفر اور بے مقصد سفر نامعلوم منزل کی جانب جسمانی قوتیں رفتہ رفتہ ساتھ چھوڑتی جارہی تھیں۔ دوران سفر جو احساس سب سے زیادہ تھا وہ تنہائی کا تھا۔ اگر ایک کے بجائے دو افراد ہوتے تو شاید اس قدر ویرانی کا احساس نہ ہوتا۔ اس کی نگاہیں دن کی روشنی میں چاروں طرف بھٹکتی رہتی تھیں۔ اس امید پر کہ شاید کوئی اس جیسا ہی نظر آجائے غالباً ان ویرانوں میں اس کے سفر کا یہ چوتھا دن تھا۔ رات خاصی گرم تھی لیکن یہاں درخت بھی نظر آجاتے تھے جن کے نیچے تھوڑی دیر تک آرام کرلینے سے ذہنی کیفیت بحال ہوجاتی تھی۔ میجر نواب ایک درخت کے تنے سے کمر ٹکائے بیٹھا ان ہی خوابوں میں گم تھا کہ دفعتاً اسے کچھ آہٹیں سنائی دیں اور میجر نواب کسی سانپ کی طرح چونک کر سیدھا ہوگیا۔ یہ آہٹیں موت کی آہٹیں بھی بن سکتی تھیں۔ اس نے اپنا سانس تک روک لیا اور اپنی سماعت کی پوری قوت کے ساتھ ان آہٹوں کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی تجربہ کارانہ صلاحیتیں جاگ اٹھی تھیں اور تھوڑی دیر ہی کے بعد اس نے محسوس کرلیا کہ کوئی انسان کم از کم دس یا پندرہ گز کے فاصلے پر ضرور موجود ہے۔ وہ اب یہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہا تھا کہ وہ تنہا ہے یا ایک سے زیادہ افراد ہیں۔

اس کا پستول اس کے ہاتھ میں آگیا۔ انگلی ٹرائیگر پر تھی کسی بھی لمحے وہ دشمن کو ٹھکانے لگانے پر آمادہ تھی۔ ساری تھکاوٹ دور ہوگئی اور یہ ایک فوجی کی شان ہے بالآخر اس نے جب یہ محسوس کیا کہ دوسری طرف کوئی خاص تحریک نہیں ہوئی تو خود اس نے اپنے طور پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا کہ لمبی ٹارچ کو چیک کیا پستول مستعدی سے پکڑا پھر گھٹنوں اور کہنیوں کے بل اس سمت رینگ نکلا۔ جدھر سے اس نے آواز کا اندازہ لگایا تھا۔ اسے تقریباً پندرہ گز تک اسی انداز میں آگے بڑھنا پڑا تھا۔ یہاں بھی درختوں کا ایک چھوٹا سا جھنڈ تھا اور اس جھنڈ کے درمیان سے اسے ایک انسانی پاؤں نکلا ہوا نظر آرہا تھا۔ غالباً یہی وہ شخص تھا جس کی آوازیں اور کراہیں اس نے سنی تھیں۔ اس وقت اس نے یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ وہ کراہ رہا تھا۔ بس اسے یہ ہی محسوس ہوا تھا کہ کوئی انسان ہے جس کے منہ سے آوازیں نکل رہی تھیں۔ میجر نواب نے چند لمحات سوچا۔ ٹارچ روشن کرنا مناسب نہیں تھا کیونکہ دشمن مسلح بھی ہوسکتا تھا کوئی ایسا ہی عمل کرنا چاہئے کہ دشمن پر برتری حاصل ہوجائے اور اس بات کا تو وہ اب یقین کرچکا تھا کہ وہاں جو کوئی بھی ہے تنہا ہی ہے۔ اس نے ٹارچ جیب میں رکھی۔ پستول بھی اس طرح رکھ لیا کہ ایک لمحہ کی کوشش میں نکالا جاسکے اور چھپکلی کی طرح چلتا ہوا آگے بڑھا اور اس جھنڈ کے قریب پہنچ گیا۔ دفعتاً اس نے جھک کر اس پاؤں کو پوری قوت سے پکڑا اور ایک زوردار جھٹکے سے اسے کھینچ لیا۔ ایک انتہائی دلخراش چیخ اس کے کانوں سے ٹکرائی اور اس کے ساتھ ہی کچھ الفاظ بھی' دوسرے ہی لمحے پستول کی آوازیں ابھریں' لیکن گولیاں میجر نواب کے آس پاس سے گزر گئی تھیں۔ میجر نواب نے پھرتی سے پیچھے ہٹ کر اپنا پستول نکال لیا اور اس کا رخ اس شخص کی طرف کرکے بولا۔

"خبردار! پستول پھینک دو۔ اگر تم نے ایک بھی گولی چلائی تو میں تمہاری پیشانی کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔" دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا لیکن پھر چند لمحات کے بعد میجر نواب کو ایک جملہ سنائی دیا۔

"کیا تم اتحادی ہو؟"

"اور تم!" میجر نواب نے سوال کیا۔

"میں بھی اتحادی ہوں۔ کمپنی ۸۳ مشن ٹو برما! میجر امیرالدین۔" اس شخص نے جواب دیا اور میجر نواب نے پستول جیب میں رکھ لیا۔

"ویری سوری ڈیئر! لیکن تم سمجھتے ہو کہ یہ سب کچھ ہم لوگوں کے لئے بہت ضروری ہے۔" میجر نواب نے اس بار اردو میں یہ جملے ادا کئے تھے۔ اس شخص نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ پھر اس نے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"نواب احمد! میں بھی میجر ہوں۔"

"اوہ! میجر! میری دونوں ٹانگیں زخمی ہیں۔ اٹھ نہیں سکتا۔ پلیز مجھے سہارا دو۔" میجر نواب کے دل میں ہمدردی جاگ اٹھی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ شخص اس کا ہم مذہب اور ہم نسل تھا کوئی غیر ملکی نہیں تھا میجر نواب نے اسے بڑی محبت سے اٹھا کر درخت کے تنے سے ٹکا کر بٹھادیا اور پھر اس کی ٹانگوں کے زخم دیکھنے لگا۔ پنڈلی کی ہڈیاں گولیوں سے چور چور ہوگئی تھیں۔ اسے حیرت تھی کہ یہ شخص زندہ کیوں ہے؟ ٹارچ کی روشنی میں اس نے اس کا جائزہ لیا تھا ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ بھاری تن و توش کا مالک تھا۔ چہرے پر ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے نواب کو دیکھ رہا تھا میجر نواب نے ہمدردانہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر گردن ہلا کر بولا۔

"افسوس! میرے پاس اس وقت بینڈج کا سامان نہیں ہے۔ تاہم میں تمہارے زخموں کو مضبوطی سے کسے دیتا ہوں۔ ممکن ہے تمہیں کچھ سکون ہو۔"

"شکریہ میجر!" اس نے مختصراً کہا اور میجر نواب حتی الامکان کوشش کرنے لگا کہ اس کی ٹانگوں کی تکلیف میں کچھ کمی واقع ہوجائے پھر میجر نواب اس کے پاس بیٹھ گیا اس نے کھانے پینے کی چند اشیاء نکال کر میجر امیرالدین کو کھلائیں اور میجر امیرالدین نے اس کا دلی شکریہ ادا کیا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے امیرالدین کہ جنگ بند ہوچکی ہے؟"

"نہیں' کیا ایسا ہوچکا ہے؟"

"ہاں! کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ناگا ساکی اور ہیروشیما پر امریکہ نے ایٹم بم گرائے ہیں۔"

"آہ! مجھے معلوم نہیں لیکن ایٹم بم............"

"ہاں! یہ دونوں شہر صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہوگئے ہیں۔" میجر امیرالدین خاموش ہوگیا۔ پتا نہیں اس کے انداز میں کرب تھا یا خوشی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں کوئی تبصرہ

نہیں کیا تھا۔ تب میجر نواب نے پوچھا۔

"تم میجر ہو؟"

"ہاں! میں اپنی کمپنی کے ساتھ برما کے ان ہی مشرقی محاذوں پر لڑ رہا تھا۔ جاپانی اگر میرے دشمن نہ ہوتے تو تم یقین کرو کہ میں ان سے بے پناہ محبت کرتا۔ بڑی عجیب وغریب قوم ہے۔ انتہائی جانباز اور اپنے مقصد کے لئے مرمٹنے والی۔ معاف کرنا میجر! پتا نہیں اس سلسلے میں تمہارے جذبات کیا ہوں لیکن میں ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"میں تم سے بالکل متفق ہوں امیرالدین۔" نواب نے کہا۔

اور اس کے بعد وہ اپنی اپنی کارروائیوں کی تفصیلات ایک دوسرے کو سناتے رہے۔ میجر نواب نے محسوس کیا میجر امیرالدین.......... نوجوان اور خوبصورت ہونے کے علاوہ بے جگر بھی ہے۔ ورنہ ان شدید زخموں کے بعد اس کے لہجے میں زندگی نہیں پائی جاسکتی تھی لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے زخموں کو اہمیت ہی نہ دے رہا ہو۔ تھوڑی دیر تک وہ گفتگو کرتے رہے پھر میجر نواب نے کہا۔

"بس زیادہ گفتگو تمہارے لئے خطرناک ہوسکتی ہے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اب تم تھوڑی دیر کے لئے سوجاؤ میں تمہارے پاس موجود ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ ہم دونوں کی تنہائی دور ہوگئی۔" میجر امیرالدین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"میجر! میں ذرا بے وقوف قسم کا انسان ہوں۔ کچھ کہوں گا تم سے تو یقیناً میری دماغی صحت پر شبہ کرو گے لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں اپنے دل کا حال سناؤں۔"

"ہاں ہاں ضرور سناؤ۔"

"میجر! یہ زخم میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ میں ان ویرانوں میں تنہا پڑا ہوا تھا لیکن کیا تم اس بات پر یقین کرسکتے ہو کہ میں اس بات پر اپنا ایمان رکھتا ہوں کہ میں زندہ سلامت اپنے گھر پہنچوں گا میں زندہ رہوں گا۔ میں یقیناً زندہ رہوں گا۔ یہ میرا عزم ہے۔"

"ویری گڈ! ایک فوجی ہی نہیں بلکہ ایک بہادر انسان ہونے کی حیثیت سے میں تمہیں سلام کرتا ہوں۔ یقیناً تم زندہ اپنے گھر پہنچو گے دنیا کی کوئی قوت تمہیں تمہارے اس عزم سے نہیں ہٹاسکتی۔"

"شکریہ میجر! تم نے مجھے احمق نہیں کہا۔"

"یہ کوئی حماقت کی بات نہیں ہے، عزم کے سامنے تو دنیا کی کوئی طاقت ٹک ہی نہیں سکتی ہے۔" میجر نواب نے اس کی ہمت بڑھائی۔ دل ہی دل میں وہ اس بات پر افسردہ تھا کہ امیرالدین جو کچھ کہہ رہا ہے وہ ہو نہیں سکتا۔ اس کی ٹانگوں کے زخم آسانی سے ٹھیک ہونے والے نہیں تھے۔ ہڈی کئی جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ جب تک کہ کسی بہترین اسپتال میں اس کی نگہداشت نہ ہو اس وقت تک اس کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس کی زخمی ٹانگیں اس کے جسم سے منسلک رہ سکیں گی۔ اگر اسے زندگی ملی تو صرف اس بنیاد پر ملے گی کہ اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ دی جائیں تاہم وہ اس کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسے پُرعزم نوجوان کے لئے مایوسی کی باتیں گناہ تصور کی جاسکتی تھیں۔ میجر نے اسے دلاسا دے کر سلادیا اور پھر خود اس کے پاس لیٹ گیا نیند نہیں آئی بلکہ وہ یہی سوچتا رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ فوجی اصول کے تحت ایسی حالت میں ملنے والے کسی زخمی کی مشکل آسان کرنے کے لئے اس کے ساتھ بہترین برتاؤ یہی ہے کہ چند گولیاں اس کے دل میں اتار دی جائیں تاکہ وہ زندگی کی اس بدترین تکلیف سے نجات پالے لیکن اس حسین نوجوان کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہوئے میجر نواب کو انتہائی دکھ ہوتا۔ دوران جنگ دشمن کے لئے کبھی اس کے دل میں رحم کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ وہی سب کچھ کرتا رہا جو اس کا فرض تھا۔ وہ دشمن تھا اور یہ دوست ہم نسل ہم مذہب.......... میجر کسی بھی طور پر اس کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرسکا۔ رات کے نہ جانے کون سے حصے میں اسے نیند آگئی۔

دوسری صبح جب وہ جاگا تو میجر امیرالدین درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ میجر نواب نے اس کا چہرہ دیکھا اور حیرت زدہ رہ گیا۔ اتنے شدید زخموں کے باوجود یہ نوجوان کتنا پُرسکون تھا اسے اپنے رات کے خیالات پر افسوس ہونے لگا۔ اگر جذباتی ہوکر وہ اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کر ڈالتا تو شاید اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرسکتا۔ یہ نوجوان تو واقعی پُرعزم تھا۔ امیرالدین نے میجر نواب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم جسمانی طور پر بالکل ٹھیک ہو میجر۔ کیا خیال ہے؟"

"ہاں! میرے جسم پر ہلکے ہلکے زخم ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی زخم ایسا نہیں جو مجھے شدت سے تکلیف دے۔"

"تو کیا یہ ممکن نہیں ہو گا میجر کہ جو کچھ میں کہوں تم اسے مان لو۔"

"کیا مطلب؟" میجر نواب نے تعجب سے پوچھا۔

"میجر! تم اپنی زندگی مجھ سے زیادہ آسانی سے بچا سکتے ہو تو کیوں نہ اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"تمہارا کیا خیال ہے امیرالدین کہ ایک انسان کا دوسرے سے اتنا ہی تعلق ہونا چاہئے اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا تم مجھے اسی طرح چھوڑ کر چلے جاتے۔"

"میجر! جذباتی نہ بنو۔ دیکھو میں اپنے عزم کو آزما رہا ہوں۔ میں کسی اور پر بھروسا کئے ہوئے ہوں۔ مجھے اپنے امتحان سے گزرنے دو تم میرے لئے کسی امتحان میں نہ پڑو۔ تم آسانی سے جا سکتے ہو مجھے کچھ دقت ہوگی۔"

"میں تمہاری اس دقت میں شریک ہونا چاہتا ہوں میجر امیرالدین.......... کون سے علاقے کے رہنے والے ہو تم؟" میجر امیرالدین نے اسے اپنے شہر کا پتا بتایا اور میجر نواب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے ظاہر ہے ہم یہاں سے سیدھے اپنے شہر نہیں پہنچ جائیں گے ہمیں کسی اتحادی کمپنی تک پہنچنا ہے اور اس کے لئے میں تمہاری ہر وہ ممکن مدد کروں گا جو مجھ سے ہو سکتی ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے لاد کر چلو۔"

"تو ٹھیک ہے میرے بدن میں اتنی طاقت ہے میجر کہ میں تمہیں اپنے شانوں پر اٹھا کر چلوں۔"

"میجر پلیز! تم میرے لئے اتنی تکلیف اٹھاؤ گے۔"

"نہیں امیرالدین! بچوں کی سی باتیں نہیں کرتے تم عمر میں مجھ سے چھوٹے بھی ہو۔" میجر امیرالدین خاموش ہو گیا اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات ابھر آئے تھے نواب اپنے جذبوں میں صادق تھا۔ اس کے دل میں اس وقت صرف انسانی ہمدردی تھی۔ چنانچہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے تیاریاں مکمل کیں اور پھر نوجوان میجر امیرالدین کو اپنے شانے پر لاد لیا۔ اس طرح وہ آگے بڑھنے لگا۔ سفر کی رفتار بہت سست تھی لیکن میجر نواب کو اس کام میں روحانی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک انسان کے ساتھ ہمدردی اور محبت وہ جذبہ ہے جسے تسخیر نہیں کیا جا سکتا اور میجر اسی جذبے سے

سرشار تھا۔

پورا دن سفر جاری رہا۔ گو رفتار بہت سست تھی اور وہ جگہ جگہ پڑاؤ ڈال دیا کرتے تھے.......... کیونکہ نوجوان میجر کافی وزنی تھا اور خود اسے بھی اس بات کا احساس تھا لیکن بہرطور رات ہونے تک وہ کافی سفر طے کر چکے تھے اور اس کے بعد جب میجر نواب سکون کی نیند سویا تو اسے بڑا لطف آیا۔ دوسرا دن بھی اسی طرح گزرا اور پھر تیسرا دن بھی۔ راستے بھر وہ لوگ گفتگو کرتے رہتے تھے۔ امیرالدین اس کے شانوں پر ہوتا۔ تیسرے دن امیرالدین نے صبح اس وقت جب میجر نواب روانہ ہونے کے لئے تیار تھا کہا۔

"میجر! تم مجھے ذرا سہارا دے کر زمین پر کھڑا کرنے کی کوشش کرو مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے میری ٹانگوں کی تکلیف کافی کم ہو گئی ہے۔ یہاں درختوں سے ہم دو بیساکھیاں بنا لیتے ہیں میرا خیال ہے سفر کی رفتار اس طرح سست ہو جائے گی لیکن ہم چل سکیں گے۔"

"میں تمہاری ذہنی حالت سمجھ رہا ہوں امیرالدین لیکن میں تمہارے زخموں کو دیکھ چکا ہوں۔ تکلفات میں نہ پڑو بس اگر تقدیر نے یاوری کی تو یقیناً ہمیں کوئی نہ کوئی فوجی قافلہ مل جائے گا اور پھر ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں رہے گی۔ اس وقت تک میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے دل سے تیار ہوں۔" میجر نواب کی ان باتوں پر امیرالدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے بھاری لہجہ میں کہا۔

"کاش! مجھے اس کا موقع ملے کہ میں تمہاری اس محبت کا صلہ تمہیں دوں۔"

"موقع ضرور ملے گا' اور اس وقت میں تم سے صلہ وصول کرنے میں بخل سے کام نہیں لوں گا۔" میجر نواب نے جواب دیا۔ جس علاقے میں وہ اس وقت تھے وہ گزرے ہوئے علاقے کی نسبت کافی سرسبز تھا۔ موسم میں بھی کچھ تبدیلی محسوس ہو رہی تھی اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ آسمان پر چاند نکل آیا تھا دونوں ہی اس علاقے کی آب و ہوا سے مسرور تھے۔ میجر نواب نے راستے میں جہاں بھی موقع ملا ایسی چیزوں کا انتخاب کر لیا جو کھانے پینے کے لئے استعمال کی جا سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ راستے میں جگہ جگہ انہیں پانی کے ذخائر بھی مل گئے تھے جنہیں میجر نواب نے حاصل کر لیا اور اس طرح انہیں اس سفر میں کم از کم کھانے پینے کی آسانیاں اب تک حاصل رہی تھیں۔ اس وقت ہوائیں بھی مسرور کن ہو گئی تھیں اور مناظر کافی دلکش تھے میجر نواب نے مسکراتے ہوئے امیرالدین کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"ایک سوال کروں امیرالدین۔"

"جی میجر! ضرور!"

"شادی ہو چکی ہے تمہاری؟"

"جی نہیں! ابھی نہیں۔"

"گھر جا کر کیا کرنے کا پروگرام ہے؟"

"گھر! میجر! میں اس تصور کو دور رکھنا چاہتا ہوں گھر کا تصور ہی اتنا سکون بخش ہوتا ہے کہ انسان کے اعضا پر خواہ مخواہ تھکاوٹ سوار ہو جاتی ہے۔ ابھی ہم سفر کی منزل میں ہیں میجر۔ براہ کرم گھر کے بارے میں نہ سوچئے۔"

"یہ بات نہیں دوست! ایک مقصد' ایک تصور ہی تو انسان کو زندہ رکھتا ہے تم نے کسی عزم کی بات کی تھی مجھ سے کیا تم اس بات سے انکار کرسکتے ہو کہ اس عزم نے تمہیں ناقابل تسخیر بنا دیا ہے اور تم اس عزم کے سہارے اپنی تمام تکلیف کو بھولے ہوئے ہو؟"

"آپ شادی شدہ ہیں میجر؟"

"بھئی اس کا اندازہ تو تم میری عمر سے ہی لگا سکتے ہو۔ میں نہ صرف شادی شدہ ہوں بلکہ میرے دو بچے بھی ہیں۔ ایک بیٹا ایک بیٹی' محبت کرنے والی بیوی ہے اور بھی اہل خاندان ہیں۔ چھوٹی سی ذمہ داری ہے میری۔ ایک پورا بھرا پُرا کنبہ چھوڑ کر محاذ جنگ پر آیا تھا۔ پتا نہیں کتنے ہاتھ میرے لئے دعا کے لئے اٹھے ہوں گے۔ تب ہی مجھے کہیں زندگی ملی ہے۔"

"دعاؤں سے تو میں بھی مالا مال ہوں میجر۔ یقین کرو یہی دعائیں میرے زخموں کا مرہم بن گئی ہیں اور ان ہی دعاؤں کی وجہ سے میرے دل میں یہ عزم زندہ ہوا ہے۔ میجر دل تو نہیں چاہتا کہ احترام کے وہ رشتے عبور کروں جو میرے اور تمہارے درمیان قائم ہیں لیکن شاید یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کچھ کہنا چاہتا ہے اس وقت تمہارے سوالات پر یہ خواہش میرے دل میں بھی ابھر آئی ہے۔"

"تو پھر تکلف نہ کرو۔" میجر نواب نے نوجوان کی حسین آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا جن میں نہ جانے کیسے کیسے مناظر ابھرتے آ رہے تھے۔

وہ دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر اس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک تصویر جسے

جگہ جگہ سے جوڑ کر مکمل کیا گیا تھا' نکالی اس تصویر کے پیچھے ٹیپ لگے ہوئے تھے ایک نوجوان لڑکی کی تصویر تھی جس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے اٹکے ہوئے تھے۔ اس نے وہ تصویر میجر نواب کے ہاتھ میں تھمادی۔

"اسے دیکھو میجر! یہ نجمہ ہے میرے دور کی عزیز کی بیٹی.......... میری منگیتر۔ ہماری کہانی بھی عام کہانیوں سے مختلف نہیں ہے میجر نواب بچپن سے میں اور نجمہ ساتھ رہے تعلیم کے حصول کے لئے مجھے اس سے جدا ہونا پڑا لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کی یاد کے سہارے وقت گزارتے رہے۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کو پانے کی خواہش تھی۔ ہم اپنے مستقبل کے بہت سے راستے طے کرچکے تھے بہت کچھ سوچا تھا ہم نے اپنے مستقبل کے بارے میں۔ حالات میں کوئی ایسی رکاوٹ نہیں تھی جو ہمارے لئے پریشانی ہوتی لیکن تقدیر کو اپنا کھیل ضرور دکھانا تھا۔ چنانچہ ہمارے.......... والدین کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ کوئی جائیداد کا ہی مسئلہ تھا جس میں میرے اور نجمہ کے والدین ملوث تھے یہاں تک کہ صورت حال اس حد تک بگڑ گئی کہ ہمارے سنبھالے نہ سنبھل سکی۔ نجمہ کے والد نے میرے والد پر مقدمہ قائم کردیا اور ان دونوں کے درمیان خاصا تنازعہ کھڑا ہو گیا نجمہ ایک سادہ لوح لڑکی تھی۔ وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کہہ سکتی تھی لیکن میں نے اپنے والد کو مجبور کیا کہ وہ جائیداد کا تنازعہ حل کرلیں۔ میرے والد ویسے بھی صلح جو انسان تھے اور پھر اس رشتے کو وہ بھی پسند کرتے تھے اور قائم رکھنا چاہتے تھے لیکن نجمہ کے والد انتہا پسند تھے اور کچھ اس طرح بگڑ گئے تھے کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہے تھے۔ اسی دوران مجھے فوج میں کمیشن مل گیا اور میں تربیت پر چلا گیا لیکن میں نے یہ مصالحتی سلسلہ جاری رکھا۔ میرے والد میری ہر بات ماننے کو تیار تھے لیکن جیل جانا انہیں منظور نہیں تھا اور نہ ہی میں یہ چاہتا تھا۔ بہرطور سالہا سال گزر گئے بزرگوں میں جو کچھ بھی تھا وہ اپنی جگہ تھا لیکن ہماری محبت میں کسی بھی واقعے سے کوئی خلل نہیں پیدا ہوا۔ نجمہ اس بات پر متفق تھی کہ حالات کچھ بھی ہوں ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھی بنیں گے اور ہم اپنے اس عزم کو زندہ رکھے رہے۔ بزرگوں کا تنازعہ ختم نہیں ہوا۔ مجھے فوجی ملازمت پر طلب کرلیا گیا اور بالآخر میں محاذ پر پہنچ گیا۔ ابتدا ہی سے میں مصروف تھا نواب صاحب' مجھے جنگی اعزازات ملتے رہے۔ نجمہ کے خطوط بھی کبھی کبھی مجھے مل جاتے تھے میں جانتا تھا کہ ان میں اسے کتنی دقت پیش آتی ہوئی۔ اس لئے مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ یہ

اب سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے نجمہ کے خطوط تقریباً ایک سال سے مجھے نہیں ملے تھے اور میں اس کے لئے پریشان تھا۔ ہمارے ہی علاقے کا ایک نوجوان میرے ساتھ میری کمپنی میں شریک ہوگیا۔ یہ میری ہی بستی سے آیا تھا اسے دیکھ کر مجھے بے حد مسرت ہوئی اس نے مجھے اپنے حالات سناتے ہوئے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو فوج میں ملازمت مل گئی ہے اور اسے محاذ پر تربیت کے لئے بھیج دیا گیا ہے۔ میں نے نجمہ کے گھرانے کے حالات پوچھے تو نوجوان نے مجھے بتایا کہ نجمہ کی شادی ہونے والی ہے۔ تمام تیاریاں ہوچکی ہیں اور ایک ہفتہ کے اندر اندر اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوجائے گی جسے میں بھی جانتا تھا میری دنیا تاریک ہوگئی تھی۔ نواب صاحب! مجھے اس شخص کی بات پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس نے جو تفصیلات مجھے بتائیں اس کے بعد یہ یقین کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں پیش آئی کہ نجمہ بھی بالآخر میرا انتظار کرتے کرتے تھک گئی یا پھر اسے مجبور کردیا گیا کہ وہ والدین کا کہنا مانے لیکن میرے خیال میں یہ نجمہ نے مجھ سے غداری کی ہے۔ میری ساری امنگیں اس نے خاک میں ملادی تھیں برباد کردیا تھا مجھے اور اس بربادی پر نہ جانے میں نے کیا کیا سوچ ڈالا۔ میں نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر محاذ جنگ سے زندہ واپسی ہوئی تو پہلے اپنی بستی نہیں جاؤں گا بلکہ نجمہ کے گھر جاکر اس کے بدن کے ٹکڑے کرڈالوں گا۔ اس کے علاوہ میری زندگی میں اور تھا ہی کیا اور اس کے بعد نواب صاحب تقریباً تین ماہ میں نے شدید کرب کے عالم میں گزارے۔ نجمہ کی یہ تصویر میں نے شدت غضب میں آکر ریزہ ریزہ کرڈالی تھی لیکن نہ جانے کیوں میں اسے پھینک نہیں سکا یہ غصے کا عالم تھا۔ یہ تصویر میرے کسی لباس میں محفوظ رہ گئی تین مہینے کے بعد اسی نوجوان کا دوسرا بھائی جو میری ہی بستی سے آیا تھا مجھ سے ملا میں نے اس سے بستی کے حالات پوچھے تو اس نے مودبانہ انداز میں مجھے نجمہ کی کہانی سنائی۔ اس نے کہا۔

"جی ہاں میجر صاحب! نجمہ کی بارات آئی تھی۔ مہمان جمع ہوچکے تھے جب ایجاب وقبول کے وقت وکیل اور گواہان نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ کسی جبر و کراہ کے بغیر فلاں شخص کو اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کرتی ہے تو اس نے انکار کردیا۔ اس نے کہا کہ ایجاب وقبول کا یہ ڈھونگ رچانا بیکار ہے۔ اس کی تقدیر کا فیصلہ اس کے والدین نے کیا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کیا ہے چنانچہ وہ ہاں کہہ کر اپنے ضمیر کو داغ دار نہیں کرسکتی۔ لوگ اس کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کرتے رہیں وہ ایک بے جان لاش کی

مانند بیوی بننا قبول کرے گی۔ یہ بات فوراً ہی منظرِ عام پر آگئی۔ قاضی صاحب نے نکاح پڑھانے سے انکار کردیا۔"

"عین شادی کے وقت نجمہ نے میرا نام اونچا کردیا تھا آپ غور کیجئے نواب صاحب! کہ اس لڑکی کو کیوں نہ چاہا جائے جس نے وفا نبھائی میں نے اس شکستہ تصویر کو بڑی چاہ سے دوبارہ جوڑ لیا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب میں واپس اپنی بستی میں جاؤں۔ نواب صاحب! یہی عزم مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے اور آپ یقین کیجئے کہ میں واپس جاؤں گا نجمہ سے ملوں گا اور اسے اپنالوں گا۔ یہ میرا عزم ہے نواب صاحب۔ اب آپ بتایئے میں زندہ رہوں گا یا نہیں؟"

"تم زندہ رہو گے یقیناً رہو گے۔" میجر نواب نے متاثر لہجے میں کہا۔

اس رات میجر امیرالدین بے حد خوش تھا۔ آدھی رات کے قریب اس نے میجر نواب سے کہا۔

"میجر نواب! اگر میں آپ کو اپنی زندگی میں ایک فرشتہ کی حیثیت دوں تو غلط نہیں ہوگا۔ میں واقعی بے دست وپا پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں کیوں مجھے اس بات پر یقین تھا کہ میں ایک بار زندہ واپس ضرور جاؤں گا لیکن اس کا کوئی ذریعہ میرے ذہن میں نہیں تھا آپ نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ ایک چیز میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں نواب صاحب۔"

"وہ کیا؟" میجر نواب نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور میجر امیرالدین نے اپنے لباس کے مخصوص حصے میں بندھی ہوئی چمڑے کی ایک تھیلی نکال لی۔ اس نے تھیلی کا منہ کھول کر اپنی ہتھیلی پر تھیلی کے اندر رکھی ہوئی چیز الٹ لی۔ یہ انتہائی قیمتی اور چمکدار ہیرے تھے جن سے میجر نواب کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ میجر نواب نے عجیب سی نگاہوں سے ان ہیروں کو دیکھا وہ ہیروں سے اجنبی نہیں تھا اور جو ہیرے امیرالدین کے پاس موجود تھے وہ انتہائی قیمتی تھے۔ میجر نواب متحیرانہ نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے امیرالدین کی ہتھیلی سے ایک ہیرا اٹھا کر اسے آنکھوں کے قریب کرکے دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"آہ! یہ تمہیں کہاں سے ملے؟ یہ تو دنیا کے نایاب ترین ہیرے ہیں........."

"میرے ایک برمی دوست نے' ایک ایسے بوڑھے شخص نے جو دنیا چھوڑ رہا تھا تحفے

کے طور پر مجھے دیے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ یہ ہیرے اس کے لئے خاندانی نوادر کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ ان کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ میں نے اس بوڑھے شخص کے ساتھ اس وقت محبت اور انسانیت کا سلوک کیا تھا جب وہ دم توڑ رہا تھا۔ اس نے اپنی خوشی سے یہ ہیرے مجھے دیئے تھے میجر نواب! درحقیقت فوجی زندگی کے بعد بہت کچھ ملے گا میں نجمہ کے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز کروں گا لیکن نجمہ کو میں اس کی محبت کا اس کے اس پیار کا وہ صلہ دینا چاہتا ہوں جس سے وہ زندگی کے آخری لمحات تک خوش رہے۔ میں ان ہیروں کو فروخت کردوں گا نجمہ کے لئے ایک نئی زندگی تعمیر کروں گا۔ اسے دنیا دکھاؤں گا۔ میرے دل میں اس کے لئے بہت گنجائش ہے۔ میجر صاحب! آپ یقین کیجئے میں اس کے لئے ایک چمکتا مستقبل لے کر جارہا ہوں۔ آخر مجھے بھی تو اسے کچھ دینا ہی ہے نا اس نے جو مجھے اتنا کچھ دے دیا۔"

میجر نواب کے کانوں میں شاید امیرالدین کے الفاظ بھی صحیح طور پر نہیں آرہے تھے وہ تو ان ہیروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں طوفان برپا تھا۔ اتنے قیمتی ہیرے، اتنے اعلیٰ درجے کے ہیرے یہاں اس ویرانے میں ایک ایسے زخمی شخص کے پاس موجود ہیں جو اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتا۔ جو اس کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ ان ہیروں کا مالک ہے۔ اگر وہ ہیرے اس کی ملکیت بن جائیں تو؟ میجر نواب نے عجیب سی نگاہوں سے امیرالدین کو دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے امیرالدین! تم یقیناً اپنی محبوبہ کے لئے ایک سنہرا مستقبل لے کر جارہے ہو میں تمہیں اس کی مبارکباد دیتا ہوں۔"

"بے حد شکریہ میجر!" امیرالدین نے ہیرے واپس تھیلی میں ڈال لئے اور تھیلی اپنے پاس محفوظ کرلی اس کے بعد وہ دیر تک میجر نواب سے باتیں کرتا رہا۔

لیکن میجر نواب اب اس کا کوئی لفظ نہیں سن رہے تھے ان کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ ان کے ذہن میں صرف ایک ہی لگن پیدا ہوگئی۔ یہ ہیرے اس کی ملکیت ہونے چاہئیں۔ میجر ساری انسانیت بھول گیا۔ وہ تمام جذبے ہیروں کی چمک میں گم ہوگئے تھے جو اب تک امیرالدین کی زندگی بچانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ امیرالدین نے آنکھیں بند کرلیں اور میجر کچھ فاصلے پر بیٹھے اسے دیکھتے رہے۔ بہت غور و خوض کر رہے تھے وہ خود پر لیکن ہر تصور اسی راستے پر جاکر ختم ہوجاتا تھا کہ یہ ہیرے ان کی ملکیت

ہونے چاہئیں۔ امیرالدین کے گہرے گہرے سانس گونج رہے تھے اور پھر میجر نے ایک فیصلہ کیا۔ اس نے آہستہ آہستہ امیرالدین کے قریب پہنچ کر اس کے لباس میں ہاتھ ڈالا اور ہیروں کی وہ تھیلی اس جگہ سے نکال لی جہاں اسے محفوظ کیا گیا تھا۔ امیرالدین جاگ گیا۔ اس نے فوراً ہی میجر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی متحیرانہ آواز ابھری۔

"میجر۔"

"چھوڑ دو۔ ہیروں کی تھیلی میرے حوالے کردو۔" میجر نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میجر! میجر.......... یہ.......... یہ آپ کو کیا ہوگیا میجر..........!"

"ہیروں کی تھیلی میرے حوالے کردو امیرالدین یہ نایاب شے تمہارے پاس نہیں رہ سکتی۔ میں ان کا مالک ہوں تنہا۔ تم یہاں پڑے سڑتے رہو مجھے اب تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"آہ! میجر! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ!" امیرالدین کے منہ سے ڈوبتی ہوئی آواز نکلی۔ دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھالا اور نواب نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ امیرالدین اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا۔ اس نے میجر نواب کو بری طرح اپنی گرفت میں لے لیا۔

"یہ.......... یہ نہیں ہوسکتا میجر.......... یہ نہیں ہوسکتا۔ تم! تم جیسا فرشتہ ان ہیروں کے فریب میں نہیں آسکتا ہے! نہیں میجر ایسا نہ کہو ایسا نہ کہو۔" لیکن میجر نواب پر جنون سوار ہوگیا تھا وہ تندرست و توانا تھا امیرالدین زخمی تھا اس نے فوراً ہی عقب سے امیرالدین کی گردن پکڑ لی اور پھر اپنے لباس میں چھپا ہوا چاقو نکال کر امیرالدین کی پشت میں پیوست کردیا۔ وہ امیرالدین پر پے در پے وار کرتا رہا اور امیرالدین ہر وار پر چیخ کر یہی کہتا رہا۔

"نہیں میجر! نہیں! یہ تم نہیں ہو۔ یہ تم نہیں ہوسکتے۔ یہ میجر نواب نہیں ہوسکتا۔ جس نے جس نے.........." لیکن اس کی آواز جملے پورے نہیں کرسکی۔ چاقوؤں کے بے شمار وار اس پر ہوچکے تھے۔ وہ نڈھال ہوچکا تھا۔ میجر نواب نے اسے چھوڑ دیا۔ ہیروں کی تھیلی اس کے قبضے میں تھی اور اب وہ اس جگہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پشیمان نہیں ہونا چاہتا تھا چنانچہ رات کے اسی حصے میں وہ وہاں سے چل پڑا۔ ہیروں کی تھیلی اس نے اپنے اندرونی لباس میں پوشیدہ کرلی تھی اور اب اس کے ذہن میں ایک نئی ہی لگن تھی وہ ایک بار پھر تنہا رہ گیا جنگلوں اور پہاڑوں میں بھٹک رہا تھا لیکن اندر سے ایک آواز اسے مسلسل

اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں میجر! نہیں! میرا عزم ہے کہ میں زندہ رہوں گا میرا عزم مجھے زندہ رکھے گا۔ نہیں یہ تم نہیں ہوسکتے میجر! یہ تم نہیں ہوسکتے۔" میجر نواب پر ایسے وقت میں دیوانگی اور وحشت طاری ہوجاتی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر کہتا تھا۔

"نہیں! ہیروں کا مالک میں ہوں۔ اتنی نایاب شے کسی اور کے پاس نہیں۔ یہ میری ملکیت ہیں۔ یہ میری ملکیت ہیں۔" اور پھر اس واقعہ کے تقریباً چھ یا سات دن کے بعد ایک رات جب میجر ایک پہاڑی چٹان کے عقب میں لیٹا ہوا تھا۔ بہت دور سے روشنی نظر آئی اور وہ ان لوگوں کو غور سے دیکھنے لگا جو اس روشنی کی چھاؤں میں اِدھر اُدھر آجارہے تھے یقیناً کوئی فوجی ٹولی تھی۔ یقیناً کوئی کمپنی تھی کیا اتحادیوں کی! میجر نواب محتاط انداز میں اپنی جگہ سے اٹھے اور اس اتحادی ٹولی کے نزدیک پہنچ گئے جسے قریب جاکر انہوں نے پہچان لیا تھا۔ اتحادی کمپنی میں میجر نواب کی پذیرائی کی گئی اور اس کے بعد کے حالات میجر نواب کے لئے خواب کی سی اہمیت رکھتے تھے۔ اتحادی کمپنی مختلف الجھنوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوتی ہوئی بالآخر ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں سے اسے اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آسکتی تھی۔ میجر نواب بھی ان کے ساتھ تھے ہیرے انہوں نے انتہائی احتیاط سے چھپا رکھے تھے اور ان کے دل میں طرح طرح کے خیالات جنم لیتے رہتے تھے۔

بالآخر وہ دن آگیا جب میجر نواب اپنی بستی میں پہنچ گئے۔ ان کی آمد کی اطلاع ان سے پہلے بستی پہنچ چکی تھی بستی والوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ ان کی بیوی، بیٹے اور بیٹی نے والہانہ انداز میں ان پر پھولوں کی بارش کردی۔ سینے سے لگایا اور دیر تک ان سے چمٹے رہے۔ میجر نواب کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی۔ وہ مسرتوں کے گہوارے میں جھول رہے تھے۔ حکومت برطانیہ نے جو اس وقت ہندوستان پر مسلط تھی میجر نواب کو انعام میں کچھ اور زمینیں عطا کیں اور میجر نواب کی تقدیر کا ستارہ عروج پر پہنچ گیا۔

وہ ہیرے انہوں نے انتہائی حفاظت سے اپنے آبائی مکان کے ایک گوشے میں چھپا دیئے تھے اور فیصلہ کیا کہ مناسب طریقے پر ان کی فروخت کا بندوبست کریں گے ہیروں کی تاریخ انہیں معلوم تھی چنانچہ ان کی فروخت کے سلسلے میں کوئی خاص دشواری نہیں پیش آئی تھی اور پھر ان ہیروں کی فروخت کے لئے انہیں ایک بار لندن کا سفر کرنا پڑا۔ لندن

کی ایک بہت بڑی فرم میں جاکر انہوں نے ہیرے فروخت کئے اور دولت کے انبار لئے ہوئے واپس اپنی دنیا میں آگئے لیکن اس دوران ان کا ذہن کسی بھی وقت پُرسکون نہیں ہوسکا تھا۔ تنہا ہوتے ہی ایک عجیب سی خلش ان کے ذہن میں جاگزیں رہتی۔ انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی حادثہ ہونے والا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ اس دن وہ اپنی خوبصورت کوٹھی کے پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے کسی خیال میں ڈوبے ہوئے تھے کہ دفعتاً انہیں سامنے درختوں کے جھنڈ میں کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں۔ وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ شاید مالی تھا جو درختوں کو تراش رہا تھا۔ وہ نگاہیں جمائے ادھر دیکھتے رہے۔ دفعتاً ہواؤں نے ان کے کان میں ایک سرگوشی کی۔

"میجر نواب! نہیں یہ تم نہیں ہوسکتے۔ میجر نواب تم تو فرشتہ تھے۔ تم تو میرے لئے مسیحا بن کر پہنچے تھے۔ میجر نواب میں کبھی نہیں مروں گا میرا عزم زندہ ہے۔ میرا عزم مجھے زندہ رکھے گا۔" میجر نواب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ ان کے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا تھا اور وہ متوحش نگاہوں سے کسی مددگار کو تلاش کررہے تھے۔ یہ آواز ان کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ یہ آواز درختوں کے اسی جھنڈ کی طرف سے آئی تھی۔ وہ بری طرح بدحواس ہوکر بھاگے۔ ٹھوکر کھائی۔ نیچے گرے اور ایک پتھر ان کے سر میں لگ گیا جو ابھرا ہوا تھا۔ چاروں طرف سے ملازمین دوڑ پڑے تھے وہ میجر نواب کو اٹھا کر لے گئے۔ میجر نواب بے ہوش ہوگئے تھے۔ فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر نے ڈریسنگ کی لیکن میجر نواب کے اٹھ کر بھاگنے کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ دو دن تک میجر نواب کو سخت تکلیف رہی بخار بھی ہوگیا لیکن تیسرے دن ان کی کیفیت کچھ بہتر ہوگئی تھی۔ ان کی بیٹی حنا نے محبت بھرے لہجے میں ان سے پوچھا۔

"ابو! کیا ہوگیا تھا آپ کو؟ کیا بات ہوئی تھی!" بیٹے وقار نے پریشانی سے کہا۔

"آپ ابو! آپ! مجھے نارمل نظر نہیں آتے۔ کوئی ایسا احساس ضرور ہے آپ کے دل میں جو آپ کو بیٹھے بیٹھے بے چین کردیتا ہے کیا بات ہے ابو؟" میجر نواب کانپ کر رہ گئے۔ اپنے بچوں کو وہ کیا بتاتے کہ ذہن کے گوشوں میں کیا ہے لیکن انہیں مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جنگ کا طویل دور بے حد بھیانک ہے بیٹے میں ایسے ایسے حالات سے گزرا ہوں کہ اگر تمہارے علم میں آجائیں تو شاید تم بھی راتوں کو اٹھ کر چیخنے لگو۔ بس ایسے ہی کبھی

کبھی کچھ یاد آجاتا ہے تو دل پریشان ہو جاتا ہے۔ فکر مت کرو میں ٹھیک ہوں۔" میجر نواب کی حالت سدھر گئی۔ یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ میجر نواب اس دوران بہت ہی ہولناک واقعات سے گزرے ہیں چنانچہ ان کی یہ کیفیت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ سب ہی ان کی دلجوئی کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے میجر نواب نے اس دوران اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا لیکن درختوں کے جھنڈ سے جو پُراسرار آواز ان کے کانوں میں گونجی تھی وہ آج تک اسے نہیں بھولے تھے۔

کئی ماہ گزر گئے اور زندگی معمول پر آگئی۔ نہ جانے کیوں وہ جب تنہا ہوتے تو ان کا دل بیٹھنے لگتا تھا یہی تصور بار بار ان کے ذہن میں سرابھارنے لگتا تھا۔ ایک نوجوان جس کی آنکھیں بے حد حسین تھیں اور جس نے اپنی آنکھوں میں مستقبل کے خواب سجا رکھے تھے۔ جو پُرعزم تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ زندہ رہے گا لیکن میجر نواب نے اسے قتل کردیا تھا فوجی زندگی میں بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ یہ ان کا فرض تھا لیکن کسی ایسی شخصیت کو جو خود ان ہی سے متعلق تھی اور جسے صرف انہوں نے اپنے لالچ کی بنا پر قتل کیا تھا۔ نظرانداز کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ حالات جوں کے توں رہے۔ میجر نواب اپنی تنہائیوں میں اس احساس کو کبھی دل سے جدا نہیں کرسکتے تھے۔

کافی دن کے بعد ایک شام وہ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھے ان دنوں زندگی میں کچھ نئی دلچسپیوں کا آغاز ہو رہا تھا حنا کی شادی کا فیصلہ کیا گیا تھا اور میجر نواب کا ذہن کافی حد تک مصروف ہوگیا تھا۔ دفعتاً دروازے کے باہر انہیں قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کسی نے کہا۔

"جی ہاں! آپ انہیں بتا دیجئے کہ امیرالدین ان سے ملنا چاہتا ہے۔" میجر نواب کے ہاتھوں سے کتاب گر گئی۔ یہ آواز وہ لاکھوں میں شناخت کرسکتے تھے۔ یہ آواز تو مسلسل ان کے کانوں میں گونجتی رہی ہے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھتے رہے دروازہ کھلا۔ وقار اندر داخل ہوا اور پھر اس نے کہا۔

"ڈیڈی! کوئی امیرالدین صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں بہت ضروری کام ہے۔"

"نہیں! نہیں میں نہیں ملوں گا اس سے۔ بچاؤ مجھے اس سے بچاؤ۔ وہ مجھے قتل

کردے گا۔ نہیں!" میجر نواب اٹھ کر اپنی جگہ سے بھاگے تو ایک الماری سے ٹکرا گئے۔ وہاں سے اٹھے تو صوفے پر گر گئے۔ وقار سخت پریشان ہوگیا تھا اس کے انداز میں شدید بدحواسی پیدا ہوگئی تھی۔

"ڈیڈی! ڈیڈی!"

"مجھے نہ چھوڑو نہ چھوڑو مجھے اسے بھگا دو یہاں سے وہ مجھے مار ڈالے گا۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"لیکن ڈیڈی! سنیے تو! سنیے تو سہی۔"

"آہ بچاؤ! مجھے اس سے بچاؤ۔ مجھے امیرالدین سے بچاؤ۔" میجر نواب نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور ایک گوشے میں سمٹ گئے۔ صوفے پر گرنے سے ان کے چہرے پر ایک بار پر خراش آگئی تھی کہنیاں چھل گئی تھیں اور وہ بری طرح کانپ رہے تھے پورا بدن پسینے میں بھیگا ہوا تھا وقار پریشانی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ نہ جانے آنے والے سے اس نے کیا کہا تھا لیکن نواب صاحب نے جلدی سے دروازہ بند کرلیا تھا اور اس کے بعد ان پر ایک انتہائی عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی تھی دو دن انہوں نے دروازہ نہیں کھولا اور بھوکے پیاسے اپنے کمرے میں بند رہے۔ دروازہ کھلوانے کی کوشش کرنے والوں کو وہ یہی جواب دیتے تھے۔

"نہیں! میں یہاں محفوظ ہوں۔ باہر نکلوں گا تو وہ مجھے قتل کردے گا مجھے اس سے بچاؤ' خدا کے لئے مجھے اس سے بچاؤ۔" بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی بہرطور تیسرے دن جب ان پر غشی کی کیفیت طاری تھی تو مجبوراً وقار اور ان کے اہل خاندان نے دروازہ توڑ کر انہیں باہر نکالا اور وقار نے انہیں شہری اسپتال میں داخل کردیا۔ کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔ اس سے قبل ان کی یہ کیفیت کبھی نہیں ہوئی تھی وہ اداس ضرور رہتے تھے اور کبھی کبھی خوف زدہ بھی نظر آنے لگتے تھے۔

لیکن جب ان سے کبھی سوال کیا گیا انہوں نے یہی جواب دیا کہ دوران جنگ پیش آنے والے واقعات نے ان کے ذہن کو متاثر کیا ہے اور وہ بسا اوقات اسی کے شکار ہوجاتے ہیں لیکن اس بار کیفیت کچھ زیادہ ہی خراب ہوگئی تھی۔ خاص طور سے امیرالدین کے نام پر' وقار اب جوان ہوچکا تھا وہ ذرا مختلف انداز میں اس سلسلے میں سوچ رہا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے تک میجر نواب کی کیفیت خراب رہی اور آہستہ آہستہ وہ معتدل ہوگئے۔

ایک ہفتے کے بعد ڈاکٹروں نے اجازت دے دی کہ اب وہ اگر چاہیں تو انہیں وہاں سے لے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ یقیناً دوران جنگ کوئی ایسی کیفیت پیدا ہوگئی تھی جو ابھی تک ان پر اثر انداز ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی کبھی دورہ پڑے لیکن یہ دورے خطرناک نہیں ہوسکتے۔ میجر نواب کو واپس گھر لے آیا گیا اہل خاندان پریشانیوں کا شکار تھے۔ میجر نواب کی کیفیت اب بالکل نارمل تھی وہ خود بھی اپنے گھر والوں سے شرمندہ شرمندہ سے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی! تم لوگ میرے بچے ہو اور یہ سب مجھ سے محبت کرنے والے ہیں۔ یقین کرو میں بیمار نہیں ہوں۔ میں نے تم سے کہا نا کبھی کبھی میرے ذہن میں دھماکے ہونے لگتے ہیں۔ میدان جنگ کے وہ مناظر یاد آجاتے ہیں جہاں انسان اپنے جیسے انسانوں کو قتل کرکے خوشی محسوس کرتا ہے اور مسلسل اس تاک میں رہتا ہے کہ کس طرح انسان کو مٹایا جائے وہی'......." میجر نواب کے الفاظ حلق میں اٹکنے لگے۔ وہ ایک ایسا جملہ بول گئے تھے جس سے ان کے ضمیر پر براہ راست ضرب پڑی تھی۔ انسانیت کو مٹانے والے وہ خود تھے۔ محاذ جنگ پر سپاہی ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے' اپنے ملک کا مفاد ہوتا ہے اور اس مفاد کے لئے وہ گولیاں کھاتے ہیں گولیاں مارتے ہیں۔

لیکن انہوں نے جو کچھ کیا تھا ذاتی مفاد کے لئے کیا تھا اور وہ شخص تو ان کا دشمن بھی نہیں تھا وہ تو انہیں فرشتہ کہتا تھا' مسیحا سمجھتا تھا۔ مسیحا ہی قاتل بن جائے تو اس سے زیادہ درد ناک بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ وہ مسیحا نہیں قاتل تھے جب بھی اس پر غور کرتے ضمیر خنجر بکف ہوجاتا....... اور ان کے وجود میں اتنے کچوکے لگاتا تھا کہ وہ نڈھال ہوجاتے تھے وقار نے حنا سے کہا۔

"اللہ کے فضل سے ہم ایک پُرسکون اور پُرمسرت زندگی گزار رہے ہیں لیکن ڈیڈی کی حالت بہت پریشان کن ہے اگر واقعی معاملہ میدان جنگ کا ہے تو کیوں نہ کسی اچھے ماہر نفسیات سے رابطہ قائم کیا جائے اور اس کے سامنے ڈیڈی کی تفصیل رکھ دی جائے اور اگر ڈیڈی کسی ایسے شخص سے خوفزدہ ہیں جس کا نام امیرالدین ہے تو پھر پولیس سے مدد لی جائے۔"

"یہ بھی تو مناسب نہیں ہوگا وقار بھیا' ممکن ہے معاملہ ایسا ہو کہ ڈیڈی خود بھی

پولیس سے مدد نہ لینا چاہتے ہوں۔ ممکن ہے کہ سرے سے کسی ایسی شخصیت کا وجود ہی نہ ہو یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ڈیڈی کے کسی دشمن کا نام امیرالدین ہو۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی شخصیت اگر کوئی سامنے ہو تو کچھ کیا جاسکتا ہے لیکن ڈیڈی خود بھی عام حالت میں نارمل ہوتے ہیں اگر وہ پولیس سے مدد لینا پسند کرتے تو تمہارا کیا خیال ہے اس سے گریز کرتے؟ میرے خیال میں پولیس کی بجائے کسی ماہر نفسیات کو دکھا دینا زیادہ بہتر ہوگا۔"

"تب میں یوں کرتا ہوں کہ کسی اچھے ماہر نفسیات کا پتا معلوم کرتا ہوں اور پھر ڈیڈی کو اس کے پاس لے چلیں گے۔" یہ بات دونوں بہن بھائیوں کے درمیان طے ہوگئی اور اس سلسلے میں وقار مختلف لوگوں سے معلومات کرنے لگا۔

پھر اسے ایک اچھے ماہر نفسیات کا پتا چلا جن کا نام پروفیسر ہمدانی تھا کلینک تک لے جانے کے لئے میجر نواب سے جھوٹ بولا گیا تھا لیکن جب وہ ہمدانی کے کلینک میں داخل ہو رہے تھے تو میجر نواب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ میرے سلسلے میں بہت زیادہ پریشان ہوگئے ہو۔ میں کسی ماہر نفسیات کے سامنے جانا پسند نہیں کرتا۔"

"نہیں ڈیڈی یہ ضروری ہے۔"

"بھئی تم سمجھتے کیوں نہیں......... جس چیز سے' میرا مطلب' جسے میرا ذہن قبول ہی نہ کرتا ہو وہ میں کیسے کرسکتا ہوں۔"

"ڈیڈی آپ کو چلنا پڑے گا۔" میجر نواب نے انتہائی کوشش کی کہ وہ بچوں کی بات نہ مانیں لیکن وقار اور حنا کے سامنے مجبور ہوگئے۔ پروفیسر ہمدانی ایک بھاری بھرکم شخصیت تھی اور ایک نگاہ دیکھنے سے ہی اندازہ ہوجاتا تھا کہ وہ اپنے فن میں ماہر ہوں گے۔ میجر نواب کا کیس وقار کی زبانی معلوم ہوچکا تھا اور وہ میجر نواب سے ملنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ انہوں نے کھڑے ہوکر میجر نواب کا خیر مقدم کیا تھا۔ حنا اور وقار میجر کے ساتھ ہی اندر داخل ہوئے تھے لیکن پھر جب پروفیسر ہمدانی نے اپنا کام شروع کیا تو ان دونوں کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ پروفیسر ہمدانی بغور میجر نواب کا جائزہ لے رہے تھے۔ میجر نواب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کبھی کبھی میری طبیعت خراب ہوجاتی ہے لیکن میرے بچوں نے میرے لئے آپ سے جس تشویش کا اظہار کیا ہے وہ بے معنی ہے

اور میرے خیال میں آپ کو اس کے لئے زحمت کرنے کی ضرورت نہیں اپنے طور پر ان لوگوں کو مطمئن کر دیجئے گا کہ آپ نے میرا جائزہ لے لیا ہے۔"

"ہاں احساس کچھ ایسا ہی ہوتا ہے میجر' لیکن میں نے فیس وصول کی ہے کم از کم مجھے اسے حلال کرنے کا موقع تو دیجئے۔ آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ کبھی کبھی آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے کیا آپ کو اس کا اندازہ ہے کہ طبیعت کی اس خرابی کی بنیاد کیا ہے؟"

"اوہ پروفیسر! کاش آپ ان ہولناک مناظر کا تجزیہ کر سکتے جو میری آنکھوں نے دیکھے ہیں میں نے انسان کی زندگی کو' بہتے ہوئے خون کو اتنا ارزاں دیکھا ہے کہ آج جب اس کا تصور کرتا ہوں تو امن کی اس دنیا میں میرا دل لرز جاتا ہے۔"

"بالکل درست کہا آپ نے' لیکن محاذ جنگ سے واپس آنے والے تمام لوگ ایسے دوروں کا شکار نہیں ہوتے۔ ہر بات کا کوئی پس منظر ہوتا ہے کوئی ایسا واقعہ جو آپ کی زندگی میں بہت ہی اہم حیثیت رکھتا ہو کوئی ایسی چیز جسے یاد کر کے آپ اپنے ذہن پر قابو نہ پا سکتے ہوں۔ تھوڑا بہت۔ درحقیقت میں یہ چاہتا ہوں کہ جو احساس آپ کے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں پنہاں ہو گیا ہے' باہر آجائے اور ہم اس کا سدِباب کر لیں بس اتنی سی بات ہے میجر۔ باقی آپ کے سامنے زبان کھولتے ہوئے مجھے خود بھی عجیب سا لگتا ہے۔"

"دوران جنگ تو ہر واقعہ اپنی نوعیت کا منفرد ہوتا ہے پروفیسر' میں کون کون سے واقعات آپ کو سناؤں' میں نے اپنے ہاتھوں سے بے شمار انسان موت کے گھاٹ اتارے ہیں۔ بہت سے' بے شمار........ لاتعداد' میں لاشوں کے درمیان بے ہوش پڑا رہا ہوں اور جب ہوش آیا تو میں نے اپنے اردگرد کسی ذی روح کو نہیں پایا۔ کوئی بھی واقعہ ابھر آتا ہے تو ذہنی کیفیت خراب ہو جاتی ہے چنانچہ کون سے واقعہ کو آپ کے سامنے دہراؤں۔"

"مجھے امیرالدین کے بارے میں بتایئے' امیرالدین کے بارے میں' امیرالدین جو آپ کے ذہن پر سوار ہے' جو ہمیشہ آپ کے سامنے رہتا ہے۔" پروفیسر ہمدانی کے اس سوال پر میجر کے چہرے پر تغیر پیدا ہو گیا انہوں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے اس نام سے چڑ ہے پروفیسر' براہ کرم یہ نام میرے سامنے نہ لو۔"

"میرا اندازہ ذرا مختلف ہے میجر' آپ اس نام سے چڑتے نہیں ہیں بلکہ اس نام سے

خوفزدہ ہیں۔ مجھے بتایئے امیرالدین کون ہے۔"

"میں نے تم سے کہا نا پروفیسر! یہ نام بار بار میرے سامنے نہ لو۔"

"تمہیں جواب دینا ہو گا میجر' امیرالدین کون ہے؟ تم اسے اچھی طرح جانتے ہو بتاؤ امیرالدین کون ہے؟" پروفیسر کا لہجہ خونخوار ہو گیا۔ میجر کی آنکھوں میں وحشت کے آثار نظر آنے لگے۔

"وہ جو کوئی بھی ہے میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"اس لئے نا میجر کہ تمہاری زندگی سے اس کا گہرا تعلق ہے' دل میں اس کے لئے کوئی چور پوشیدہ ہے تمہارا لاشعور ہی نہیں بلکہ شعور بھی اس کے احساس سے خوف زدہ رہتا ہے جو کچھ تم نے اس کے ساتھ کیا ہے' جواب دو کون سی چیز تمہیں خوف زدہ کرتی ہے کون سی چیز تمہیں خوف زدہ کرتی ہے' میجر تمہیں بتانا ہو گا۔ تمہیں بتانا ہو گا۔"

"میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا پروفیسر' میں نے کچھ بھی نہیں کیا میں نے۔ میں بالکل کچھ نہیں........ بتاؤں گا۔ تو........ تو" دفعتاً میجر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے پروفیسر ہمدانی نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے دیکھو' میں امیرالدین ہوں سمجھے میرا نام امیرالدین ہے۔" وہ میز پر گھونسا مار کر بولا اور دوسرے لمحے میجر کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔

"نہیں' ہرگز نہیں۔" انہوں نے پروفیسر ہمدانی کے سامنے رکھی ہوئی میز الٹ دی۔ پروفیسر ہمدانی میز کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ میز پوری کی پوری اس پر اوندھ گئی اور وہ چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا۔ میجر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک کرسی اٹھائی اور بھرپوری قوت سے ہمدانی کے سر پر دے ماری لیکن پروفیسر ہمدانی کی تقدیر اچھی تھی کہ کرسی اس کے سر کے بجائے میز کے پائے پر پڑی اور میز کا پایا ٹوٹ گیا ہنگاموں کی آواز سن کر کئی ملازم دوڑ پڑے۔ وقار اور حنا بھی اندر آگئے اور اس کے بعد بمشکل تمام میجر کو قابو میں کیا گیا انہیں پھر شدید دورہ پڑ گیا تھا۔

"میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ اگر میں نے اسے ہلاک نہ کیا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔ نہیں میں مرنا نہیں چاہتا مجھے لے چلو یہاں سے نکال کر لے چلو۔" میجر نے دروازے کی جانب چھلانگ لگائی لیکن........ ملازموں نے دوڑ کر انہیں پکڑ لیا........ بمشکل تمام ان کو کلوروفارم سونگھا کر بے ہوش کیا گیا۔

دوسری طرف پروفیسر ہمدانی کی طبیعت بھی خرب ہوگئی تھی اس کی پنڈلی کی ہڈیوں پر کافی چوٹیں آئی تھیں۔ چنانچہ اب وہ کسی کے معائنے کے قابل نہیں تھے۔ حنا اس صورت حال سے گھبرا کر رونے لگی۔ وقار اسے بھی سنبھال رہا تھا ظاہر ہے حنا لڑکی تھی اور یہ ہنگامہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ بہرطور وہاں سے تو سیدھا کوٹھی ہی کا رخ کیا گیا۔ میجر نواب بے ہوش تھے لیکن کوٹھی پہنچنے کے بعد تمام لوگ صلاح مشورہ کرنے لگے۔ پتا نہیں پروفیسر ہمدانی کی طرف سے اس کارروائی کے نتیجے میں کیا جوابی کارروائی ہوگی۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہئے' میجر کو علاج کے لئے کسی بیرونی ملک لے جانے کا مسئلہ بھی زیر غور آیا۔ وقار نے پریشان لہجے میں کہا۔

"کچھ پتا تو چلے' کوئی ایک بات تو معلوم ہو کہ آخر یہ نام ڈیڈی کے لئے ہولناک کیوں ہے؟ میں دعوے سے کہہ رہا ہوں کہ ڈیڈی کچھ چھپا رہے ہیں۔ یقیناً وہ کچھ چھپا رہے ہیں انہیں دوران جنگ کے بے شمار واقعات یاد ہیں۔ اپنی مہمات کا تذکرہ کرتے ہیں وہ لیکن جو نام ان کے ذہن سے اس طرح چپکا ہوا ہے اس کے بارے میں انہیں کچھ یاد نہیں۔ ضرور کوئی ایسی ہی بات ہے جس کے لئے وہ کسی سے کہہ بھی نہیں پائے اور یہ بات انہیں اندرونی طور پر اس قدر بے چین کئے ہوئے ہے کہ وہ سکون سے رہ بھی نہیں سکتے۔ سمجھ میں نہیں آتا حنا کیا ہوگا میں ڈیڈی سے ہر ممکن طریقے سے گفتگو کرچکا ہوں تم بھی اس سلسلے میں اگر چاہو تو کوشش کرلو ورنہ اس کے بعد ہمارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم ڈیڈی کو بیرون ملک لے جائیں۔" حنا پریشان تھی' بیگم نواب بھی بچوں کی پریشانیوں میں برابر کی شریک تھیں۔ پھر ایک دن میجر نواب کو کھانے کے بعد ان سب نے گھیر لیا' وقار نے بہت نرم لہجے میں کہا۔

"ڈیڈی آپ بلا شبہ بہت اچھے باپ ہیں۔ ہمارے لئے آپ نے جو آسائشیں فراہم کی ہیں ہم ان کے لئے آپ کے بے حد شکر گزار ہیں لیکن نہ جانے کیوں آپ نے ہمارے ذہنوں میں ایک زخم چھوڑ دیا ہے۔ اس زخم کا علاج آپ نہیں کرتے۔ ڈیڈی وہ زخم آپ کی اس انوکھی بیماری کا ہے۔ جو آپ کو صرف ایک نام سے لاحق ہے ہم آپ کے بچے ہیں ڈیڈی اپنا دل ہم پر کھول دیجئے ہم سے زیادہ اچھا ساتھی اچھا دوست آپ کو کون ملے گا آپ اپنے دل کی بات کہہ ڈالیے ہم سے۔ ظاہر ہے وہ کہیں باہر نہیں جائے گی لیکن آپ کا دل ہلکا ہو جائے گا اور اس مرض سے نجات پالیں گے۔"

"میں مریض نہیں ہوں بیٹے' اگر تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تو یہ میرے حق میں زیادہ بہتر ہوگا میں نے تم سے زندگی کے ہر مسئلے پر سمجھوتا کیا ہے اس معاملے میں تم مجھ سے سمجھوتا کرلو۔"

"ہمارے بھی مستقبل کا سوال ہے ڈیڈی' لوگ آپ کے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے ہیں خاص طور پر پروفیسر ہمدانی والے واقعہ کے بعد تو آپ کی اس بیماری کی کافی تشہیر ہوچکی ہے اس کے اثرات حنا پر بھی پڑیں گے مجھ پر بھی پڑیں گے۔ آپ بتایئے امیرالدین کون ہے کون تھا وہ؟ آپ کی زندگی سے اس کا کیا تعلق تھا کیا واقعہ ہوا تھا ڈیڈی کیا واقعہ ہوا تھا؟" وقار کے الفاظ نے میجر کی پرانی کیفیت پھر سے پیدا کردی تھی۔ ان کا چہرہ آگ ہوتا جارہا تھا' آنکھیں خونخوار ہوگئی تھیں پھر انہوں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جو کوئی بھی تھا اس کا تعلق صرف میری ذات سے تھا۔ میں نے جو کچھ کیا بے شک وہ غلط تھا لیکن تم کون ہوتے ہو؟"

میجر خونی نگاہوں سے اپنے اہل خاندان کو گھورتا رہا پھر انہوں نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' بالکل ٹھیک ہے میں فرشتہ نہیں ہو۔ میں صرف انسان ہوں' کمزور انسان کس نے کہا تم سے کہ میں فرشتہ ہوں' نہیں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سمجھے تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں.......... میں انسان ہوں صرف انسان۔ میں مسیحا نہیں ہوں قاتل ہوں میں' تم نے مجھ کو غلط سمجھا تھا نہیں امیرالدین کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے دور ہوجاؤ میری نگاہوں سے دور ہوجاؤ۔ ورنہ میں' میں.........."

میجر پر ایک بار پھر وہی ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی انہوں نے اپنے بال نوچنے شروع کردیئے۔ کپڑے پھاڑ دیئے اور بمشکل تمام انہیں قابو میں کیا گیا۔ انہیں ایک کمرے میں بند کردیا گیا تھا جہاں ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی جس سے وہ خود کو نقصان پہنچاسکتے۔ وقار اور حنا اس سلسلے میں ہار گئے تھے۔

"میرا خیال ہے ڈیڈی کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ان سے اب اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی جائے۔" زندگی کے معمولات یوں ہی چلتے رہے کافی دن گزر گئے' میجر پر کوئی دورہ نہیں پڑا تھا حنا کی شادی کے سلسلے میں بات چیت چل رہی تھی۔ ایک قریبی آبادی

سے اس کے لئے ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا اور گھر میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی تھی۔ مہمان آئے ہوئے تھے رشتہ منظور کر لیا گیا تھا پھر میجر صاحب بھی اپنی گاڑی میں بستی گئے۔ بیگم، خود حنا اور وقار ساتھ تھے وہاں ان کی کافی پذیرائی ہوئی اور بہت ہی اچھے ماحول میں گفتگو ہوئی میجر صاحب واپسی پر بے حد خوش تھے بہت ہی مسرور نظر آرہے تھے وہ، لیکن راستے سے گزرتے ہوئے دفعتاً ایک جیپ ان کے قریب سے گزری اور میجر صاحب کی نگاہ اس کی ڈرائیونگ سیٹ کی جانب اٹھ گئی وقار یا حنا کو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن میجر کے چہرے پر وحشت کے آثار نظر آئے تھے انہوں نے دفعتاً وقار کے شانوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"وقار............ وقار میں خطرے میں ہوں۔ وہ دیکھو وہ، رفتار تیز کرو وقار رفتار تیز کرو، دیکھو وہ جا رہا ہے۔"

"کون ڈیڈی کون!" وقار نے متعجبانہ انداز میں کہا اور غیر اختیاری طور پر گاڑی کی رفتار تیز کردی آگے جانے والی جیپ کو وہ بغور دیکھ رہا تھا اور بیگم نواب بھی متحیر رہ گئی تھیں تھوڑی دیر کے بعد کار جیپ کے نزدیک پہنچ گئی۔ جیپ ڈرائیو کرنے والا ایک اچھے تن و توش کا خوبصورت نوجوان تھا۔ دفعتاً میجر نواب کے حلق سے دل خراش چیخ نکلی۔

"امیرالدین، مجھے بچاؤ، امیرالدین ہی ہے، مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے دروازہ کھول کر کار سے چھلانگ لگادی۔ اس بات کا کسی کو بھی گمان نہیں تھا کہ میجر نواب ایسی کوئی حرکت کریں گے وہ دور تک لڑھکتے چلے گئے تھے۔ ان کے گھٹنوں کولہوں اور شانوں پر زبردست ضربات لگی تھیں۔ شانوں کا گوشت دو جگہ سے بری طرح چھل گیا تھا اسی طرح جسم کے دوسرے حصوں کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا وقار نے پوری قوت سے بریک لگادی۔ آگے جانے والی جیپ بھی اس انوکھے حادثے کی وجہ سے رک گئی ڈرائیونگ کرنے والے نے اسے سائیڈ سے لگایا اور تیزی سے نیچے اتر آیا۔ سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ میجر نواب کے پورے بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکے تھے نوجوان برق رفتاری سے آگے بڑھا اور اس نے پھرتی سے میجر نواب کو اپنے بازو میں اٹھا لیا پھر وہ وقار وغیرہ سے بولا۔

"انہیں فوراً ہسپتال لے جایئے۔ واقعہ کیا ہوا تھا! کیا ہو گیا تھا!"

"اوہ، اوہ، جناب میرے اعصاب قابو میں نہیں ہیں۔ کیا آپ ہماری مدد کر سکتے

ہیں؟"

"براہ کرم آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے چلے آئیے۔ گاڑی کو سنبھال کر چلایئے یا پھر آپ چاہیں تو گاڑی کو یہیں چھوڑ دیں۔ میں انہیں اپنی جیپ میں لے جا رہا ہوں۔" نوجوان نے کہا اور میجر صاحب کو اپنی گاڑی میں لٹا لیا۔ وقار نے بڑی مشکل سے کار سنبھالی اور جیپ کے پیچھے لگادی حنا بری طرح رو رہی تھی۔ بیگم نواب کی حالت بھی کافی خراب تھی۔ روتے ہوئے حنا نے وقار سے کہا۔

"وقار بھیا ذرا.......... ذرا رفتار تیز رکھو پتا نہیں وہ کون ہے۔ ڈیڈی تو اسے دیکھ کر ہی خوف زدہ ہوئے تھے کہیں وہ ڈیڈی کو کہیں لے نہ جائے وقار بھیا پلیز، یہ کیا ہو گیا۔ آہ خدا یہ کیا ہو گیا۔"

لیکن جیپ اسپتال ہی میں داخل ہوئی تھی اور نوجوان اس سلسلے میں بڑی سرگرمی دکھا رہا تھا۔ اس نے فوری طور پر میجر صاحب کی دیکھ بھال کے لئے ڈاکٹر کو تیار کر لیا اور میجر صاحب کو طبی امداد دی جانے لگی۔ میجر صاحب کے لئے خون کی ضرورت ہوئی تو اتفاق سے وقار یا حنا کا خون ان سے نہ مل سکا۔ نوجوان نے اپنے خون کے لئے پیش کش کردی تھی اور اس کا گروپ میجر صاحب کے گروپ سے مل گیا چنانچہ نوجوان نے ڈاکٹر کے منع کرنے کے باوجود دو بوتل خون دے دیا جس کی وجہ سے وقار، حنا اور بیگم نواب اس کے بہت زیادہ ممنون ہو گئے تھے لیکن یہ بات ان کے ذہن میں مسلسل چبھ رہی تھی کہ میجر صاحب اس نوجوان کو دیکھ کر خوفزدہ کیوں ہو گئے تھے۔ یقیناً انہوں نے امیرالدین کے بارے میں کہا تھا اور پھر قریب سے اسے دیکھ کر یہی نعرے لگائے تھے کہ اسے امیرالدین سے بچاؤ۔ ابتدا میں تو خاصی بوکھلاہٹ طاری رہی لیکن جب نواب صاحب کی حالت خطرے سے باہر بتائی گئی اور کہا گیا کہ اب وہ پُرسکون ہیں۔ صرف کمزوری کا معاملہ ہے تو ان لوگوں کی بھی جان میں جان آئی۔ میجر نواب کی وجہ سے وہ سب کافی پریشان رہتے تھے اور یہ حادثہ اس وقت سب سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ نوجوان مسلسل ان کے ساتھ مصروف رہا تھا اور اس کی اس انسانیت نے ان سب لوگوں کو اس کا ممنون کردیا تھا۔ بیگم نواب نے کسی خیال کے تحت اس سے کہا۔

"بیٹے، بلاشبہ تم نے حق انسانیت ادا کردیا ہے ورنہ کون کسی کے لئے اپنا اتنا وقت ضائع کرتا ہے۔ تم نے اپنا خون بھی دیا ہم تمہارے اس احسان کا کوئی صلہ نہیں دے سکتے

لیکن تمہارا تعارف نہیں ہو سکا۔"

"میں کسی احسان کا صلہ نہیں چاہتا بیگم صاحبہ' جو کچھ میں نے کیا انسانی فرض تھا' میرا نام اشعر ہے۔"

"کہاں رہتے ہو!" بیگم نواب نے پوچھا اور اشعر مسکرانے لگا..........

"جی میں جنگلوں میں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اسی وقت ایک ڈاکٹر نے آکر کہا کہ میجر صاحب کو ہوش آگیا ہے۔ وقار صورت حال جانتا تھا۔ اس نے اشعر سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اشعر صاحب آپ سے ملاقات ہوتی رہنی چاہئے۔ آپ نے ہم پر جو احسان کیا ہے.........."

"بار بار یہ الفاظ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کیا کریں۔ میں پھر حاضر ہوں گا۔" اشعر نے کہا اور چلا گیا۔

میجر نواب کی حالت بہتر ہوگئی تھی چند روز کے بعد ان کے زخم بھی بھر گئے لیکن وہ خوف ان کے چہرے پر چسپاں ہوگیا تھا اور یہ کسی طور دور نہیں کیا جاسکتا تھا وقار تو اب کافی الجھنے لگا تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے ابو زبان تو کھولیں۔ وہ اپنے خوف کی وجہ جانتے ہیں' کوئی چور ہے ان کے ذہن میں' جو اندر ہی اندر انہیں کھا رہا ہے۔ آخر ہم لوگوں سے بہتر کون ہو سکتا ہے ان کے لئے وہ اگر ہمیں بتادیں تو ہم ان کے لئے کچھ نہ کچھ کریں گے۔ جب تک وہ زبان نہیں کھولیں گے امی' کچھ نہیں ہو سکے گا۔ کچھ بھی نہیں۔"

حنا بہت خوفزدہ نظر آرہی تھی۔ "مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خوف ابو کی جان ہی لے کر رہے گا۔ نہ جانے کیا کیا ہے انہوں نے۔ نہ جانے یہ امیرالدین کم بخت کون ہے' جو ان کے ذہن سے بری طرح چپکا ہوا ہے۔" یہ ان کی آپس کی باتیں تھیں' لیکن ان باتوں سے کوئی حل نہیں نکلتا تھا ایک دن حنا کو ہی کچھ سوجھ گئی۔ وہ اس دن میجر نواب کے کمرے میں داخل ہوئی جب میجر نواب باہر لان میں بیٹھے ہوئے تھے اس کی متجسس نگاہیں کمرے کے اطراف کا جائزہ لینے لگیں وہ کوئی ایسی چیز تلاش کرنا چاہتی تھی جس سے میجر نواب کے اس خوف کا پتا چل سکے۔ ان کی الماری' ان کی کتابیں سب ہی چیزیں اس نے دیکھ ڈالیں اور پھر اتفاقیہ طور پر ہی وہ ان کے بستر کے نیچے کسی ابھری ہوئی

شے کو دیکھنے میں کامیاب ہوگئی تھی یہ شے اس نے باہر نکالی ایک بوسیدہ ڈائری تھی۔ حنا کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ ڈائری.......... اور وہ بھی اگر دوسروں سے پوشیدہ رکھی جائے بہت سے رازوں کی حامل ہوتی ہے' ممکن ہے اس میں میجر نواب کے اس خوف کی وجہ پوشیدہ ہو' اس نے وہیں بیٹھ کر ڈائری کی ورق گردانی شروع کردی بہت پرانی ڈائری تھی' غالباً اس وقت کی جب میجر نواب فوج میں اپنی ذمہ داری پوری کررہے تھے بہت سے جنگی واقعات درج تھے' دوستوں کی عادتوں کے بارے میں تفصیلات درج تھیں' اپنے ان ہولناک تجربات کے تذکرے تھے' جو دوران جنگ انہیں ہوئے تھے۔ پھر ایک صفحہ پر وہ ایک تحریر دیکھ کر بری طرح اچھل پڑی کیونکہ میجر نواب کی تحریر میں اسے امیرالدین کا نام نظر آیا تھا۔ وہ دلچسپی سے یہ تحریر پڑھنے میں منہمک ہوگئی۔ میجر نواب نے لکھا تھا۔

"انسان سے زیادہ دغاباز چیز روئے زمین پر دوسری نہیں ہے' انسان ہی انسان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ورنہ کائنات کی کوئی شے اس کیلئے خوفناک نہیں ہے' میں اعتراف کرتا ہوں اپنی اس درندگی کا جو میرے ذہن سے ہٹ کر مجھ پر طاری ہوگئی تھی۔ آہ! کاش میری آنکھوں میں ہیروں کی وہ چکاچوند نہ پیدا ہوتی جس نے میرے ضمیر کو چور چور کرکے رکھ دیا میں مجرم ہوں۔ ایک ایسا مجرم جس کیلئے دنیا کی کسی عدالت میں معافی نہیں ہے اور جسے روزِ حشر معاف نہیں کیا جائے گا لیکن اس کی دبی دبی آہٹیں' اس کی آواز ہر وقت میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ آہ! امیرالدین' میں نے اپنی زندگی کا سب سے بھیانک جرم کیا ہے تجھے ہلاک کرکے.......... ہاں اپنی زندگی میں.......... میں اپنے اس جرم کے بارے میں کسی کو نہیں بتا سکتا' لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں میری اس وحشت کی وجہ جاننا چاہتے ہیں میں اس وحشت کی وجہ جسے بھی بتاؤں گا وہ دوسروں کو میری کہانی سنائے گا اور پھر دنیا میرے چہرے پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی۔ ہاں میرا جرم ہی ایسا ہے دوستو' اگر میری موت کے بعد یہ ڈائری کسی کے ہاتھ لگے تو میرے لئے دعائے خیر کرنا.......... میری مغفرت کی دعا مانگنا شاید کسی کی دعائے خیر میرے کام آجائے میں خود تو اس قابل نہیں ہوں۔

"امیرالدین ایک معصوم نوجوان تھا' اپنی کاوشوں سے اپنی محنتوں سے اس نے میجر کے عہدے تک ترقی کی تھی وہ ایک پُرعزم نوجوان تھا' ٹانگیں چور چور ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں زندگی کی روشنی برقرار تھی۔ وہ کہتا تھا کہ وہ زندہ رہے گا اور ایک دن واپس جاکر اس لڑکی کو اپنا لے گا' جس نے اس کے لئے دنیا کی ہر شے ٹھکرا دی ہے۔

امیرالدین جانتا تھا کہ نجمہ اپنے اہل خاندان سے کٹ گئی ہے۔ نہ جانے کس طرح زندگی گزار رہی ہوگی وہ لیکن میں نے اس سے بھرپور ہمدردی کے باوجود اس وقت' جب اس بدنصیب نے اپنے پاس پوشیدہ ان ہیروں کا تذکرہ کیا جس پر اس نے اپنے مستقبل کا انحصار کر رکھا تھا.......... تو میرے دل میں شیطان جاگ اٹھا۔

"نہیں شیطان کو دوش نہیں دیا جاسکتا کیونکہ شیطان انسان کی اپنی ذات میں پوشیدہ ہوتا ہے' ہر شخص بذات خود شیطان ہوتا ہے اگر وہ شیطانیت پر اتر آئے اور مجھ سے بڑا شیطان اور کوئی نہ ہوگا میں نے امیرالدین کو ان ہیروں کے لئے ہلاک کردیا۔ وہ جو مجھ پر بے پناہ بھروسا رکھتا تھا اور میں جو اس سے بے پناہ ہمدردی رکھتا تھا۔

"امیرالدین مرگیا ہیرے میرے قبضے میں آگئے اور میں نے انہیں فروخت کرکے بہت بڑی دولت کمائی لیکن میرے دل سے وہ تمام خزانے لٹ گئے ہیں جو انسان کو سکون مہیا کرتے ہیں میں بے سکون ہوں دوستو' میری روح بھی تڑپتی رہے گی اس شخص کے لئے' وہ مجھے ہر جگہ نظر آتا ہے اور نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوتا ہے کہ ایک دن وہ ضرور مجھ تک پہنچ جائے گا' مجھے قتل کردے گا' اس سے بھی زیادہ بھیانک درندگی کے ساتھ' جس درندگی سے میں نے اسے قتل کردیا تھا۔"

حنا اس تحریر کو پڑھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ اس تحریر سے صورتِ حال واضح ہوگئی تھی' میجر نواب ضمیر کا مجرم ہے' اس کا محافظ اس کا ضمیر تھا اور اس کا خوف اس کی اپنی درندگی کی بنیاد پر تھا۔ اس کا باپ ایک اچھا انسان' ایک محبت کرنے والا شخص کیا اس قدر درندہ بھی ہوسکتا ہے؟ حنا کی آنکھوں میں تاریکیاں رینگ آئی تھیں وہ کافی دیر تک سر پکڑے بیٹھی رہی۔

باہر ایک اور تماشا ہو رہا تھا۔ اشعر اتفاقیہ طور پر کسی کام سے جارہا تھا میجر نواب یاد آئے تو اس نے اپنی جیپ کا رخ میجر نواب کے گھر کی جانب کردیا اور جب وہ اندر داخل ہوا تو میجر نواب وقار اور اپنی بیوی کے ساتھ لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اشعر جب جیپ سے اترا تو سب کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں لیکن دفعتاً میجر نواب کے ہاتھ سے چائے کی پیالی چھوٹ گئی۔ وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اشعر کی جانب دیکھ رہے تھے جو ان کی جانب بڑھ رہا تھا' ان پر ایک دم دیوانگی کا دورہ پڑ گیا۔

"آگیا.......... وہ آگیا.......... بالآخر وہ آگیا' کب تک میں اس سے بچ سکتا تھا' بچاؤ'

مجھے بچاؤ.........." وہ بری طرح دوڑے اور دوسرے لمحے انہوں نے سنگِ مرمر کے فوارے سے ٹھوکر کھائی کچھ اس بری طرح گرے کہ سر فوارے کے ابھرے ہوئے حصے سے لگا اور بھیجہ باہر نکل پڑا۔ انہوں نے دو چار بار ہاتھ پاؤں مارے اور دم توڑ دیا۔ وہ سب میجر پر جھک گئے لیکن میجر نواب کی روح پرواز کرچکی تھی۔ کہرام مچ گیا' حنا بھی دوڑتی ہوئی آگئی میجر نواب کی بیگم پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ اب میجر نواب کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں تھا۔ ڈائری حنا کے ہاتھ میں تھی اور اسے چکر آرہے تھے۔ بہرطور اشعر سے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کہا گیا' آخر کوئی کہتا تو کیا.......... دیوانگی تو میجر نواب پر طاری ہوئی تھی بے چارے اشعر کا کیا قصور تھا۔

میجر نواب کی تجہیز و تدفین ہوگئی سب کے چہرے ملول تھے حنا نے تنہائی میں وقار کو بتایا۔

"ابو ضمیر کے مجرم تھے ضمیر کے قیدی تھے بھیا' انہوں نے اپنی زندگی میں ایک بھیانک جرم کیا تھا اور وہ جرم ان کے وجود پر مسلط ہوگیا تھا ان کا ضمیر داغدار تھا اور بالآخر اس داغدار ضمیر نے ان کی زندگی لے لی۔"

"کیا مطلب..........؟" وقار نے تعجب سے پوچھا اور حنا نے ڈائری اس کے سامنے کردی۔ وقار نے ڈائری کے وہ اوراق پڑھے' جن میں امیرالدین کا ذکر تھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اللہ ابو کو معاف کرے درِ حقیقت حنا' انسان بعض اوقات انسانیت کے معیار سے اتنا نیچا گر جاتا ہے کہ اس کے بعد موت بھی اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی ہم میں سے کون کہہ سکتا ہے کہ ابو کی مغفرت ہوگی۔ انہوں نے اعتماد کا قتل کیا تھا لیکن یہ اشعر؟ اشعر کے چہرے میں ابو کو امیرالدین کی جھلکیاں کیوں نظر آتی تھیں یہ اشعر ہے کون اس سے اس کے بارے میں معلومات تو حاصل کی جائیں۔

میجر نواب کی موت کے تقریباً پندرہ دن کے بعد ایک شام اشعر کے ساتھ لان پر ہی نشست تھی وقار نے یہ سوال اس سے کردیا۔

"اشعر آپ یہاں کیا کرتے ہیں! کہاں قیام ہے آپ کا! آپ سے مکمل تعارف تو ہو ہی نہیں سکا!"

"نام تو آپ کو معلوم ہی ہے' فارسٹ آفیسر بن کر یہاں تعینات ہوا ہوں' ویسے میرا

گھر شہر میں ہے۔"

"آپ کے والدین' آپ کے اہلِ خاندان............؟"

"جی ہاں! سب لوگ ہیں۔ ہم دو بھائی ہیں میرے بڑے بھائی کا نام امیرالدین ہے' وہ بھی فوج ہی میں تھے۔ میجر کے عہدے تک پہنچ کر شدید زخمی ہوگئے اور بے چارے جب واپس آئے تو زخموں سے نڈھال تھے۔ ان کی دونوں ٹانگیں ناکارہ ہوگئی ہیں اور کاٹ دی گئی ہیں لیکن باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے' اب وہ حکومت سے ملی ہوئی زمینوں پر کاشت کاری کراتے ہیں اللہ کے فضل سے بہتر حالت میں ہیں۔ باقی دوسرے افراد میں میری بھابی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بھتیجے ہیں۔ اللہ کے فضل سے سب بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔"

حنا............ وقار اور بیگم نواب ششدر رہ گئے تب بیگم نواب نے بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا............

"کیا تمہارے بھائی کی صورت تم سے ملتی ہے............؟"

"ایسی ویسی ہم دونوں عمروں کے فرق کا شکار ہیں۔ ورنہ ہمارے خدوخال بالکل یکساں ہیں۔ آپ نے یہ بات کیوں پوچھی بیگم صاحبہ!"

"کچھ نہیں' بس ایسے ہی" بیگم نواب نے سسکی سی بھر کر کہا۔

حنا کہنے لگی............ "اور آپ کی بھابی۔ میرا مطلب ہے آپ کے بھائی کی شادی کہاں ہوئی ہے............"

"عجیب سا سوال ہے' میرے بھائی کی شادی کی بہت بڑی کہانی ہے میری بھابی کا نام نجمہ ہے بہت ہی مشکلات سے گزرنے کے بعد ان دونوں کی شادی ہوئی لیکن اس وقت جب میرے بھائی پیروں سے محروم ہوچکے تھے۔ میری بھابی فرشتہ صفات ہیں آپ لوگوں کو ضرور کبھی ان سے ملواؤں گا۔ آپ کو ان سے مل کر بے حد خوشی ہوگی۔" اشعر نے جواب دیا۔

لیکن وہ سب حسرت و یاس میں ڈوب گئے تھے ان کے دل میں ایک ہی بات چبھ رہی تھی کاش میجر نواب کو موت سے پہلے اس بات کا علم ہوجاتا ممکن ہے وہ امیرالدین سے مل کر معافی مانگتے' اور ان کا ضمیر انہیں کچوکے دینا بند کردیتا۔ کاش............ کاش............

☆======☆======☆

فرض اور جنگ

سمندر کی سطح پر تیرنے والے ایک تباہ شدہ جہاز کا قصہ۔ اس میں موجود مسافر کتوں کی طرح بھونک رہے تھے............

آخر کیوں؟

اس کیوں کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

جہاز سمندر کی تلاطم خیزی کو چیرتا ہوا نہایت سبک روی سے بہتا چلا جارہا تھا۔ اس رات فضا شدید کہر آلود تھی۔ کپتان ایڈمنڈ اپنے کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ دھیمے سُروں میں موسیقی کا ریکارڈ بج رہا تھا اور جولیا اس پر اپنے خوبصورت سینڈل کی پتلی اور نوکدار ایڑی سے تال دے رہی تھی۔ اس کے سرمئی مائل سیاہ بال اس کے سفید چہرے پر خوبصورتی سے بکھرے ہوئے تھے۔ ایڈمنڈ انتظار اور جذبات میں شدت کا قائل تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ جولیا سے کافی دور بیٹھا اپنے آپ کو موسیقی میں گم ظاہر کررہا تھا۔ اسے جولیا کا بے چین انداز بہت پسند تھا۔ جولیا کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تیرنے لگے تھے اور ایڈمنڈ ان کے آتشی ہونے کا منتظر تھا۔

ایڈمنڈ ابھی اسی جذباتی ماحول سے لطف اندوز ہونے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک ایک کریہہ آواز نے اس دلکش منظر کو برباد کردیا۔ بے اختیار اس کی گردن گھوم گئی۔ کیمونی کیشر پر سرچ روم کا خانہ روشن ہوگیا تھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور اٹھ کر اس کی ایک "کی" آن کردی۔ دوسری طرف سے ڈیوڈ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیپٹن ہیلو کیپٹن۔ ہیلو کیپٹن پلیز۔"

"یس' کیابات ہے۔" ایڈمنڈ نے ڈیوڈ کی آواز میں پریشانی صاف محسوس کرلی تھی۔

"سر! ہم ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔" ڈیوڈ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیابات ہے ڈیوڈ؟" ایڈمنڈ کے سارے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔

"بہت قریب بہت ہی قریب ایک جہاز موجود ہے کہر کی وجہ سے وہ دور سے نظر نہیں آسکا تھا۔ اس پر کوئی روشنی نہیں ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ اس پر کسی سے رابطہ قائم کرسکیں' لیکن ریڈیو آن ہے مگر اس سے عجیب عجیب آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔"

"میں آرہا ہوں۔" ایڈمنڈ نے کہا اور جولیا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"سوری ڈارلنگ تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔" اور پھرتی سے کیپ اٹھا کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس وقت جولیا کو منانے یا معذرت کرنے کا وقت نہیں تھا۔

جولیا غصے سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ حالانکہ ایڈمنڈ چاہتا تو ڈیوڈ سے تفصیلات معلوم کرکے وہیں سے ہدایت جاری کرسکتا تھا۔ مگر وہ خطرہ مول لینے کا قائل ہی نہیں تھا۔ سنو اور عمل کرو۔ سوچنے کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب عمل کیا جارہا ہو۔ اس نے تیزی سے سیڑھیاں طے کیں اور سرچ روم میں پہنچ گیا۔

ڈیوڈ ویو اسکرین پر سامنے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے پورے جہاز پر روشنیاں آن کرنے کی ہدایات جاری کردی ہیں۔" اس نے کہا۔ ایڈمنڈ کو اس بھیانک خطرے کا گمان بھی نہیں تھا۔ اسے اپنے بدن میں سرسراہٹیں محسوس ہوئیں۔ اس کا دماغ چکرانے لگا تھا۔

ڈیوڈ کی تو گھگھی بندھ گئی تھی۔ ایڈمنڈ نے اپنے اعصابی تناؤ کو دور کرنے کی بھرپور جدوجہد کی اور اس میں کسی حد کامیاب ہوگیا۔

سرچ لائٹوں نے بڑا بھیانک منظر پیش کیا تھا۔ بہت ہی تھوڑے فاصلے پر ایک بہت بڑا ٹینکر موجود تھا۔ سیاہ اور ویران جیسے اس پر کسی ذی روح کا وجود ہی نہ ہو۔ سمندر کی لہریں اسے کشاں کشاں جہاز کی طرف لارہی تھیں اور فاصلہ بتدریج کم ہوتا جارہا تھا۔ صورت حال اس قدر خوفناک ہوگئی تھی کہ اب جہاز کا رخ بھی بدلا نہیں جاسکتا تھا۔ غلطی سراسر ڈیوڈ کی تھی۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ بہرحال اتنی دور نگاہ ضرور رکھے کہ کسی فوری خطرے سے نمٹا جاسکے لیکن نہ جانے کیوں اس سے یہ خوفناک غلطی سرزد ہوگئی تھی۔

ٹینکر میں ضرور تیل بھرا ہوگا اور صرف چند لمحات' صرف چند لمحات میں وہ جہاز سے ٹکرا جائے گا اور سمندر کی یہ کہریلی رات سرخ ہوجائے گی۔

ایڈمنڈ نے اپنی پوری دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا۔ اس سے زیادہ تیزی سے اس نے پوری زندگی میں نہیں سوچا تھا۔ پورے جہاز کے عملے سے رابطہ کے لئے تمام آلات کام کررہے تھے۔ ایڈمنڈ نے اپنے حواس مجتمع کئے اور پوری قوت سے چیخا۔

"ہیلو انجن روم۔ ہیلو بل۔"

"یس سر۔" بل نے جواب دیا۔

"سارے انجن بند کردو۔ مین آف کردو' ہری اپ۔" اور چند لمحات میں جہاز پر سناٹا چھا گیا۔

"ہیلو بل۔" ایڈمنڈ کے انداز میں اب موت کا سا سکون تھا۔

"یس سر۔"

"تمام انجنوں کو ریورس میں لگا دو اور پھر مین آن کردو جھٹکے کی پرواہ نہ کرو' جہاز جس قدر جلد پیچھے ہٹا سکتے ہو ہٹا دو۔ اگر زندگی درکار ہے۔"

اور دوسری طرف سے بل نے شاید جواب دینے کا وقت بھی کام میں صرف کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"اوہ' جناب یہ ایک اچھی کوشش ہے۔" ڈیوڈ نے کہا۔

سامنے سے ٹینکر برابر آگے بڑھا چلا آرہا تھا لیکن ایڈمنڈ نے جو ہدایات جاری کی تھیں اگر توقع کے مطابق اور بروقت ہوجاتا تو کچھ امید پیدا ہوسکتی تھی۔

ڈیوڈ نے ہونٹ بھینچ لئے خود ایڈمنڈ نے مضبوطی سے ایک ہینڈل پکڑ لیا لیکن دوسرے بے شمار لوگ خطرے میں تھے لیکن ایڈمنڈ اس وقت کوئی خیال ذہن میں نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔

پھر اچانک جہاز کے انجنوں کا مخصوص شور ابھرا اور جان جیسے حلق میں آگئی۔ اور اس کے بعد ایک خوفناک جھٹکا لگا۔ جہاز رکا اور پھر پیچھے سرکنے لگا۔ پانی نے اسے بمشکل جگہ دی تھی۔

لیکن وہ انجن جو محفوظ قوت رکھتے ہیں اور ایمرجنسی کے استعمال کے لئے ہوتے ہیں اس جدوجہد میں شریک ہوگئے تھے۔ اس جھٹکے سے جو کچھ ہوا اس کے بارے میں سوچنا بے کار تھا۔ بے شمار آوازیں ابھریں تھیں ان میں چیخیں بھی شامل تھیں اور کراہیں بھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جہاز اور ٹینکر میں فاصلہ نمایاں ہوگیا۔ ایڈمنڈ نے سکون کا سانس لیا تھا۔

دوسرے لمحہ پھر اس نے بل کو پکارا۔

"ہیلو بل۔"

"یس چیف۔"

"ونڈر فل۔ اسی قوت سے پیچھے ہٹتے رہو۔"

"یس کیپٹن۔" بل نے جواب دیا۔

جہاز اب تیزی سے پیچھے جارہا تھا لیکن خطرہ صرف چند گز پیچھے ہٹا تھا۔ موت ابھی بھی زیادہ دور نہیں تھی۔ ابھی تو کافی جدوجہد درکار تھی اور تقریباً تین منٹ کی سخت جدوجہد کے بعد جہاز کافی پیچھے آگیا تھا۔

"بل۔" ایڈمنڈ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"یس چیف۔"

"اب اسپیڈ کنٹرول کرو۔"

"اوکے چیف۔"

جہاز پر کافی چہل پہل ہوگئی تھی۔ یہ بھی ایک کارگو شپ تھا۔ مسافروں کے صرف چند کیبن تھے سب بیچارے اپنے طور پر بھاگ دوڑ کررہے تھے۔ جہاز آہستہ آہستہ سُست ہوتا جارہا تھا۔ پھر وہ رک گیا۔

"کیپٹن۔"

"یس بل۔"

"جہاز رک گیا ہے۔"

"اب اسے دائیں سمت موڑنے کی کوشش کرو۔ خطرہ ٹل گیا ہے۔ کھلے سمندر میں جہاز موڑنے کی خطرناک کوشش شروع ہوگئی اور تھوڑی دیر کے بعد یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا۔ ایڈمنڈ نے ایک بھرپور سانس لی اور ڈیوڈ کی طرف دیکھا اور اس کی روح حلق میں آ اٹکی۔ تب ہی ایڈمنڈ نے سوچا کہ جو ہونا تھا سو ہوچکا اب اس کو مزید کیا خوفزدہ کرنا۔ اس نے نرم لہجے میں ڈیوڈ کو آواز دی اور کہا۔

"جاؤ کوئی ٹھنڈا سا مشروب لاؤ۔ خود بھی پیو اور مجھے بھی پلاؤ۔"

اور ڈیوڈ اس غیر متوقع رویہ پر حیران سا ہوکر رہ گیا۔ پھر وہ کسی ہرن کی طرح لمبی لمبی چھلانگیں مارتا ہوا اپنے چیف کے لئے مشروب لانے چلا گیا اور ایڈمنڈ دوسری کارروائیوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ضروری ہدایات دے کر وہ پھر ڈیوڈ کی جانب متوجہ ہوا۔

"ہاں ڈیوڈ اب تفصیل سے بتاؤ۔ تمہیں ٹینکر کی موجودگی کا احساس کب ہوا؟"

"سر اندازہ ہی نہ ہوسکا۔"

"ریڈیو آفیسر کا کیا بیان ہے؟"

"اس نے ٹینکر پر ایمرجنسی کال کیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ بس عجیب عجیب آوازیں آرہی تھیں۔" ایڈمنڈ نے ڈیوڈ سے پوچھ کچھ مناسب نہ سمجھی اور ریڈیو روم کی طرف چل پڑا۔

"ہوں۔ کیا صورت حال ہے۔" ایڈمنڈ نے ریڈیو آفیسر سے پوچھا۔

"انوکھی آوازیں آرہی ہیں' انسان تو بول رہے ہیں مگر ان کے الفاظ بے معنی ہیں۔"

"دوبارہ رابطہ قائم کرو۔"

چند ساعت کے بعد رابطہ قائم ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی ایک عجیب آواز سنائی دی۔

"اوہ۔ ابھی تو کمسن ہوں' دیکھو' میری دم بھی نہیں نکلی ہے۔"

"ہیلو' ہیلو۔ جواب دو' کیا تمہیں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ کیا تم ٹینکر پر روشنی نہیں کرسکتے' ہم تمہاری مدد کرسکتے ہیں۔"

"باقی بچا ایک............ دو............ تین............" یہی آوازیں سنائی دیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔

ایڈمنڈ نے اندازہ لگایا کہ جو کوئی بھی بول رہا ہے کم از کم نشے میں نہیں ہے۔ کیونکہ نشے میں آواز لڑکھڑا سی جاتی ہے۔ تب کافی غور وخوض کے بعد اس نے ریڈیو آفیسر کو ہدایت کی کہ وہ برابر رابطہ قائم رکھے اور اگر کوئی کام کی بات معلوم ہو تو اسے فوراً مطلع کرے۔ ایڈمنڈ ریڈیو روم سے باہر نکل آیا۔ اس نے پورے جہاز کا ایک راؤنڈ لگایا اور عملے اور دوسرے لوگوں کی خیریت معلوم کی۔ ہر شخص اپنے اپنے کام میں تندہی سے مصروف تھا۔ ڈاکٹر اپنے عملے کے ساتھ اپنے فرائض کی بجا آوری میں مصروف تھا۔ ایڈمنڈ اپنے عملے کے ہر فرد کے کام سے مطمئن تھا۔

ایڈمنڈ نے سب مسافروں کو تسلی دی اور بتایا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے' بس کچھ خرابیوں کی بنا پر یہ حادثہ پیش آیا۔ باقی تفصیلات صبح کو بتائی جائیں گی۔ تھوڑی دیر کے بعد کپتان کو اطلاع ملی کہ کوئی خطرناک صورت حال پیش نہیں آئی۔ لوگ زخمی ضرور ہوئے ہیں لیکن خطرناک حد تک نہیں۔ یہ دوسری خوش بختی تھی۔

تب ایڈمنڈ کو جولیا کا خیال آیا اور اس کے قدم تیزی سے اپنے کیبن کی طرف اٹھ

گئے۔ جوں ہی وہ دروازہ کھول کر کیبن میں داخل ہوا تو حیرانگی سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جولیا ایک وزنی ریک کے سہارے سر کے بل کھڑی ہوئی تھی۔ ایڈمنڈ نے اس کے قریب پہنچ کر جلدی سے اسے سیدھا کیا اور اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اسے بیڈ پر لا کر لٹا دیا۔

☆======☆======☆

دوسری صبح ایڈمنڈ نے ضروری مصروفیات سے فارغ ہو کر ٹینکر پر جانے کا فیصلہ کیا اور چار لائف بوٹ ضروری سامان سے آراستہ ہو کر سمندر میں اتر گئیں۔ اب وہ ٹینکر پر ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار تھے۔ بلاشبہ یہ ایک خطرناک کام تھا۔ ٹینکر کا نام دور سے پڑھ لیا گیا یہ ایک یہودی کمپنی کی ملکیت تھا۔

لائف بوٹ ٹینکر کے نزدیک پہنچ گئیں۔ ایڈمنڈ نے اس خیال سے رسّی کی مضبوط سیڑھیاں ساتھ لے لی تھیں کہ ہو سکتا ہے جہاز پر سے ان کی پذیرائی نہ کی جائے اس وقت سمندر پُرسکون تھا۔ گویا قدرت ان کی مدد پر آمادہ تھی۔

دو آدمیوں نے پوری مہارت سے سیڑھی اچھالی اور پہلی ہی کوشش میں کامیاب ہوگئے۔ اسی وقت ایڈمنڈ کے ایک ساتھی رابرٹ نے کہا۔

"میرا خیال ہے جناب' ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔ ممکن ہے ٹینکر پر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے۔"

"تمہارے پاس پستول ہے؟"

"ہاں۔"

"بس تم میرے پیچھے پیچھے آؤ۔" اس نے کہا اور پھر سیڑھی سے ٹینکر کے آہنی بدن پر پہلا قدم ایڈمنڈ نے رکھا لیکن وہ احمقانہ بہادری کا قائل نہیں تھا۔ جب تک اس کے دس بارہ آدمی ٹینکر پر نہیں پہنچ گئے اس نے آگے قدم نہیں بڑھایا۔

ٹینکر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ انجن بند تھے اور ٹینکر لہروں کے رحم وکرم پر تھا تب ایڈمنڈ نے اپنے ساتھیوں کو جو سب کے سب مسلح تھے ہدایت کی کہ گولی اس وقت تک چلانے کی کوشش نہ کی جائے جب تک دوسرے ذرائع مسدود نہ ہو جائیں۔ پھر اس نے ٹینکر پر زور زور سے آوازیں لگائیں۔

"تم لوگ کہاں ہو؟ باہر آؤ' ہم تمہاری مدد کریں گے لیکن کئی بار کی پکار کے بعد بھی

کوئی جواب نہ ملا۔ تب اس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا اور وہ سب منظم طور پر آگے بڑھنے لگے۔ سب سے پہلے کیبن میں دو آدمی نظر آئے جن کے بدن پر جہاز کے ملازموں کے لباس تھے لیکن وہ گھٹنوں میں سر دیئے کتے کے پلوں کی طرح چیاؤں چیاؤں کررہے تھے۔ ان کے بدن کانپ رہے تھے۔ ایڈمنڈ نے انہیں کھڑے ہونے کے لئے کہا لیکن وہ اس کی آواز سن کر اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے اور زور زور سے چیخنے لگے۔ ایڈمنڈ نے بغور ان کا جائزہ لیا۔ بظاہر ان کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی۔ لباس وغیرہ بھی درست تھے۔ ہاں چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی لیکن جس انداز میں وہ کانپ رہے تھے اور چیاؤں چیاؤں کررہے تھے۔ اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ضرر رساں نہیں ہیں۔ جب ایڈمنڈ نے انہیں بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تو انہوں نے زور زور سے چیخنا شروع کردیا اور ایسی ہی چیخیں جہاز کے دوسرے حصوں سے بھی بلند ہونے لگیں۔ ان چیخوں سے سب اچھل پڑے تھے۔

"انہیں باندھ لو۔" ایڈمنڈ نے کہا اور اپنے دو آدمی ان کی نگرانی پر مامور کرکے دوسرے لوگوں کے ساتھ جہاز کے دوسرے حصوں کی طرف دوڑ پڑا۔

مختلف کیبنوں سے نو کتے کے پلے پکڑے گئے ان سب نے چیخنے کے سوا کچھ نہیں کیا تھا۔ یہ سب بظاہر اچھی حالت میں تھے ان کے جسموں پر نہ تو زخم وغیرہ کے نشانات تھے اور نہ ہی لباس بوسیدہ تھے۔ بس وہ سب سنجیدگی سے پلوں کی طرح چیخ رہے تھے۔ کبھی کبھی کچھ بولنے کی کوشش بھی کرتے لیکن وہ سب کچھ ناقابل فہم تھا۔

اور پھر انہیں پہلے المیہ سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ دولاشیں تھیں ان کے لباس پھٹے ہوئے تھے اور جسم پر جگہ جگہ خراشیں تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے دونوں آپس میں لڑتے لڑتے مرگئے ہوں۔ ان کے بدن کے بہت سے حصے ٹوٹے ہوئے تھے لیکن اس لڑائی میں کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

ایڈمنڈ نے ان کا جائزہ لیا اور آگے بڑھ گیا۔ اب اس کے ساتھ صرف رابرٹ تھا باقی لوگ دوسرے حصوں کی تلاشی لے رہے تھے۔

ایڈمنڈ نے رابرٹ کو ایک کیبن کی طرف بھیج دیا۔ سامنے ہی کپتان کا کیبن تھا خود وہ اس طرف بڑھ گیا صرف یہ ایک کیبن تھا جو اندر سے بند ملا تھا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ کوئی اندر موجود ہے اور اتنی عقل رکھتا ہے کہ کیبن کو اندر سے بند کرلے۔ ایڈمنڈ

ایک بار' دوبار' اور پھر تیسری بار دستک دینے ہی والا تھا کہ دروازہ طوفانی انداز میں کھلا اور ایک خوفناک دھاڑ سنائی دی۔ صرف ایک لمحہ صرف ایک لمحہ' ایڈمنڈ اس دھاڑ سے ہی سنبھلا تھا۔ اگر نہ سنبھلتا تو اس کا سر کئی حصوں میں تقسیم ہوجاتا۔ بیلچے کی ضرب جہاں بھی پڑتی کاری ہوتی لیکن بیلچہ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرایا تھا۔ زور دار آواز ہوئی تھی اور تنومند آدمی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

بیلچے پر اس کی گرفت نہایت مضبوط تھی۔ وہ وحشی صفت آدمی غراتا ہوا باہر نکل آیا۔ ایڈمنڈ پیچھے ہٹ گیا۔ اب کھلی جگہ تھی۔ ایڈمنڈ پھرتیلا نوجوان تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس آدمی کی ضربوں سے بخوبی بچا رہا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو پستول نکال سکتا تھا لیکن پستول استعمال کرنے کا خیال تو اس کے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں آیا تھا۔ وہ اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ نیم وحشی انسان کافی جسیم تھا اس کا بدن ٹھوس تھا۔ چہرے پر داڑھی اور خشک بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ایڈمنڈ کو گھورتے ہوئے پے در پے وار کررہا تھا۔

ایڈمنڈ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے اس سے قبل کہ وہ کوئی فیصلہ کرتا اسے رابرٹ نظر آیا۔ رابرٹ نے بھی اندازہ لگالیا تھا کہ ایڈمنڈ اپنے دشمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا چنانچہ وہ تیزی سے مڑا اور جب دوبارہ برآمد ہوا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک مضبوط سریا نظر آرہا تھا۔ اس نے نہایت خاموشی سے اس کے سر پر وار کیا اور تنومند شخص لڑکھڑا کر گر پڑا۔

"شکریہ رابرٹ لیکن یہ تو دیکھو وار زیادہ مہلک تو نہیں ہے۔"

"نہیں چیف' صرف اتنا کہ یہ درست ہوجائے۔" رابرٹ نے جواب دیا۔

"اسے بھی دوسروں میں شامل کردو۔" ایڈمنڈ نے کہا اور دوبارہ کیبن کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ضرور اندر کوئی اور بھی موجود ہے اور جونہی اس نے کیبن میں قدم رکھا ایک تیز نسوانی چیخ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ چونک پڑا۔

پہلا تجربہ کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا۔ وہ چوکنے انداز میں کیبن میں داخل ہوگیا۔ خوفزدہ لڑکی ایک بستر پہ تھی اور خوفزدہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایڈمنڈ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ نہ جانے کیوں اسے احساس ہوا کہ لڑکی دوسروں کی مانند وحشت زدہ نہیں ہے۔

"کیا تمہارے ہوش و حواس قائم ہیں۔" اس نے نرم لہجے میں پوچھا اور لڑکی پھر چیخ پڑی۔

"اگر تم ہوش میں ہو تو اتنا سن لو' میں دشمن نہیں ہوں میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم۔ تم۔ کیا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو؟" لڑکی نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کن لوگوں کی بات کررہی ہو' میرا نام ایڈمنڈ ہے اور میں قریبی جہاز سے تمہاری مدد کے لئے اس جہاز پر آیا ہوں۔"

"آہ۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" لڑکی اپنی خوشی دباتی ہوئی بولی۔

"ہاں' میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تم باہر نکل کر دیکھ سکتی ہو۔"

"لیکن وہ' وہ آہ' وہ سب پاگل ہوگئے ہیں۔ ایک بھی صحیح الدماغ نہیں ہے۔ والٹن بھی' وہ بھی تو صحیح الدماغ نہیں ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"والٹن کون؟ وہ جو ابھی تمہارے کیبن میں تھا۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے ہمارے آدمی اسے لے گئے ہیں۔"

"کیا وہ سب تمہارے قبضہ میں ہیں؟"

"ہاں۔"

"وہ سب اچھے انسان ہیں' لیکن پاگل ہوگئے ہیں وہ سب بے ضرر ہیں۔ آہ۔ ان میں سے بیشتر مرگئے ہیں اب تو چند ہی باقی بچے ہوں گے۔ وہ دن رات دھما چوکڑی مچاتے رہتے تھے۔ کتوں کی طرح بھونکتے تھے۔ مگر والٹن ایسا نہیں کرتا تھا۔ وہ تو بس خاموش بیٹھا سوچتا رہتا تھا۔ جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کررہا ہو' لیکن افسوس میں اس کی یادداشت بھی واپس نہیں لاسکی۔" لڑکی نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا اور سسکنے لگی۔

"حوصلہ رکھیں مس' ہم سب مل کر کوشش کریں گے۔" وہ لڑکی کو لئے ہوئے باہر نکل آیا اور وہاں پہنچ گیا جہاں گرفتار شدگان اپنے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھے تھے اور وہی عجیب وغریب چیاؤں چیاؤں کررہے تھے۔ والٹن بھی ان لوگوں میں شامل کردیا گیا تھا۔

"ارے یہ کیا ہوا؟" لڑکی نے والٹن کے سر پر بندھی پٹی دیکھ کر کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں' کیبن سے نکلتے وقت اس کے ہاتھ میں بیلچہ تھا۔ اس نے

میرے اوپر حملہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کو معمولی سا زخمی کرکے قابو میں کیا گیا ہے۔"

"اوہ۔" لڑکی نے ایک سسکی لی۔ "زخم گہرا تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔" ایڈمنڈ نے اسے تسلی دی۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں سے صورت حال معلوم کی۔ جہاز پر تین لاشیں ملی تھیں اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ٹینکر خالی تھا۔ شاید وہ کہیں تیل لینے جارہا تھا۔ ایڈمنڈ نے اپنے ساتھیوں سے مختصر سا مشورہ کیا۔ ٹینکر کے لئے کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا البتہ اس کی تصاویر لے لی گئیں تاکہ آگے اطلاع دے دی جائے پھر وہ گرفتار شدہ لوگوں کے ساتھ لائف بوٹس پر اتر گئے اور کشتیاں واپس چل پڑیں۔

دوسری طرف کارگو شپ کا باقی عملہ ان کا منتظر تھا گرفتار شدہ لوگوں کو بڑی مشکل سے جہاز پر چڑھایا گیا اور پھر ان کے لئے انتظامات کئے گئے۔ لڑکی کو جولیا کے سپرد کردیا گیا۔ اسے فوری طبی امداد فراہم کی گئی اور طاقت کی دوائیں اور انجکشن فراہم کئے گئے۔ ایڈمنڈ نے ٹینکر کے دوسرے گرفتار شدہ لوگوں کو بھی طبی امداد دلوائی۔ وہ ٹینکر کی انوکھی صورت حال جاننے کے لئے بے چین تھا۔ بہرحال اس بارے میں لڑکی اس کی تسلی کرتی تھی لیکن ایڈمنڈ نے اسے ایک پُرسکون رات آرام کے لئے دی۔ دوسرے دن وہ کافی پُرسکون تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ایلیا نے ٹینکر کی کہانی سنانی شروع کی۔

"کیپٹن والٹن مغربی یورپ کے ایک ملک سے تیل لے کر چلا۔ اسے تل ابیب پہنچنا تھا۔ ٹینکر پر ایلیا کے علاوہ تیس افراد اور موجود تھے۔ یہ سب ٹینکر کا عملہ تھا۔ صرف ایلیا اس میں غیر قانونی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ والٹن کی محبوبہ تھی ایک سال قبل دونوں ملے تھے اور اس کے بعد سے والٹن نے اسے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس نے آج تک اپنے لاابالی پن کی وجہ سے شادی نہیں کی تھی لیکن ایلیا کے لئے وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایلیا سے شادی کرے گا۔

والٹن ایک سنجیدہ اور متین شخص تھا حد درجہ رحمدل اور ہمدرد اس کا پورے عملے کے ساتھ سلوک نہایت دوستانہ تھا۔ میرے بارے میں سب کو معلوم تھا' لیکن ایک طرح سے میں جہاز پر پوشیدہ تھی۔ کیونکہ بہرحال میری حیثیت اس جہاز پر غیر قانونی تھی۔ انہوں نے نہایت چالاکی سے میرے لئے ایک خفیہ کیبن بنا دیا تھا۔ جہاں میں ضرورت کے وقت اس طرح پوشیدہ ہوسکتی تھی کہ بیرونی لوگ مجھے تلاش نہ کرسکیں۔

کیبن میں کھانے پینے کی اور دوسرے استعمال کی چیزیں مہیا کر دی گئی تھیں تاکہ کسی ناگہانی آفت پر میں کئی دن تک اس میں پوشیدہ رہ سکوں۔ بہرصورت ٹینکر تیل لے کر چل پڑا۔ شب وروز حسبِ معمول تھے کوئی خاص بات نہ تھی ہمیں سفر کرتے ہوئے آٹھواں دن تھا۔ تب صبح کو ملاحوں نے بتایا کہ سمندر میں ایک چھوٹی سی کشتی نظر آرہی ہے جو بار بار ابھر رہی ہے اس پر سفید کپڑا بندھا ہوا ہے جو شاید مدد کے لئے ہے۔

والٹن کو اطلاع ملی تو وہ بے چین ہوگیا۔ اس نے فوری طور پر ٹینکر کی رفتار کم کراکے ایک لائف بوٹ کشتی کے تعاقب میں روانہ کی۔ چھوٹی کشتی کا مسافر ایک خوش رُو جوان تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں سیاہ حلقے نظر آرہے تھے۔ لباس پھٹا ہوا تھا اور اندازہ ہورہا تھا کہ وہ ایک طویل عرصہ تک سمندر کی صعوبتوں کا شکار رہا ہے۔ چھوٹی کشتی میں اس کا مختصر سا سامان موجود تھا جو دو سوٹ کیسوں پر مشتمل تھا۔ سوٹ کیس لاک تھے اور یوں لگتا تھا جیسے نوجوان انہیں اپنی زندگی سے زیادہ عزیز رکھتا ہو۔ اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ ٹھیک سے بول بھی نہ پارہا تھا۔

والٹن نے اسے تسلی دی اور اسے فوری طبی امداد دی گئی۔ نوجوان کی آواز جب کھلی تو اس نے پہلی درخواست یہی کی کہ براہِ کرم اس کے سوٹ کیسوں کی تلاشی نہ لی جائے۔ والٹن نے نوجوان کو تسلی دی اور کہا کہ وہ اطمینان رکھے' کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہیں کیا جائے گا۔ وہ جب کسی سے متاثر ہوجاتا تھا تو اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوجاتا تھا اور درحقیقت اس نوجوان کی شخصیت بے حد پُرکشش تھی۔ والٹن خود تو چونکہ کافی تن وتوش کا مالک ہے اس لئے اس کا لباس تو نوجوان کے بدن پر نہ آسکا لیکن اس کی جسامت کے ایک سیکنڈ آفیسر کا لباس اسے دے دیا گیا اور اس کی شیو وغیرہ بنوائی گئی تو نوجوان پر خودبخود پیار آنے لگا۔ والٹن اس سے بڑے پیار سے پیش آرہا تھا۔

دو دن تک اس کو مکمل آرام کرنے دیا گیا لیکن تیسرے دن نوجوان نے کہا کہ اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔ والٹن اس کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھا۔ چنانچہ اس نوجوان نے اپنا نام ابو الفہر بتایا۔ اس نے کہا کہ وہ اسمگلنگ کرتا ہے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ مال لے کر دوبئ سے آرہا تھا راستے میں آپس میں جھگڑا ہوگیا اور جھگڑے نے اتنی شدت اختیار کرلی کہ انہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ شروع کردی۔ زیادہ تر مارے

گئے' کچھ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ بھی بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر اس کشتی کے ذریعے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

لیکن اس کے بعد کی صعوبتوں نے ابوالفہر کو نڈھال کردیا۔ سمندر کے دن رات اور بھوک پیاس نے اسے زندگی کی اہمیت کا احساس دلایا اور مایوسی کے آخری لمحوں میں والٹن نے اس کی مدد کی۔

نوجوان کی صاف گوئی والٹن کو بھی پسند آئی تھی لیکن وہ پریشان ہوگیا۔ جہاز پر ایک ایسے آدمی کی موجودگی اس کی پوزیشن خراب کرسکتی تھی اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ پورا دن پریشان رہا۔ رات کو اس نے مجھ سے بھی یہی بات کی اور بالآخر فیصلہ کرلیا کہ نوجوان سے ہمدردی اپنی جگہ ہے اس کی زندگی بچ گئی لیکن تل ابیب پہنچ کر وہ اسے اس کے سوٹ کیسوں سمیت حکام کے حوالے کردے گا۔

"ہاں' میں اس سے قبل ایک کام اور کروں گا' اگر ابوالفہر یہ سوٹ کیس کہیں تلف کرنے پر تیار ہوجائے یا انہیں میرے سامنے سمندر میں پھینک دے تو اس صورت میں' میں اسے کسی نہ کسی طرح ساحل پر اتار ہی لوں گا۔ اتنا خوبصورت نوجوان اور ایسے غلط راستوں پر۔ بات تو افسوس کی ہے۔" اس نے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے والٹن' اسے زندگی نے اتنا مایوس کیا ہے کہ وہ اس بات پر تیار ہوجائے گا اور پھر وہ تمہارے حسنِ سلوک سے بھی متاثر ہے۔ اگر تم اسے نرمی سے سمجھاؤ گے تو وہ مان بھی جائے گا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" والٹن نے گردن ہلائی اور پھر ہم لوگ آرام سے سوگئے۔

لیکن دوسری صبح ٹینکر کے عملے' والٹن اور خود میرے لئے بڑی سنسنی خیزی لئے ہوئے تھی' سب حیران تھے' سب کے سب بدحواس ہوگئے تھے' ٹینکر پر تیل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ تیل کا ایک پورا ٹینک بھرا ہوا تھا۔ البتہ دوسرا ٹینک خالی تھا۔

اور بھرے ہوئے ٹینک کے اوپری حصے پر ابوالفہر نہایت اطمینان سے مورچہ لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک خود کار مشین گن لگی ہوئی تھی جو چاروں طرف گھوم سکتی تھی۔ نزدیک ہی ایک اسٹینڈ پر ایک جھنڈا لہرا رہا تھا جس کا رنگ اور نشان کسی ملک کا تعین نہیں کرتا تھا۔ یعنی نامانوس تھا۔

اس کے ایک ہاتھ میں میگا فون تھا اور وہ بڑی دلچسپ نگاہوں سے ٹینکر کے عملے کے افراد کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دلچسپ مسکراہٹ تھی اور وہ بے حد پُرسکون نظر آرہا تھا۔

والٹن کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ ششدر رہ گیا اور پھر تیار ہو کر میرے ساتھ ان لوگوں کے قریب پہنچ گیا جو اسے دیکھ رہے تھے۔

اس سے قبل کہ وہ لوگوں سے صورت حال پوچھے میگا فون پر ابوالفہر کی آواز گونجی۔

”مہربان کیپٹن والٹن‘ میں تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔ سب سے پہلے میری ایک وارننگ سنو۔ تم یا تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی میرے نزدیک آنے کی کوشش نہ کرے۔ میری نگاہیں چاروں طرف ہیں اور بات صرف ایک ہلکے سے اشارے کی ہے۔

”یعنی میں اگر مشین گن نہ بھی استعمال کرسکا اور تم لوگوں میں سے کوئی مجھے زخمی یا ہلاک کرنے میں کامیاب ہوگیا تب بھی مرتے مرتے میں ایک سرخ بٹن کو دبادوں گا جو ذرا سی بلندی پر بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ اور ہاں اس سرخ بٹن کے بارے میں تفصیل نوٹ کرلو۔ کبھی بعد میں کہو کہ میں نے دھوکہ دیا تھا۔ کیپٹن ان سوٹ کیسوں میں منشیات نہیں تھی اور نہ ہی ان سوٹ کیسوں میں کوئی اسمگلنگ کا مال تھا بلکہ ان میں اس مہم کے لئے کارآمد چیزیں تھیں جسے سرانجام دینے کے لئے میں نکلا تھا تو اب ان چیزوں کی تفصیل بھی سن لو۔ تفصیل کچھ یوں ہے۔ اس نے کہنا شروع کیا۔“

والٹن کا چہرہ عجیب سے تاثرات لئے ہوئے تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہورہا ہے۔ کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے اور ابوالفہر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”دیکھو یہ میرے پاس ایک چھوٹی سی ڈرل مشین ہے لیکن یہ ایک ایٹمی بیٹری سے چلتی ہے اور اس کی کارکردگی حیرت انگیز ہے۔ یہ صرف تیس سیکنڈ میں سخت ترین فولاد میں ڈیڑھ فٹ گہرا سوراخ کرسکتی ہے اور اس سوراخ کا قطر دو انچ تک ہو سکتا ہے۔ ٹینکر کی وہ چادر جس کے نیچے تیل موجود ہے پوری ایک انچ موٹی ہے۔ چنانچہ میں نے اسے ٹھیک ناپ کے ساتھ صرف دو سوت چھوڑ دیا ہے اور تیل سے دو سوت اوپر میں نے چار انچ چوڑے دو خول بنائے ہیں اور ان دونوں خولوں میں دو اٹامک ڈائنامائٹ فٹ ہوچکے

ہیں۔ ان کا وزن بہت معمولی ہے لیکن ان کی کارکردگی تمہارے تصورات سے کہیں زیادہ حیرت انگیز ہے۔ یہ فولاد کی ایک فٹ چوڑی چادر پھاڑ سکتے ہیں اور ان سے نکلنے والی تیز شعاعیں ایک مربع فرلانگ کے اندر اندر ہر چیز کو خاکستر کرسکتی ہیں۔ چار باریک تار اس سے منسلک ہیں اور ان تاروں کا کنکشن میں اس چھوٹی سی مشین سے کرچکا ہوں جس کا نچلا حصہ میگنٹ کا ہے۔ گویا یہ مشین ٹینکر سے چپکی ہوئی ہے سرخ بٹن اتنا ملائم ہے کہ بہت ہی خفیف سے اشارے پر دب سکتا ہے۔

”چنانچہ میرے مہربان دوست والٹن مجھے یقین ہے کہ تم نے اس صورت حال کی نزاکت کا احساس کرلیا ہوگا۔ میرے سوٹ کیسوں میں جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں بہت سی چیزیں تھیں جن میں یہ ہلکی نہایت کارآمد اور مؤثر مشین گن اس کے میگزین‘ میرے وطن کا یہ مقدس جھنڈا اور یہ ایک اٹامک پستول ہے جو صرف اس لئے ساتھ لیا گیا ہے کہ اس کا تجربہ کرکے تمہیں بتا دیا جائے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ غلط نہیں ہے اس کے علاوہ میرے پاس نیند ختم کرنے والی گولیاں بھی ہیں اور ان کی خاصیت یہ ہے کہ یہ ہفتوں جاگنے کے باوجود انسان کو کسی قسم کی تھکن کا احساس نہیں ہونے دیتیں۔ چنانچہ جب تک میں اپنا کام کروں گا پوری طرح چوکس اور مستعد رہوں گا۔

”تو میرے پیارے کیپٹن والٹن! اس کے علاوہ میں نے کچھ غیر اخلاقی حرکتیں بھی کی ہیں۔ رات کو ٹھیک دو بجے میں اپنے کیبن سے نکل آیا تھا۔ میں نے پہلے اپنے یہ دونوں سوٹ کیس یہاں پہنچائے۔ دن میں‘ میں یہ معلومات کرچکا تھا کہ تیل کون سے ٹینک میں ہے۔ اس کے بعد میں تمہارے کچن میں گیا اور میں نے وہاں سے خوراک کا تھوڑا سا ذخیرہ حاصل کیا۔ ظاہر ہے اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ تم سے میں خوراک حاصل کرتا تو خطرہ مول لے لیتا۔ یعنی تم مجھے بیہوشی کی دوا بھی دے سکتے تھے اور اس کے بعد میں نے اپنا کام شروع کردیا۔

”اور صرف ایک گھنٹہ بعد میں پورے کام سے فارغ ہوچکا تھا اس وقت سے میں یہاں ہوں‘ میرا خیال ہے پوری صورت حال تمہاری سمجھ میں آگئی ہوگی۔“

والٹن کو اس سے قبل کبھی اتنا نروس نہیں دیکھا گیا تھا۔ وہ آہنی اعصاب کا مالک تھا لیکن اس وقت اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ شدت جذبات سے تمتما رہا تھا اور اس کے کان کی لوئیں سرخ ہورہی تھیں اور جب وہ بولا تو اس کی آواز میں بھی

لرزش تھی جو اس سے قبل کبھی محسوس نہیں کی گئی۔ اس وقت صاف محسوس کی جاسکتی تھیں۔ اس نے پوچھا۔

"کیا تمہارا نام ابو الفہر ہی ہے؟"

"ہاں یقیناً میں نے اس بارے میں تم سے جھوٹ نہیں بولا۔"

"اور کیا تم وہی ہو جو سمندر میں بے یارومددگار تھے۔"

"ہاں۔ بظاہر۔"

"ابوالفہر کیا ہم اسی سلوک کے مستحق ہیں؟" والٹن نے بھرائی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا۔

"نہیں والٹن میرے دوست' لیکن عظیم تر مفاد کے لئے انسانی اقدار کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔"

"عظیم تر مفاد سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میں سمندر میں بے یارومددگار نہیں تھا۔ میرے ساتھی مجھ سے دور نہیں تھے۔ اور اس وقت بھی وہ مجھ سے بہت زیادہ دور نہیں ہیں۔ تو بات ہو رہی تھی عظیم تر مفاد کی' میں اپنے وطن کی تعمیر میں حصہ لے رہا ہوں۔"

"تمہارا وطن کون سا ہے؟"

"فلسطین' تم میرے وطن کا فلیگ دیکھ رہے ہو۔" ابوالفہر نے جواب دیا۔

اور والٹن کے اعصاب پھر کشیدہ ہوگئے فلسطین کا نام گزشتہ کئی سالوں سے اخبارات کی بلکہ ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔ اس ملک کے نام پر بہت سے ملکوں میں خطرناک مہمات وقوع پذیر ہوچکی تھیں۔ ان لوگوں کے کارنامے ایسے ہیں کہ دنیا کو ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہے اور ساری دنیا کی یہودی لابی اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ان کے خلاف نبرد آزما ہے۔"

"کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے والٹن۔" ایلیا نے پوچھا۔

"ہاں۔" والٹن نے جواب دیا۔

والٹن نے بعد میں مجھے بتایا کہ اس فلیگ کی تصویر دنیا کے اکثر اخباروں میں شائع ہوچکی ہے۔ اسے یاد آگیا تھا۔

"مگر ابوالفہر تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" والٹن نے پوچھا۔

"تیل۔" ابوالفہر نے کہا۔

"تیل؟" والٹن چونک پڑا۔

"ہاں والٹن' ہمیں تیل کی سخت ضرورت ہے تم نے سنا ہوگا ہم نے بہت سے علاقوں میں تیل کی لائن کاٹی ہے لیکن وہاں سے تیل حاصل کرکے اسے اپنے علاقے میں منتقل کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے جن علاقوں میں ہماری برانچیں ہیں وہاں کوشش کے باوجود تیل نہیں مل سکا۔ خاص طور پر بیروت کے مغربی کنارے پر جہاں اس وقت فدائین محصور ہیں اور ان پر عرصۂ حیات تنگ سے تنگ تر کیا جارہا ہے۔ اس لئے دوسرے ذرائع بھی استعمال کئے جارہے ہیں۔ اب جیسے یہ تیل بردار جہاز جو کہ ہے بھی ہمارے دیرینہ دشمن ایک یہودی کمپنی کی ملکیت' ہم اس کی روانگی کا شدت سے انتظار کررہے تھے۔ اس کے ایک ایک لمحہ کا ہمیں علم ہے اور یہ کام پوری مستعدی سے ہوا ہے۔

"میرا جو حلیہ تم دیکھ رہے ہو وہ سمندری ہواؤں سے یا سمندر کی صعوبتوں سے نہیں ہوا تھا بلکہ میں نے پورے تین دن اور تین راتیں فاقہ کرکے اپنی یہ حالت بنائی تھی وطن کی تعمیر کرنے میں بڑی سخت محنت کرنا ہوتی ہے کیپٹن۔"

"تو پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"بس میں یہاں رہوں گا۔ میرے سامنے رکھا ہوا ایک آلہ سمت پیا ہے۔ ابھی ہمیں دس گھنٹے سیدھے چلنا ہوگا۔ جہاز کی رفتار اس وقت بائیس میل ہے۔ یہ آلہ رفتار بھی نوٹ کرتا ہے۔ اگر ہم اسی رفتار سے چلتے رہے تو پورے دس گھنٹے کے بعد ہم اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ جائیں گے۔ پھر وہاں سے میں تمہیں گائیڈ کروں گا۔"

"اس کے بعد کتنا سفر ہوگا۔"

"اسی رفتار سے تقریباً تیس گھنٹے کا۔"

"پھر اس کے بعد؟"

"ہم برانچ زیرو اٹھارہ پہنچ جائیں گے۔"

"کوئی جزیرہ ہے؟"

"ہاں۔"

"پھر ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔"

"نہایت دوستانہ۔ نہایت پُر محبت۔ تمہیں اس وقت تک رکھا جائے گا جب تک

ٹینک خالی نہ ہوجائے اور اس کے بعد واپس کردیا جائے گا۔" والٹن کی پیشانی پر تفکرات کی بے پناہ شکنیں تھیں۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہارے ساتھ تعاون کریں گے ابوالفہر لیکن تمہاری ذرا سی غلطی بہت بڑی تباہی پھیلا سکتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟" ابوالفہر نے کہا۔

"کسی بھی بھول سے تمہارا ہاتھ اس بٹن پر دباؤ ڈال سکتا ہے۔"

والٹن کی آواز میں لرزش تھی۔

"نہیں کیپٹن! میں مکمل تربیت یافتہ ہوں۔ تم اس سلسلے میں بالکل فکر مند نہ ہو۔" ابوالفہر نے کسی قدرے چہکتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم تم سے کہیں کہ ہم تمہاری ہدایات پر عمل کریں گے تم یہ ڈائنامائٹ ہٹا دو اور صرف مشین گن سے ہی کام چلاؤ۔"

"تو میں معذرت کرلوں گا کیپٹن۔" ابوالفہر نے پھٹ سے کہا۔ اس کا لہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا تھا۔

"ہوں۔" والٹن نے کہا اور پھر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ درحقیقت وہ بہت سخت پریشان تھا۔ اس کے بعد وہ پورا دن ابوالفہر کی طرف نہیں گیا۔ تخت جان، معصوم صورت ابوالفہر بڑے مزے سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ اکثر خلاصیوں سے مذاق بھی کرلیتا تھا۔ والٹن نے دور سے اس کا بھرپور جائزہ لیا اور اس نے اندازہ لگایا کہ وہ پوری طرح چوکس ہے اور اس سے کسی لغزش کی کوئی امید نہیں ہے لیکن والٹن بھی اپنی کیپٹن شپ میں ایسی بزدلی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

اس کے اعصاب کافی کشیدہ تھے اس کے چہرے سے ہیجان ٹپک رہا تھا۔ رات کو اس نے افسروں کی ایک میٹنگ اپنے کمرے میں طلب کی۔ ہر چہرہ کشیدگی کا شکار تھا ہر ایک پر تفکر چھایا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے اب؟" والٹن نے پوچھا۔

"ہم سب بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں کیپٹن۔"

"کیا ہمیں اس کی بات مان لینی چاہئے؟"

"آپ کو حالات کا اندازہ ہے کیپٹن۔" ریڈیو آفیسر نے کہا۔

"ہم کسی قسم کی مدد بھی طلب نہیں کرسکتے۔ کھلے سمندر میں ہیں فرض کرو، اگر کوئی

جہاز مل بھی جاتا ہے تو ہم اس سے کیا کہیں گے اور وہ ہمارے لئے کیا کرسکتا ہے؟"

"بے شک وہ جان دینے پر تلا ہوا ہے۔"

"اس کے خلاف کوئی بھی سازش ہمارے لئے بدترین خطرہ بن جائے گی۔" والٹن ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"ایسی صورت میں اس کی بات مان لینے ہی میں فائدہ ہے۔"

"نہیں۔ یہ۔ یہ گوارا نہیں کیا جاسکتا؟"

"لیکن دوسری صورت میں ہم موت اور زندگی کے دوراہے پر پہنچ جائیں گے۔ آپ غور کریں کیپٹن۔ صورت حال کس قدر خوفناک ہے۔ اس صورت میں زندگی بچانا بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہمیں جذباتی انداز میں نہیں سوچنا چاہئے۔"

کیپٹن والٹن نے جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے سوچتا رہا تھا اور پھر وہ اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک نظر آرہی تھی۔

"مسٹر راجرز۔" اس نے اپنے ایک نائب کو مخاطب کیا تھا۔

"یس سر۔"

"دوسرا ٹینک خالی ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔" راجرز نے رواداری میں کہا لیکن اچانک اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ غالباً وہ والٹن کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"کیا خیال ہے؟ اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔"

"اس نے ڈائنامائٹ کی جو قوت بتائی ہے۔ اگر وہ پھٹتے ہیں تو ان کے اثرات دوسرے ٹینک تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔"

"پھر بھی شدید خطرہ تو ٹل جائے گا اور یہ ممکن ہے کہ دوسرا ٹینک آگ نہ پکڑے۔"

"سوچ لیں کیپٹن۔"

"سوچ لیا۔ تیاریاں کرو، لیکن رات کے سناٹے میں یہ کام مشکل ہے۔ درمیانی شب ٹینک کا ڈھکن کھولنے سے آوازیں پیدا ہوں گی اور وہ اوپر سن لے گا۔"

"لیکن دن میں۔ دن میں..........." کیپٹن تھوڑی دیر سوچتا رہا اور پھر بولا۔

"خیر ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے ہم کوئی اور عمدہ پروگرام ترتیب دے لیں

گے۔"

ٹھیک دس گھنٹے بعد میگا فون پر ابوالفہر کی آواز سنائی دی۔

"کیپٹن والٹن جہاز کا رخ بائیں سمت کردو اور نوے کے زاویے سے آگے بڑھو۔"

"ٹھیک ہے۔" والٹن نے ہدایات جاری کردیں۔

ساری رات آنکھوں میں کٹی، والٹن کے ساتھ میں بھی جاگ رہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس کی وجہ اس نے یہی بتائی۔ "بے شک یہ بات بہت بڑی نہیں ہے فلسطین کے فدائین جو کچھ کررہے ہیں اس سے دنیا واقف ہے لیکن میں نے اپنی پوری جہازی زندگی میں بڑے بڑے حادثے ٹالے ہیں، لیکن اس وقت میرے ساتھی خوفزدہ ہیں کیا تم خوفزدہ نہیں ہو ایلیا؟"

"میں تمہارے ساتھ ہوں والٹن۔" میں نے کہا اور وہ خوش ہوگیا۔

رات گزر گئی۔ پورا دن ماحول پُرسکون رہا لیکن والٹن کے انتظامات جاری تھے۔ اس نے ایک لنگر مرمت کے لئے سامنے ڈال دیا اور بہت سے مزدور اس میں مصروف ہوگئے۔ لوہے کے گھن لنگر پر برستے رہے اور ان کے شور میں دونوں ٹینکوں کے درمیان پائپ کو کھولنے کا کام کیا گیا۔

ابوالفہر بھی مطمئن تھا اس نے باربار ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا تھا۔ رات کو تیل نہیں کھولا گیا لیکن علی الصبح مزدوروں نے لنگر کی پھرپٹائی شروع کردی اور تیل کے منتقل ہونے کی آوازیں لنگر کے شور میں دب گئیں۔ اب والٹن مطمئن تھا۔ دوپہر تک سارا تیل دوسرے ٹینک میں منتقل ہوگیا اور پھر آخری کام خود والٹن نے انجام دیا۔ اس نے ایک بے آواز رائفل اٹھائی اور ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے وہ ابوالفہر کے سر کا نشانہ لے سکتا تھا۔

ٹینکر کے عملے کے چہرے سفید پڑے ہوئے تھے ڈائنامائٹ سے دوسرا ٹینک بھی متاثر ہوسکتا تھا لیکن والٹن یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھا اور وقت مقررہ پر اس نے رائفل کا ٹریگر دبادیا۔

اس کا نشانہ بہت عمدہ تھا۔ ابوالفہر کے سر کے پرخچے اڑ گئے لیکن سب نے دیکھا کہ اس مرتے ہوئے آدمی کا ہاتھ بڑھا اور ٹینک کے خول میں گونجنے والی آواز اتنی خوفناک تھی کہ کانوں کے پردے ناکارہ ہوگئے۔

جہاز لرز گیا تھا لیکن سب کی پھٹی پھٹی آنکھیں دوسرے ٹینکر پر تھیں اور وقت سنسناتا گزر رہا تھا۔ ایک منٹ، دو منٹ تین منٹ اور پھر دس منٹ۔

والٹن کی مسرت بھری چیخ سنائی دی۔ دوسرا ٹینکر صحیح وسالم تھا۔ جہاز پر جشن مسرت منایا جانے لگا لیکن تقدیر کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ مسرت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کی باچھیں سکڑ گئیں۔ کیونکہ جہاز کے چاروں طرف سفید جنگی کشتیاں نظر آرہی تھیں۔ ان کی تعداد بلامبالغہ بیس سے زیادہ ہوگی اور ان پر فدائین کے مخصوص جھنڈے لہرا رہے تھے۔ چالیس گھنٹے تقریباً پورے ہوچکے تھے۔

آئل ٹینکر جنگی جہاز نہیں تھا۔ والٹن بے بس ہوگیا۔ جنگی کشتیاں ٹینکر سے ہونے والی ذرا سی حرکت پر اسے تباہ کرسکتی تھیں اور اب والٹن کے پاس بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد بے شمار مسلح افراد ٹینکر پر پہنچ گئے ٹینکر کی حالت پر انہوں نے صورت حال سمجھ لی۔ والٹن نے آخری کام اپنے مفاد کا کیا تھا۔

اس نے مجھے خفیہ کیبن میں بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

"زندگی میں ہارجیت ہوتی رہتی ہے ایلیا ہم جیت کر بھی ہار گئے۔ تم یہاں رہو۔ ممکن ہے ٹینک خالی کرنے کے بعد یہ ہمیں زندہ چھوڑ دیں۔ جب تک گزار سکو گزار لینا، جب تمہیں یقین ہوجائے کہ ہم مرچکے ہیں تو پھر جس انداز میں چاہو خود کو بچالینا۔" اور والٹن باہر چلا گیا۔ اس کے بعد ان لوگوں پر کیا بیتی مجھے نہیں معلوم۔ سات دن گزر گئے۔ میں نے پورے سات دن اس تنگ کیبن میں گزارے۔ مجھے جہاز پر لوگوں کی آہٹیں سنائی دیتی تھیں اور میں سانس تک بند کرلیتی تھی۔

اور وہ آٹھواں دن تھا۔ جب میں نے جہاز میں حرکت محسوس کی۔ وہ ہل رہا تھا لیکن میری ہمت نہ پڑی میرے اندازے کے مطابق جہاز کو چلتے ہوئے تیسرا دن تھا کسی نے مجھے آواز نہیں دی تھی۔ کسی نے کیبن کھولنے کے لئے نہیں کہا تھا اور اس کا مقصد یہی تھا کہ والٹن ان میں موجود نہیں تھا جو جہاز چلا رہے تھے۔

پھر چوتھے دن مجھے اپنے کیبن پر آہٹیں سنائی دیں کوئی دروازے کو کھرچ رہا تھا۔ اب مجھ میں بھی برداشت کی قوت نہیں رہی تھی۔ میں نے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔

"آہ۔" کیبن کھرچنے والا میرا والٹن تھا لیکن عجیب حلیے میں، اس کے چہرے پر

وحشت تھی۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ میں اس سے لپٹ گئی تب بھی اس نے میری پذیرائی نہیں کی' اور پھر۔ میں نے جہاز پر بے شمار پاگل دیکھے۔ عجیب عجیب حرکتیں کر رہے تھے کتوں کی طرح بھونک رہے تھے اور پھر خاموش ہو کر سوگ منانے بیٹھ جاتے تھے۔ کوئی بھی صحیح الدماغ نہیں تھا۔

والٹن عموماً خاموش رہتا تھا اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

جہاز کے انجن بند تھے۔ وہ صرف لہروں کے رحم و کرم پر ڈولتا تھا اور پھر میں وقت کا تعین بھول گئی۔ ان پاگلوں کے لئے جو کچھ کر سکتی تھی کرتی رہی۔

جہاز پر خوراک کا ذخیرہ جوں کا توں رہنے دیا گیا تھا۔ اب مجھے صرف موت کا انتظار تھا۔ صرف موت کا۔ یہ ہے ٹینکر کی کہانی اور بعد کے حالات کا تمہیں بھی علم ہے کیپٹن۔"

یہ کہہ کر جولیا دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا کر زور زور سے رونے لگی۔ ایڈمنڈ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کو کیسے تسلی دے۔

☆------☆------☆

مٹی کی آبرو

انسان کی فطرت میں جب لالچ پیدا ہو جائے تو اس کا خون سفید ہو جاتا ہے۔ ایک خفیہ خزانے کی تلاش میں سرگرداں انسانوں کی کہانی جو رشتوں کی پہچان بھلا بیٹھے تھے۔

لندن کی حسین فضاؤں سے واپسی کسی قدر تکلیف دہ تھی لیکن ضروری بھی۔ اور پھر وقت سے کافی پہلے واپس جانا پڑ رہا تھا۔ اس لئے شہزاد خوش نہیں تھا۔ جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے سوچا کہ کاش دوران سفر کوئی حسین ساتھی مل جائے۔ یہاں آنے کا تجربہ بڑا تلخ تھا۔ برابر کی سیٹ پر ایک موٹا یہودی خراٹے لیتا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کم بخت نے آرام کی نیند سونے کے لئے یہ سفر اختیار کیا ہو' اور پھر سوتے سوتے اس کا سر بار بار شہزاد کے شانے سے آلگتا تھا۔ جب وہ تنگ آگیا تو اس نے ایئر ہوسٹس کو اشارہ کیا۔ ہوسٹس خوش اخلاقی سے اس کی طرف جھک گئی تھی۔

"مجھے ایک تیز دھار والا خنجر درکار ہے۔"

"جی..........؟" وہ حیرت سے بولی۔

"جس سے ایک انسانی گردن کسی دقت کے بغیر کاٹی جاسکے۔"

"میں سمجھی نہیں جناب۔" ہوسٹس نے بدستور حیرت سے کہا۔

"یہ شخص کسی ارمان بھری محبوبہ کا کردار ادا کر رہا ہے اور بار بار اپنا منحوس سر میرے شانے پر رکھ دیتا ہے۔ اس سفر کے دوران میں اٹھائیس مرتبہ اس کا سر اپنے شانے سے ہٹا چکا ہوں بالآخر میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا؟" ہوسٹس مسکرا کر بولی۔

"اس کا سر کاٹ کر آپ کو تحفتاً پیش کردوں۔ آپ کی مسکراہٹ مجھے بہت پسند آئی ہے۔"

اس میں میرا کیا قصور ہے سر' میں اس قیمتی تحفے کو برداشت نہ کرسکوں گی۔" ہوسٹس نے بھی ظرافت سے کہا۔

"تب پھر کچھ اور کیجئے۔" شہزاد بولا۔

ہوسٹس نے یہودی کی سیٹ کھول کر اسے نیچے کردیا تھا۔ سر سے نجات مل گئی

تھی لیکن خراٹے کون روک سکتا تھا۔ پچھلے سفر کے تجربے نے شہزاد کو یہ دعا کرنے پر مجبور کردیا تھا کہ اس دفعہ کوئی حسین ساتھی ہم سفر ہو اور بعض اوقات دعائیں کس طرح قبول ہو جاتی ہیں۔ اس کا اندازہ اسے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ہوا تھا۔ جو لڑکی اس کے نزدیک آکر بیٹھی تھی' اس کا قد ساڑھے پانچ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ بدن انتہائی پُرکشش اور بھرا بھرا تھا۔ چہرہ عجیب سی تمکنت لئے ہوئے تھا۔ نقوش مغرب و مشرق کا امتزاج تھے۔ غرض وہ بے حد حسین تھی۔ اس نے نہایت عمدہ قسم کا سینٹ لگایا ہوا تھا۔

وہ شہزاد کے نزدیک بیٹھ گئی۔ شہزاد نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سیٹ سے سر ٹکا دیا۔ روانگی کے تمام لوازمات پورے ہوئے تو جہاز فضا میں بلند ہوگیا۔ لڑکی نے دو تین بار عجیب سی نگاہوں سے شہزاد کو دیکھا تھا۔ شہزاد بول پڑا۔

"آپ نے مجھے برباد کردیا۔"

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔" لڑکی بولی۔

"جی ہاں۔ آپ سے۔"

"کیا ہوا پلیز؟ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی؟"

"زبردست۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"مگر میں نے تو.........." لڑکی جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

"آپ نے نہیں۔ میں نے خود اپنا کباڑا کیا ہے۔"

"کیا ہوا؟"

"زندگی بھر دولت مند بننے کی دعائیں مانگتا رہا ہوں۔ کبھی کوئی دعا پوری نہیں ہوئی۔ اس وقت کسی حسین ہم سفر کی دعا مانگی تو فوراً پوری ہوگئی۔ آپ ہمسفر بن گئیں۔ ظاہر ہے یہ سفر مختصر ہے۔ آپ اپنی راہ لیں گی۔ مجھے کیا ملے گا۔ آپ کے بجائے اگر اس وقت میں نے اپنے لئے دولت مانگی ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔"

"کمال ہے۔" لڑکی ہنس پڑی۔

"یہ سب میری تقدیر کا کمال ہے۔ بہرحال جو مل جائے وہ غنیمت ہے۔"

"آپ دلچسپ ہیں۔" وہ بولی۔

"اور آپ خوبصورت۔ آپ کا نام؟"

"شکریہ' میرا نام گوریا خان ہے۔"

لندن کی حسین فضاؤں سے واپسی کسی قدر تکلیف دہ تھی لیکن ضروری بھی۔ اور پھر وقت سے کافی پہلے واپس جانا پڑ رہا تھا۔ اس لئے شہزاد خوش نہیں تھا۔ جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے سوچا کہ کاش دوران سفر کوئی حسین ساتھی مل جائے۔ یہاں آنے کا تجربہ بڑا تلخ تھا۔ برابر کی سیٹ پر ایک موٹا یہودی خراٹے لیتا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کم بخت نے آرام کی نیند سونے کے لئے یہ سفر اختیار کیا ہو' اور پھر سوتے سوتے اس کا سر بار بار شہزاد کے شانے سے آلگتا تھا۔ جب وہ تنگ آگیا تو اس نے ایئر ہوسٹس کو اشارہ کیا۔ ہوسٹس خوش اخلاقی سے اس کی طرف جھک گئی تھی۔

"مجھے ایک تیز دھار والا خنجر درکار ہے۔"

"جی............؟" وہ حیرت سے بولی۔

"جس سے ایک انسانی گردن کسی دقت کے بغیر کاٹی جاسکے۔"

"میں سمجھی نہیں جناب۔" ہوسٹس نے بدستور حیرت سے کہا۔

"یہ شخص کسی ارمان بھری محبوبہ کا کردار ادا کر رہا ہے اور بار بار اپنا منحوس سر میرے شانے پر رکھ دیتا ہے۔ اس سفر کے دوران میں اٹھائیس مرتبہ اس کا سر اپنے شانے سے ہٹا چکا ہوں بالآخر میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا؟" ہوسٹس مسکرا کر بولی۔

"اس کا سر کاٹ کر آپ کو تحفتاً پیش کردوں۔ آپ کی مسکراہٹ مجھے بہت پسند آئی ہے۔"

اس میں میرا کیا قصور ہے سر' میں اس قیمتی تحفے کو برداشت نہ کرسکوں گی۔" ہوسٹس نے بھی ظرافت سے کہا۔

"تب پھر کچھ اور کیجئے۔" شہزاد بولا۔

ہوسٹس نے یہودی کی سیٹ کھول کر اسے نیچے کردیا تھا۔ سر سے نجات مل گئی

تھی لیکن خراٹے کون روک سکتا تھا۔ پچھلے سفر کے تجربے نے شہزاد کو یہ دعا کرنے پر مجبور کردیا تھا کہ اس دفعہ کوئی حسین ساتھی ہم سفر ہو اور بعض اوقات دعائیں کس طرح قبول ہوجاتی ہیں۔ اس کا اندازہ اسے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ہوا تھا۔ جو لڑکی اس کے نزدیک آکر بیٹھی تھی' اس کا قد ساڑھے پانچ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ بدن انتہائی پُرکشش اور بھرا بھرا تھا۔ چہرہ عجیب سی تمکنت لئے ہوئے تھا۔ نقوش مغرب و مشرق کا امتزاج تھے۔ غرض وہ بے حد حسین تھی۔ اس نے نہایت عمدہ قسم کا سینٹ لگایا ہوا تھا۔

وہ شہزاد کے نزدیک بیٹھ گئی۔ شہزاد نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سیٹ سے سر ٹکا دیا۔ روانگی کے تمام لوازمات پورے ہوئے تو جہاز فضا میں بلند ہوگیا۔ لڑکی نے دو تین بار عجیب سی نگاہوں سے شہزاد کو دیکھا تھا۔ شہزاد بول پڑا۔

"آپ نے مجھے برباد کردیا۔"

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔" لڑکی بولی۔

"جی ہاں۔ آپ سے۔"

"کیا ہوا پلیز؟ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی؟"

"زبردست۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"مگر میں نے تو..........." لڑکی جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

"آپ نے نہیں۔ میں نے خود اپنا کباڑا کیا ہے۔"

"کیا ہوا؟"

"زندگی بھر دولت مند بننے کی دعائیں مانگتا رہا ہوں۔ کبھی کوئی دعا پوری نہیں ہوئی۔ اس وقت کسی حسین ہم سفر کی دعا مانگی تو فوراً پوری ہوگئی۔ آپ ہمسفر بن گئیں۔ ظاہر ہے یہ سفر مختصر ہے۔ آپ اپنی راہ لیں گی۔ مجھے کیا ملے گا۔ آپ کے بجائے اگر اس وقت میں نے اپنے لئے دولت مانگی ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔"

"کمال ہے۔" لڑکی ہنس پڑی۔

"یہ سب میری تقدیر کا کمال ہے۔ بہرحال جو مل جائے وہ غنیمت ہے۔"

"آپ دلچسپ ہیں۔" وہ بولی۔

"اور آپ خوبصورت۔ آپ کا نام؟"

"شکریہ' میرا نام گوریا خان ہے۔"

"کیا ہے؟" شہزاد نے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"گوریا خان۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے اس سے پہلے اتنا عجیب نام کہیں نہیں سنا۔" شہزاد مسکراتا ہوا بولا۔

"میرے والد ایک پہاڑی ریاست سے تعلق رکھتے تھے۔ خان عظیم خان' اور میری ماں کا تعلق لندن سے تھا۔ چنانچہ میں دونوں کے ناموں کا امتزاج ہوں۔"

"گڈ ویری گڈ۔ یہ امتزاج آپ کی شخصیت سے بھی جھلکتا ہے۔ پہاڑی ریاست کے خان کی طرف سے آپ کو قابل فخر قدو قامت عطا ہوا ہے اور ماں کی طرف سے شہابی رنگت اور حسین نقوش۔"

"شکریہ۔ آپ کا کیا نام ہے؟"

"شہزاد احمد۔ ویسے خاتون آپ نے اپنے باپ کا مذہب قبول کیا یا ماں کا؟"

"سو فیصدی باپ کا۔ میں اپنے باپ ہی سے متاثر ہوں۔"

"خوب' خوب۔ آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی ہے مس گوریا خان۔"

"بے حد شکریہ۔ ایک سوال کروں آپ سے؟" لڑکی بولی۔

"ضرور کیجئے۔ ہمارے درمیان سوال وجواب ہی تو ہو رہے ہیں۔" شہزاد مسکرا کر بولا۔

"آپ نے اپنی زندگی میں کتنے قتل کئے ہیں؟" گوریا خان کے سوال نے شہزاد کو چونکا دیا۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"نادانستہ طور پر بے شمار کئے ہوں گے۔ مکھی مچھر اور دوسرے حشرات الارض۔ ایسے ہی تو مارے جاتے ہیں۔ بھلا ان کا حساب کتاب کس کے پاس رہتا ہے؟"

"میں انسانی قتل کی بات کر رہی ہوں۔"

"ابھی تک تو نہیں کیا۔ نہ ہی میری آنکھیں اتنی حسین ہیں کہ نگاہوں سے کسی کو قتل کردوں۔ ویسے اس سوال کا مقصد جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"آپ کی خواہش کی روشنی میں پوچھ رہی ہوں۔ دولت مند بننے کے چند ہی گُر ہوتے ہیں۔ قتل وغارت گری' چوری' ڈکیتی' اسمگلنگ یا ایسا ہی اور کوئی کام۔ عام انداز میں تو صرف پیٹ ہی بھرا جاسکتا ہے۔"

"دنیا کے بارے میں بڑا گہرا مشاہدہ ہے آپ کا؟"

"ہر شخص کا ہوتا ہے جو مشاہدہ کرنا چاہے۔ ویسے آپ کی دولت مند بننے کی خواہش بھی پوری ہو سکتی ہے بشرطیکہ آپ اپنے آپ کو کسی ایسے کام میں ملوث کرلیں جس میں جدوجہد بھی ہو' ویسے آپ کا اپنا مشغلہ کیا ہے؟"

ایک فرم کا نمائندہ ہوں۔ ملک ملک جاتا رہتا ہوں۔ اس فرم کے مفادات کے سلسلے میں لیکن آپ یقین کریں مس گوریا کہ میری فطرت میں مہم پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جس ملک سے تعلق رکھتا ہوں' اس میں میرے جیسے لطیفے عام ہیں یعنی تھے تو شعروشاعری کے رسیا لیکن فوج میں بھیج دیئے گئے۔ فطرتاً انجینئر تھے کسی دفتر میں کلرکی کرنے لگے۔ عام طور سے ہمارے یہاں ذہنی صلاحیتیں اسی طرح ضائع کی جاتی ہیں۔ یہ ہم لوگوں کا طرۂ امتیاز ہے۔"

"اگر آپ فطرتاً مہم جو ہیں اور مہمات پسند ہیں تو پھر سمجھ لیجئے کہ ایک مہم آپ کی منتظر ہے اور اس کے نتیجے میں آپ کو بہترین مالی مفادات بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔"

"میں نے ایک حسین ہم سفر کی آرزو کی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ مجھے ایسے سنہرے خواب دکھا رہی ہیں کہ شاید میں آپ ہی کے پیچھے لگا رہوں۔"

"میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے پیچھے لگے رہیں میری خواہش ہے کہ جو کچھ میں کہوں آپ اسے مذاق نہ سمجھیں اور میری مدد کریں۔ میں نے اپنے ذہن میں یہ تہیہ کرلیا تھا کہ اپنی منزل پر پہنچنے کے بعد فوراً ہی اپنے کام کا آغاز کردوں گی۔ بلکہ کسی ایسے ساتھی کی تلاش میں رہوں گی جو عادتاً جرائم پیشہ نہ ہو لیکن ایک مضبوط انسان ہو اور میرے مقصد میں میرا ساتھ دے سکتا ہوں۔"

"کوئی دلچسپ کہانی سنائیں گی آپ مجھے۔ اچھا ہے حسین ہم سفر کے ساتھ پُر تجسس کہانی بھی ہو تو سفر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

"کہانی میں آپ کو سنائے دیتی ہوں۔ اس کے بارے میں فیصلہ کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔ ایک بات میں آپ کو بتا دوں۔ ہماری نشست سے تقریباً چوتھی نشست پر' بلکہ یقیناً چوتھی نشست پر اس طرف جو دو افراد بیٹھے ہیں' وہ میری تاک میں ہیں۔ ان کا تعلق لندن ہی سے ہے اور یہ لندن کے زیر زمین جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ انہیں ایک ایسی بات معلوم ہو چکی ہے جس کا تعلق مجھ سے ہے اور میں ان کے ہاتھوں خطرے میں

ہوں۔ مجھے ان کے خلاف آپ کی مدد درکار ہے۔" شہزاد نے فوراً پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جس پر لڑکی نے کہا۔

"اور میں آپ میں وہ صلاحیتیں بھی پاتی ہوں کہ آپ میری مدد کرسکتے ہیں۔"

"ایک خوبصورت لڑکی اگر کوئی ایسی کہانی سنائے تو وہ حقیقت ہو یا نہ ہو اس پر توجہ دینی چاہئے۔ ویسے ایک بات میں آپ سے عرض کردوں۔ کمپنی نے مجھے جس کام سے لندن بھیجا تھا۔ اس کی تکمیل بالکل اتفاقیہ طور پر چند ہی روز میں ہوگئی اور میرے پاس ابھی تقریباً ایک ماہ باقی ہے۔ میں چاہوں تو ایک ماہ کے بعد اپنی رپورٹیں اپنی کمپنی کو پیش کرسکتا ہوں۔ یہ ایک ماہ کی فرصت ہے میرے پاس۔ اگر آپ واقعی مجھے کسی دلچسپ کہانی میں شریک کرنا چاہتی ہیں تو میں آپ کو خود بھی اس کی پیش کش کرتا ہوں۔" لڑکی سنجیدہ ہوگئی اور آہستہ سے بولی۔

"آپ چاہیں تو باتھ روم کے بہانے جاکر ان دونوں کو دیکھ سکتے ہیں میں ان کا حلیہ آپ کو بتادوں گی۔ ویسے میں اپنی کہانی مختصرالفاظ میں سنادوں۔ میں نے آپ سے کہا ہے کہ میرا تعلق ایک پہاڑی ریاست سے ہے۔ یہ ریاست بہت چھوٹی ہے لیکن قدرتی دولت سے مالا مال ہے۔ میرے والد اس ریاست کے سربراہ تھے۔ ان کی ملاقات میری ماں سے تعلیم کے دوران لندن میں ہوئی تھی اور لندن ہی میں انہوں نے شادی کرلی تھی اور اس کے بعد میری ماں کو لے کر پہاڑی ریاست چلے گئے تھے۔ اس ریاست کا نام دیرپور ہے۔ میں دیرپور ہی میں پیدا ہوئی لیکن دیرپور کی آب وہوا مجھے راس نہیں آئی۔ چنانچہ میرے والد کی جانب سے میری ماں مجھے لے کر لندن آگئیں۔ میرے والد مہینے میں ایک بار ضرور ہمارے پاس آتے تھے لیکن ایک ماہ وہ نہیں آئے اور جب دوسرے ماہ بھی وہ ہم سے ملنے نہ آئے تو ہم نے ان کے بارے میں معلومات کیں۔ ہمیں روح فرسا خبر سننے کو ملی کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میری ماں بے چین ہوگئیں اور اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے نکل پڑیں۔ تب ہمیں کچھ عجیب وغریب باتیں معلوم ہوئیں۔ ہمیں پتا چلا کہ ہمارے والد کسی ایسے خزانے کی تلاش میں نکلے تھے جس کے بارے انہیں کہیں سے تفصیلات معلوم ہوئی تھیں۔ میرے والد صاحب نے شاید وہ خزانہ تلاش کرلیا اور اس کی تفصیلات بھی حاصل کرلی تھیں۔ یہ تمام تفصیلات وہ کسی شکل میں لندن روانہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن پھر کسی

پُراسرار طریقے سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ یہ تمام باتیں معلوم کرنے کے بعد میری ماں واپس لندن آگئیں۔ ہماری نگرانی کی گئی لیکن انہوں نے نہایت سادگی سے جواب دیا کہ ان تک ایسی کوئی تفصیل نہیں پہنچی ہے جس میں کسی خزانے کا تذکرہ ہو۔ مجھے بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن موت سے تقریباً ایک ماہ پہلے میری ماں نے مجھے اس خزانے کے بارے میں تفصیلات بتادیں اور اس کے بعد وہ بھی مجھ سے جدا ہوگئیں۔" شہزاد تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"گویا تمہاری ماں بھی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میں تنہا ہوں۔ والد کی موت کے بعد ہمارے وظیفے بند ہوگئے اور ہمیں انتہائی مشکلات سے گزرنا پڑا۔ میں زندگی گزارنے کے لئے ایک اسٹور میں سیلز گرل کی حیثیت سے ملازم ہوگئی لیکن جو زندگی میں نے اپنے والد کی زندگی میں گزاری تھی یہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ میں ریاست دیرپور جاؤں گی اور اس خزانے کو حاصل کروں جس کی تفصیلات مجھے معلوم ہوگئی ہیں اور جو میرے والد نے ہم لوگوں کے لئے مخصوص کردیا تھا۔" شہزاد دلچسپ نگاہوں سے لڑکی کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"لیکن مس گوریا خان' معاف کیجئے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ تنہا اس خزانے کو حاصل کرلیں اور پھر غیر ملکی دولت تو آپ لندن منتقل ہی نہیں کرسکتیں۔ اس کے علاوہ آپ کا خیال ہے کہ کچھ خطرناک لوگ آپ کے تعاقب میں ہیں۔ آپ کا اس طرح چل پڑنا' معاف کیجئے گا' مجھے عجیب لگتا ہے۔ یہ سب کچھ آپ تنہا کیسے کرسکیں گی؟"

"آپ کا خیال درست ہے۔ میں نے اس بارے میں سوچا تھا لیکن میں کیا کروں قسمت آزمانے کے لئے تو نکلی ہوں۔ ریاست دیرپور میں اس وقت ہمارے خاندان کا ایک نوجوان دولت خان سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اس سے مدد لینا چاہتی ہے۔"

"خزانے کا معاملہ ہے مس گوریا۔ دولت خان ہو سکتا ہے' اس سلسلے میں تمہاری مدد نہ کرے۔"

"اسے میری مدد کرنی چاہئے۔ آخر وہ میرے خاندان کا ایک فرد ہے۔"

"کمال ہے مس گوریا خان' اگر آپ اتنی ہی معصوم ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ

آپ موت کی تلاش میں نکلی ہیں۔ جس بیش قیمت خزانے کا تذکرہ آپ کے والد نے کیا ہے اور جس کے لئے ان کی جان گئی ہے اسے حاصل کرنے کا کون خواہاں نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے دولت خان ہی آپ کا قاتل بن جائے۔" لڑکی کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"ہاں اس کے امکانات ہیں۔ میں نے واقعی اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا لیکن بہرطور میں اس سلسلے میں کوشش کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے کسی اچھے ساتھی کی تلاش ہے۔"

"اچھے ساتھی کا فرض یہ ہے مس گوریا خان کہ وہ آپ کو صحیح راستہ دکھائے۔ یہ خزانے وغیرہ صرف موت کے پیغامبر ہوتے ہیں اور ان کے حصول کی کوشش گویا موت کی طرف قدم بڑھانے کی کارروائی سمجھی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آپ کا خیال ہے' آپ کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ دیں گے۔ آپ نے اس خطرناک مہم کا اندازہ نہیں لگایا ہے۔ یقینی طور پر اس وقت سے آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جب سے آپ کے والد کا انتقال ہوا اور جب سے یہ بات عام ہوئی کہ انہوں نے خزانے کے بارے میں اپنی معلومات اپنی بیوی کو منتقل کردی تھیں۔ یقینی طور پر یہ آپ سے خزانے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں آپ کی جان بھی جاسکتی ہے۔"

لڑکی نے ایک گھٹی گھٹی سی سانس لی اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"اس کے باوجود اس بے کسی کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ میں اگر اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکی تو موت کو گلے لگا سکتی ہوں۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی اور شہزاد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ ایک تنہا نوجوان تھا۔ زندگی میں بہت کچھ کھو چکا تھا اور بہت کچھ پانے کا خواہاں تھا۔ نوجوانی کی یہ عمر آرزو کی عمر ہوتی ہے اور اس کے سینے میں بھی بے شمار آرزوئیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ وہ انوکھے خواب دیکھتا تھا۔ دولت مند بننے کے' حسین زندگی گزارنے کے اور اس میں عمل کا قائل تھا۔ انسان کو جب بھی زندگی میں کوئی چانس ملے اسے اس سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے۔ اگر لڑکی سچ کہہ رہی ہے تو کیوں نہ فرصت کے یہ لمحات اس مہم جوئی میں

گزار دیئے جائیں۔ کافی دیر خاموشی سے گزر گئی تو اس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کے کام آسکتا ہوں تو یوں سمجھ لیجئے کہ آپ نے ایک ساتھی تلاش کر لیا۔"

گوریا نے چونک کر شہزاد کی طرف دیکھا اور پھر مدہم لہجے میں بولی۔

"ہرچند کہ ہماری ملاقات اتفاقیہ انداز میں ہوئی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ اس ملاقات کی کوئی گہرائی قدرتی ہو۔ میں درحقیقت کسی اچھے ساتھی کی تلاش میں ہوں۔ شہزاد صاحب! اگر آپ میری مدد کر سکتے ہیں تو میں آپ سے ہر قسم کا معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہوں اور پوری دیانتداری سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"ہر طرح کا معاہدہ۔ معاف کیجئے گا مس گوریا' یہ بات وسیع تر معنوں میں لی جاسکتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس معاہدے کے تحت میں پورے خزانے کا مالک بننا چاہوں۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا اور گوریا تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے اگر میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش کروں تو ظاہر ہے کہ............ سارا خزانہ ہی میرا ہوگا۔" گوریا نے گردن جھکالی اور پھر آہستہ سے بولی۔

"میں اتنی ہی تنہا ہوں شہزاد صاحب کہ............ کہ"

"بس میرا خیال ہے' یہ الفاظ کافی ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا اور مسکرانے لگا۔

☆------☆------☆

بعض کام اس طرح ہو جاتے ہیں کہ عقل ان کی توجیہہ نہیں پیش کر سکتی۔ ایک کاروباری فرم کا نمائندہ جو مہم جو فطرت ضرور رکھتا تھا لیکن بذات خود اس نے کبھی کسی بڑی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ایک ایسی لڑکی جو ایک خزانے کے راز سے واقف تھی' یکجا ہوئے دونوں کے درمیان نہ جانے کیا کیا رشتے استوار ہوئے اور اس کے بعد ایک ناقابل یقین کام کا آغاز ہو گیا لیکن یہ سب کچھ اسی طرح ترتیب سے ہوتا ہے جس طرح مقرر کر دیا جاتا ہے۔ شہزاد اپنا راستہ چھوڑ کر گوریا کے ساتھ چل پڑا تھا اور اب اسی کے لئے کام کر رہا تھا۔ ریاست دیر پور کے بارے میں اسے کافی تفصیلات معلوم ہو گئیں۔ جس شہر میں وہ دونوں طیارے سے اترنے کے بعد بذریعہ ٹرین پہنچے تھے وہ ایک جدید شہر تھا اور یہیں سے ریاست دیر پور کے لئے راستہ جاتا تھا۔ یہ پہاڑی شہر

اپنی آب و تاب اور حسین مناظر کے لئے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ سیر و سیاحت کے رسیا یہاں کے عمدہ ہوٹلوں میں آکر قیام کرتے تھے اور زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ بہر طور ایک طریقہ کار متعین کرلیا گیا۔ ان دونوں افراد کو شہزاد نے نگاہوں میں رکھا تھا اور ایئر پورٹ پر اترنے کے ساتھ ہی شہزاد اس طرح گوریا سے جدا ہو گیا تھا جیسے وہ صرف ہم سفر رہے ہوں اور رسمی طور پر ایک دوسرے سے ملے ہوں لیکن ٹرین کے سفر میں بھی وہ گوریا کے ساتھ ہی تھا اور جس ہوٹل میں گوریا نے قیام کیا' اسی کی دوسری منزل میں شہزاد نے بھی اپنے لئے ایک کمرہ مخصوص کرلیا تھا۔ دونوں کی مشترکہ پلاننگ کام کررہی تھی لیکن شہزاد ان دونوں افراد کے تعاقب میں لگا ہوا تھا جن کی جانب گوریا نے اشارہ کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایک پرانی آبادی کا سفر کررہے تھے اور آپس میں گفتگو بھی کرتے جارہے تھے۔ شہزاد ان کے تعاقب میں لگا رہا۔ وہ مختلف تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک لکڑی کی بنی ہوئی عمارت کے قریب پہنچ گئے جو دو منزلہ تھی۔ اس نے ان دونوں کو عمارت کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور چند لمحے انتظار کرنے کے بعد خود بھی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک تاریک سا صحن ویران پڑا تھا۔ اس میں کچھ دروازے بنے ہوئے تھے۔ پتا نہیں وہ دونوں،کون سے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے لیکن شہزاد نے جب ایک کمرے کا دروازہ کھولا تو اسے کچھ لوگ بیٹھے نظر آئے وہ آپس میں باتیں کررہے تھے۔ شہزاد نے یہ دروازہ پھرتی سے بند کردیا۔ شکر تھا کہ اسے کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ پھر وہ اِدھر سے اُدھر کا جائزہ لینے لگا۔ بائیں سمت ایک زینہ نظر آرہا تھا۔ وہ احتیاط سے زینے سے چڑھ کر اوپری حصے پر پہنچ گیا اور یہاں اسے چند لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے کھڑکی سے اس کمرے میں جھانک کر دیکھا جہاں سے آوازیں آرہی تھیں اور یہاں اس کا کام بن گیا۔ کمرے میں وہ دونوں افراد موجود تھے اور کسی تیسرے شخص سے باتیں کررہے تھے لیکن تیسرا شخص کچھ ایسی پوزیشن سے بیٹھا ہوا تھا کہ شہزاد اس کی صورت نہیں دیکھ پایا۔ وہ ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے اپنا سانس روک لیا تھا۔ ایک بھاری آواز سنائی دی۔

”نہیں ہرگز نہیں۔ تم احمق ہو۔ کیا لڑکی کو تم پر شبہ نہیں ہوا ہوگا؟“

”ہمارا اندازہ ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن ہم اس سلسلے میں فوری کام کرنا چاہتے ہیں۔“

”گدھے ہو تم۔ کسی بھی قسم کی جلد بازی سے کام خراب ہو جائے گا۔ لڑکی کو یہ شبہ تک نہیں ہونا چاہئے کہ تم اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آگئے ہو۔ اگر وہ ہوشیار ہو گئی تو پھر تم کبھی اس خزانے تک نہیں پہنچ سکو گے۔ سنو بیوقوف لوگو' ہم لڑکی کا تعاقب کرکے بھی اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں جہاں خزانہ پوشیدہ ہے۔ کم از کم ہمیں وہ جگہ تو معلوم ہو جائے لڑکی ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔“

”ہم آپ سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں خان زمرد خان اور ہمیں آپ کا حوالہ خاص طور پر دیا گیا ہے لیکن اس سلسلے میں ہمارا جو حصہ ہوگا' اس کا تعین کرلیا جائے۔“ جواب میں ایک خوفناک غراہٹ سنائی دی تھی اور اس بار اس شخص کا چہرہ شہزاد کے سامنے آگیا۔ شہزاد اس چہرے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے لرز گیا تھا۔ تقریباً ایک فٹ لمبا چہرہ تھا جس کی چوڑائی اسی تناسب سے تھی۔ ایسا خبیث اور بھیانک چہرہ اس سے پہلے شہزاد نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ ہونٹ موٹے اور ابھرے ہوئے تھے اور آنکھیں کسی خونخوار درندے کی آنکھوں کی مانند تھیں۔ اس شخص کو خان زمرد خان کے نام سے پکارا گیا تھا۔ وہ ان دونوں کو غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”تمہیں یہاں روانہ کرتے وقت یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ خان زمرد خان کے سامنے کوئی اپنی آواز بلند کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ میں تم دونوں کو ایک ساتھ توڑ مروڑ کر پھینک سکتا ہوں۔ اس کے بعد اگر تم نے کسی حصے وغیرہ کی بات کی تو اپنی زندگی کھو بیٹھو گے۔ کیا سمجھے؟ جہاں تک لین دین کا معاملہ ہے' میں اس کا فیصلہ خود کروں گا۔ تم نے سن لیا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ تمہیں بہت احتیاط کے ساتھ ویر پور تک اس لڑکی کا تعاقب کرنا ہے اور اس کے بعد کیا ہوگا اس کا فیصلہ میں خود کروں گا۔“

شہزاد اس گفتگو میں اتنا محو ہو گیا تھا کہ اسے وہ ہلکی سی آہٹ بھی محسوس نہ ہوئی جو اس کے عقب میں ہوئی تھی۔ اسے تو اس وقت احساس ہوا جب کسی نے عقب سے اس کی گردن اپنی گرفت میں لے لی تھی لیکن یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ شہزاد لڑکھڑا گیا۔ گردن پکڑنے والے کے ہاتھ سے اس کی گردن نکل گئی اور اس کا سر دروازے سے ٹکرایا۔ دروازہ کھل گیا اور وہ توازن برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے کھلے دروازے

سے اندر داخل ہوگیا۔ شہزاد نے اس صورتِ حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک بھرپور لات اس شخص کی کمر پر رسید کی۔ جس سے وہ کمرے میں جاپڑا تھا اور اس کے بعد شہزاد کا یہاں رکنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس نے برق رفتاری سے باہر چھلانگ لگادی اور تاریک گلیوں میں دوڑتا ہوا سڑک پر آگیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر یہاں گھِر گیا تو بچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسے اپنے عقب میں دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ خود بھی تندرست و توانا اور پھرتیلا آدمی تھا۔ اگر ان لوگوں کو دھوکا نہ دے سکا تو پھر اس مہم میں شامل ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ ان سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

کافی دور نکل آنے کے بعد اس نے اپنا حلیہ درست کیا اور ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا جو اس کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹیکسی میں سوار ہوکر اپنے ہوٹل کی طرف جارہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی ہوٹل میں داخل ہوتا ہوا دیکھے چنانچہ وہ عقبی گیلری سے اندر داخل ہوکر اوپری منزل کی جانب چل پڑا اور پھر اس نے گوریا کے کمرے پر دستک دی۔ گوریا نے دروازہ کھولا اور پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"ہوں۔ تم یہاں عیش کی زندگی بسر کررہی ہو اور میں بمشکل تمام جان بچا کر بھاگا ہوں۔"

"خیریت؟ تم کہاں گئے تھے؟"

"تمہارے دشمنوں سے ملنے۔"

"کیا مطلب؟"

"کسی زمرد خان کا نام سنا ہے تم نے؟"

"نہیں' میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تعجب ہے بلکہ بہت زیادہ تعجب ہے گوریا' بعض اوقات تمہارے بارے میں سوچ کر مجھے ہنسی بھی آتی ہے اور پیار بھی۔"

"کیسی باتیں کررہے ہو شہزاد' صاف صاف کہو کیا بات ہے؟"

"ہنسی اس پر آتی ہے کہ ایک خاتون جنہوں نے زندگی میں صرف چند چیزیں دیکھی ہیں ایک خزانے کے حصول کے لئے نکل کھڑی ہوئیں۔ ان کے دشمن ان کی

ناک میں تھے اور وہ خزانہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ بے یارومددگار کسی ساتھی کے بغیر اور ایک احمق جس نے صرف ایک حسین ساتھی کے ہم سفر بننے کی آرزو کی تھی۔ ان خاتون کے ساتھ خزانے کے حصول کے چکر میں پڑ کر اپنی زندگی کے لئے لاتعداد خطرے مول لے بیٹھا۔"

گوریا سنجیدہ ہوگئی۔ اس کے چہرے پر اب غم کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"مجھے بھی بار بار اس بات کا احساس ہوا ہے شہزاد' درحقیقت میری حماقت میں گرفتار ہوکر تم اپنی منزل بھی کھو بیٹھے ہو۔ سوری شہزاد اب یہ کہتے ہوئے بھی عجیب لگتا ہے کہ تم مجھے میرے راستوں پر تنہا چھوڑ دو۔ تمہاری زندگی کا تو ایک مقصد تھا۔ تم ایک اچھی زندگی کے خواہاں ہونا' وہ تمہیں حاصل ہے۔ میرا مسئلہ کچھ اور ہے میں تو ہر قیمت پر اپنے مقصد کی تکمیل یا پھر موت چاہتی ہوں۔ شہزاد میرا خیال ہے تم یہ خطرے نہ اپناؤ۔ اب میں۔ اب میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ مجھے تمہاری زندگی درکار ہے اور اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ میں تمہیں زیادہ چاہتی ہوں یا دولت کو۔"

"اب تم خود سوچو گوریا کہ محبت کرنے والے کسی شخص کو ٹھکرایا تو نہیں جاسکتا۔ تم خواہ مخواہ سنجیدہ ہوگئیں۔ تمہارا مشن میرا مشن ہے۔ یہ تو میں نے ایسے ہی ازراہ مذاق کہہ دیا تھا۔" گوریا تھوڑی دیر خاموش رہی پھر بولی۔

"خان زمرد خان کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہی کہ تم اسے نہیں جانتیں لیکن وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے علم ہے کہ تم خزانے کی تلاش میں دیرپور جارہی ہو اور اس نے ان لوگوں سے کہا ہے جو تمہارا تعاقب کررہے تھے کہ وہ خاموشی سے تمہارا پیچھا کرتے رہیں اور باقی معاملات اس پر چھوڑ دیں۔ یہ خان زمرد خان انسان سے زیادہ جن معلوم ہوتا ہے اور اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات پوشیدہ ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ بہرحال ہمارا مقابلہ اس سے ہے۔ مجھے یہ اندازہ بخوبی ہوچکا ہے کہ یہاں سے لندن تک تمہارے والد کے دشمنوں کا رابطہ قائم ہے اور وہ سب اس خزانے کے حصول کے خواہاں ہیں۔ گوریا' ہمیں بہت محنت کرنا ہوگی یقیناً ہمیں اپنی بساط سے کہیں زیادہ خطرناک لوگوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔" گوریا خاموش ہوکر شہزاد کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"شہزاد، تم ان سے خوفزدہ تو نہیں ہو؟"

"ہر شخص کسی خوبصورت لڑکی کے سامنے اپنے آپ کو سب سے بڑا بہادر بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا سابقہ ایسے معاملات سے کبھی نہیں پڑا۔ یوں سمجھ لو کہ میں اناڑی مہم جو ہوں لیکن اس دوران جو جذبے میرے دل میں پیدا ہو گئے ہیں وہی میرے ساتھی اور معاون ہیں اور میں انہی کے راستے پر چل کر کامیابی کی توقع رکھتا ہوں۔" گوریا نے شہزاد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔

"خدا کی قسم، شہزاد تمہارے مل جانے کے بعد میرے تصورات میں ایک نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ میں کیونکہ کسی قدر مغربی بھی ہوں اور مغرب میں کہہ دینے کی جرأت ہے۔ پتا نہیں یہ درست ہے یا غلط لیکن یہ الفاظ میں تم سے کہتے ہوئے ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوں کہ اگر میں یہ فیصلہ کرنا چاہوں کہ اب تم میرے لئے زیادہ قیمتی ہو یا خزانہ تو شاید مجھے یہ الفاظ کہنے میں دقت نہ ہو کہ میں اس خزانے سے زیادہ اب تمہیں چاہتی ہوں۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے گوریا کے شانوں پر تھپکی دی اور مسکراتا ہوا بولا۔

"یہ خزانہ تو ہمارے رابطے کا ذریعہ بنا ہے۔ ہم اس کے حصول کی ہر ممکن کوشش کریں گے جو ہم سے ہو سکتی ہے۔ مل جائے تو ہماری تقدیر ورنہ ہم دونوں محروم نہیں رہیں گے۔ خزانوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ وہ گوریا کو شہزاد کی شکل میں بھی مل سکتا ہے اور شہزاد کو گوریا کی شکل میں بھی۔ اب وہ خزانہ دو نمبر پر ہے جس کے حصول کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ بہرحال انہیں یہ احساس ہو چکا ہے کہ کوئی ان کے پیچھے بھی ہے۔ اسے میری غلطی تو مت کہنا بس اناڑی پن تصور کر لو کہ میں اپنے آپ کو ان سے پوشیدہ نہیں رکھ سکا لیکن میں اب ذرہ برابر خوفزدہ نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے ہمیں دیر پور کی جانب سفر کرنا چاہئے۔ ویسے تم نے اپنی زندگی میں کبھی دیر پور دیکھا ہے؟"

"ہاں۔ میں اپنے والد کے ساتھ یہاں آتی تھی اور اچھی طرح سے دیکھ چکی ہوں۔ ریاست دیر پور پر دولت خان کا قبضہ ہے اور وہ وہاں کا مطلق العنان حکمران ہے۔ سرکاری حیثیت تو جو کچھ بھی ہے لیکن دیر پور میں صرف دولت خان ہی کی حکومت ہے اس کے اپنے سپاہی ہیں۔ انتظامیہ کے لوگ وہاں صرف وقت گزاری

کرتے ہیں اور انہیں محدود رہنے کی ہدایت ہے۔ وہ صرف دولت خان کے حکم کی پابندی کرتے ہیں اور اپنے طور پر ان کی وہاں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بڑے بڑے صاحبِ اختیار لوگوں پر دولت خان کا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ کبھی دیر پور کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے ایک اعتبار سے دیر پور ایک آزاد ریاست ہے۔"

"یہ مزید خطرناک بات ہے۔ ویسے تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا دولت خان کو اس خزانے کا راز نہیں معلوم ہو گا؟"

"سو فیصدی معلوم ہو گا کیونکہ یہ بات اس قدر پوشیدہ نہیں رہی تھی۔"

"اس کے باوجود تم اس سلسلے میں دولت خان سے مدد لینا چاہتی تھیں؟"

"مجھ پر طنز مت کیا کرو۔ میں کوئی ایسے معاملات میں تجربہ کار تو نہیں ہوں۔"

شہزاد ہنس پڑا۔ اب اس لڑکی کی معصومیت پر اسے کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ پھر اس رات گوریا نے شہزاد کو تمام تفصیلات بتا دیں جو اسے حاصل تھیں۔

اس نے بتایا کہ ریاست دیر پور کے نواح میں ایک خاندان آباد ہے جو خان عظیم خان کا سب سے بڑا دوست اور ہمدرد تھا۔ اس خاندان کا وارث حکیم شاہ تھا اور حکیم شاہ عظیم خاندان کے بچپن کے دوستوں میں سے تھا۔ خان عظیم خان نے اپنی بیوی کو خزانے کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا تھا کہ اس سلسلے میں حکیم شاہ سے بڑا مددگار اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جب خزانے کے حصول کے لئے کوششیں کی جائیں تو حکیم شاہ سے رابطہ ضرور قائم کر لیا جائے۔ خان عظیم خان نے یہ بھی بتایا تھا کہ حکیم خان اگر خود زندہ نہ ہوا تو اس کا بڑا بیٹا اس راز سے واقف ہو گا۔ کیونکہ خان عظیم خان کی ہدایت کے مطابق یہ راز سینہ بہ سینہ اس خاندان میں منتقل ہوتا رہے گا۔ بشرطیکہ یہ خزانہ کوئی اور نہ حاصل کر لے۔

شہزاد حیران رہ گیا۔ خزانے کے بارے میں تفصیلات اس نے غور سے دیکھیں انہیں ذہن نشین کیا اور اس کے بعد وہ کاغذات ضائع کر دیئے۔ گوریا نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ یہ کاغذات تو اس نے بس یونہی اپنے باپ کی نشانی سمجھ کر ساتھ رکھے تھے۔ ورنہ یہ تمام تفصیلات اس کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ یہاں ایک واقعہ پیش آچکا تھا اور زمرد خان اور لندن سے آنے والوں کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ جس لڑکی کو انہوں نے احمق سمجھا تھا اور اس کا تعاقب کرتے رہے

تھے وہ بالکل ہی احمق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پشت پر بھی کچھ لوگ موجود ہیں۔ اب یہ اندازہ انہیں یقیناً نہیں ہو سکا ہو گا کہ وہ لوگ کون ہیں اور ان کی تعداد کیا ہے۔

بہرطور شہزاد نے احتیاط سے دیر پور کا سفر شروع کیا۔ بس کا یہ سفر خاصا دلچسپ تھا۔ اتفاق سے اس ملک میں رہنے کے باوجود شہزاد کا رخ ان علاقوں کی جانب کبھی نہیں ہوا تھا لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے ادھر نہ آکر غلطی کی ہے۔ تاحد نگاہ خوشنما سرسبز میدان اور ان کے انتہائی سرے پر برف سے لدے ہوئے پہاڑ جن کے آخری سرے دھواں دھواں تھے۔ سڑک کہیں بلندی پر جاتی' کہیں اچانک گم ہو جاتی اور کبھی ڈھلان میں اتر جاتی۔ اس کے دونوں طرف درختوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ ریاست دیر پور میں جاکر تو شہزاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کسی پہاڑی ریاست کا جو تصور کیا جا سکتا تھا وہ بالکل ہی مختلف ہوتا۔ دیر پور میں خاصی ترقی کی گئی تھی۔ خوشنما عمارتیں تین تین منزلہ ہوٹل اور ایسی ہی تفریح گاہیں۔ قدرتی حسن سے مالا مال یہ تفریح گاہیں بڑی محنت سے تیار کی گئی تھیں۔ انہوں نے ایک ہوٹل میں رہائش اختیار کرلی اور ایک کمرہ کرائے پر حاصل کرلیا۔ یہاں علیحدہ رہنے کا مطلب تھا کہ کسی وقت بھی کوئی خطرہ پیش آسکتا تھا۔

یہاں آنے کے بعد یہ طے کیا گیا کہ پہلے چند روز اطراف کا جائزہ لیا جائے اور یہ اندازہ لگایا جائے کہ ان کے دشمن انہیں نگاہوں میں رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں یا نہیں اور اس کے بعد خزانے کے حصول کے لئے کوششیں کی جائیں۔ حکیم شاہ کے خاندان سے ملا جائے۔ یہاں آئے ہوئے انہیں صرف بارہ گھنٹے ہوئے تھے اور اس وقت شہزاد اور گوریا ناشتے میں مصروف تھے کہ دفعتاً دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا اور کسی نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دروازہ کھولو!"

"کون ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"دروازہ کھولو ورنہ تمہاری شامت آجائے گی۔" لہجہ پہاڑی تھا۔ شہزاد نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور پانچ چھ افراد گھس آئے۔ وہ بھورے رنگ کے کپڑوں میں ایک مخصوص یونیفارم میں ملبوس تھے اور ان کے سینے پر دیر پور کا پیتل کا بیج لگا ہوا تھا۔ سب کے سب کمر سے ہولسٹر باندھے ہوئے تھے جن میں پستول لٹک رہے

تھے۔ وہ دیر پور کے سپاہی تھے مقامی حکومت سے الگ' سب سے آگے والے لمبے چوڑے شخص نے کہا۔

"تم لوگوں نے دیر پور میں داخل ہونے کا اجازت نامہ داخل کیا ہے؟"

"اجازت نامہ؟" شہزاد کرخت لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ اجازت نامہ؟"

"کیا دیر پور مقامی حکومت سے الگ ہو چکا ہے؟"

"بکواس کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس اجازت نامہ ہے تو ہمیں دکھاؤ ورنہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کردو۔"

"کیا بکواس کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس ہماری گرفتاری کا وارنٹ موجود ہے؟"

"ہم خود وارنٹ ہیں۔ چلو ہمارے ساتھ۔"

"مم............ مگر کہاں؟"

"خان دولت خان کے پاس' خان دولت خان ہی تمہارے بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ وہی یہاں کا حکمران ہے۔ ریاست دیر پور میں داخل ہونے کے لئے خان کا اجازت نامہ ضروری ہوتا ہے کیا سمجھے اور اب تم وقت ضائع کئے بغیر ہمارے ساتھ چلو' ورنہ اپنے نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔"

اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ اس کی ہدایت پر عمل کیا جائے چنانچہ شہزاد نے آنکھ کے اشارے سے گوریا سے کہا کہ چلنا مناسب ہے اور گوریا نے گردن ہلادی۔ دونوں خاموشی سے ان لوگوں کے ساتھ چل پڑے۔ شہزاد بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ باہر لاکر انہیں ایک جیپ میں بٹھایا گیا اور وہ ایک طرف چل پڑے۔ گوریا نے دولت خان کا نام لیا تھا وہ اس کی مدد حاصل کرنا چاہتی تھی اس لئے کہ وہ اس کا عزیز تھا لیکن شہزاد کو یقین تھا کہ دولت خان اس معاملے میں الگ نہیں ہے اور اس وقت ان کی گرفتاری کسی اتفاق کے تحت نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے پیچھے باقاعدہ ایک منصوبہ ہے۔ البتہ اسے حیرت تھی کہ ان لوگوں کی یہاں آمد کی خبر اتنی جلدی دولت خان کو کیسے ہو گئی؟ ہو سکتا ہے دیر پور میں داخل ہونے والوں پر نگاہ رکھی جاتی ہو۔ بہرطور اب آگے کے معاملات دیکھنے تھے۔

شہر کی بڑی شاہراہ سے گزر کر وہ ایک چھوٹی شاہراہ پر چل پڑے اور تھوڑی دیر

کے بعد پہاڑی پتھروں سے بنی ہوئی ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ جس کے دروازے پر ایسی ہی وردی میں ملبوس مسلح محافظ کھڑے تھے۔ دروازہ کھول دیا گیا اور جیپ اندر داخل ہوگئی۔

بلند چہار دیواری میں داخل ہوتے ہی انہیں ایک خوشنما باغ نظر آیا جو عمارت کے چاروں سمت پھیلا ہوا تھا۔ درختوں کے درمیان راستے بنے ہوئے تھے۔ جیپ سیڑھیوں کے نزدیک آکر رک گئی اور اس کے بعد ان لوگوں کو نیچے اتارا گیا۔ بڑے بڑے ستونوں پر ایک مخصوص قسم کا نشان نظر آرہا تھا۔ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد وہ دوسری طرف اترے تو ایک وسیع لان نظر آیا۔ جس کے درمیان ایک جھیل بنی ہوئی تھی اور اس جھیل کو پار کرنے کے لئے ایک پل عبور کرنا تھا۔ بہرطور وہ پل پار کرکے ایک خوشنما دروازے سے اندر داخل ہوئے اور یہاں سے رہائشی عمارت شروع ہوتی تھی۔ لمبی لمبی راہداریاں جو پتھروں سے بنی ہوئی تھیں اور ان پتھروں کو تراش کر ان پر خوبصورت نقوش اتارے گئے تھے۔ راہداریوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک بہت بڑے ہال میں داخل ہوگئے۔ جس کے فرش پر قیمتی قالین بچھا ہوا تھا اور سامنے ایک دروازہ نظر آرہا تھا۔ انہیں لانے والے یہاں رک گئے تھے اور پھر باادب انداز میں پیچھے ہٹ گئے۔ سامنے کے دروازے سے ایک خوبصورت آدمی اندر داخل ہوا۔ جو مقامی لباس میں ملبوس تھا اور بڑا پُر تمکنت نظر آتا تھا۔ مونچھیں حد سے بڑھی ہوئی تھیں۔ باقی چہرہ صاف ستھرا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور باقی لوگوں کو واپس جانے کا اشارہ کیا۔ گوریا پُرسکوت نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنے والا مسکرایا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"گوریا' میری عزیزہ' تم میرے یقین کو دیکھو میں جانتا تھا کہ تم یہاں آؤ گی۔ بہت دن کے بعد میں نے تمہیں دیکھا ہے۔ اب تو تم بالکل جوان ہوگئی ہو اور کیا قد و قامت نکالا ہے تم نے۔ بالکل میرے تایا اور اپنے والد عظیم خان کے قد و قامت کے مطابق لیکن تمہارے ساتھ یہ شخص کون ہے؟ کیا تم نے شادی کرلی ہے۔ اگر ایسا کیا ہے تو میرے خیال میں تم نے انتہائی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ اس طرح تم اپنا سنہری مستقبل کھو بیٹھی ہو۔"

"تمہیں یاد ہے دولت خان' کہ میں تمہاری عزیزہ ہوں۔"

"میں نے تو تمہیں ہمیشہ یاد رکھا گوریا' ہمیشہ۔"

"اور تمہیں یقین تھا کہ یہ میں ہی ہوں۔"

"سو فیصدی' دولت خان کی معلومات ناقص نہیں ہوتیں۔"

"اس کے باوجود تمہارے آدمی مجھے معمولی انداز میں گرفتار کرکے لائے ہیں۔"

"یہاں جو قوانین رائج کئے گئے ہیں۔ ان میں کسی کے ساتھ رعایت روا نہیں ہے۔ بہرطور تم اسے محسوس مت کرو۔ آؤ اندر آؤ تم بھی تم جو کوئی بھی ہو۔" اس نے شہزاد کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر پردے سے اندر داخل ہوگیا۔ گوریا نے شہزاد کی طرف دیکھا اور شہزاد نے آنکھ سے اشارہ کرکے اسے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ اندر بہترین نشستیں لگی ہوئی تھیں دولت خان کے اشارے پر وہ دونوں ان نشستوں پر برابر بیٹھ گئے اور دولت خان مسکرا کر بولا۔

"تم اگر سیدھی ہمارے پاس چلی آتیں تو لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور نہ ہوتا کہ دیر پور میں کوئی اجنبی داخل ہوا ہے لوگ تمہیں ہمارا اپنا سمجھتے لیکن افسوس تایا عظیم خان نے کبھی تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ہم تمہارے اپنے ہیں تم یہاں کیوں نہیں آگئیں۔"

"بہرطور یہ میرا ذاتی معاملہ تھا لیکن تم نے بڑی اچھی رشتے داری کا ثبوت دیا کہ ہمیں گرفتار کرکے یہاں بلوایا............"

"جانے دو............ جانے دو ان باتوں کو............ میں تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اتنے عرصے کے بعد تمہیں دیر پور کیوں یاد آگیا؟"

"کیوں کیا مجھے اپنے وطن آنے کی اجازت نہیں تھی؟"

"آہ۔ تم نے اسے کبھی اپنا وطن تصور ہی کب کیا؟ ہمیں تو اس کی حسرت ہی رہی اور اس کے بعد بھی آئی ہو تو' تو اپنے ساتھ کسی کو لے کر ہے نا اجنبیت کی بات بالکل اجنبی کی طرح تم دیر پور میں داخل ہوئیں۔ بہرطور میں تم سے ڈھکے چھپے الفاظ میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا' تایا مرحوم نے جو خزانہ اپنی موت کے بعد بھی پوشیدہ کر رکھا ہے وہ سب ہی کے لئے باعث دلچسپی ہے' میں بھی اس کے حصول کا خواہش مند ہوں اور اس سلسلے میں تمہارا تعاون چاہتا ہوں بلکہ میں نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا میں نے یہ سوچا تھا کہ تم جب بھی یہاں آؤ میں تمہیں پیشکش کروں کہ خزانے کے حصول کے ساتھ

ساتھ محبتوں کے خزانے بھی حاصل کرلئے جائیں جو بہت دنوں سے دور دور پڑے ہیں کیا اس شخص کا مکمل تعارف کرانا پسند کروگی!؟"

"جو اندازہ تم نے لگایا ہے وہ درست ہے اور میں تمہاری احمقانہ باتیں سننے کے لئے تیار نہیں ہوں تم یہ بتاؤ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"اس خزانے کی تفصیلات جس کے بارے میں خان عظیم خان نے تمہیں بتایا تھا............"

"اگر ایسی کوئی بات میرے ذہن میں محفوظ ہے بھی تو کیا میں تمہیں اس کے بارے میں بتا سکتی ہوں۔"

"بعض اوقات شکار خود دوڑ کر شکاری کی جانب آتا ہے' ہم طویل عرصے سے اس بات کا انتظار کررہے تھے کہ تم کب یہاں کی جانب رخ کرتی ہو اب آگئی ہو تو یوں سمجھ لو کہ ہماری خواہش کے مطابق............ بہرطور اب بہتر یہ ہے کہ تعاون کی بات کرو تم اور تمہارا شوہر یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ دیر پور میں تم ہمارے سامنے حقیر اور بے بس چوہوں کی مانند ہو۔ یقین نہیں آتا تو ہم تمہاری خاطر مدارت کے لئے تیار ہیں جاؤ آرام کرو اور اگر ذہن اس بات پر آمادہ ہوجائے تو جب چاہو میرے کسی آدمی سے کہہ کر مجھ تک رسائی حاصل کرسکتی ہو لیکن تنہا' کیا سمجھیں؟" اس نے شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دونوں ہاتھ اوپر کرکے تالی بجائی فوراً ہی ویسی ہی وردی میں ملبوس کچھ نئے لوگ اندر داخل ہوئے تو دولت خان نے کہا............

"انہیں لے جاؤ اور ہمارے خصوصی مہمان خانے میں رکھو جو ہمارے بہت پیارے دوستوں کے لئے مخصوص ہے' جاؤ لے جاؤ۔" وہ گرجدار آواز میں بولا' اور محافظوں نے انہیں شانوں سے دھکیلنا شروع کردیا' شہزاد اور گوریا ان کے ساتھ چل پڑے تھے کئی غلام گردشیں اور راستے طے کرتے ہوئے وہ ایک تنگ اور نیم تاریک زینے کے قریب پہنچ گئے جو محل کے نیچے کسی تہہ خانے کی جانب جاتا تھا زینے پر مدہم روشنی والے بلب لگے ہوئے جو دھندلی روشنیاں بکھیر رہے تھے۔ اس زینے کا اختتام ایک سرنگ کے دہانے پر ہوا تھا جہاں سے اندر داخل ہونے کے بعد انہیں سنبھلنا پڑا' کیونکہ سرنگ کا فرش چکنا ہورہا تھا' اب گوریا کے انداز میں خوف کے آثار نظر آنے

لگے تھے اور شہزاد بھی کسی قدر پریشانی کے انداز میں سوچ رہا تھا کہ کیا اس مہم میں اسے کامیابی نصیب ہوگی یا پھر یہ حسین لڑکی اس کے لئے موت کی پیغامبر ثابت ہوتی ہے۔ بہرطور اس حسین موت کو اب وہ خوشی سے گلے لگانے کے لئے تیار تھا۔

دفعتاً ہی گوریا کے حلق سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی' کوئی چیز اس کے پیر کو چھوتی ہوئی گزری تھی لیکن یہ کیا تھا اس کا اندازہ نہ ہوسکا' سرنگ کا اختتام ایک بڑے دروازے پر ہوا تھا' انہیں لانے والوں نے دروازے کا تالا کھولا اور انہیں اندر دھکا دے دیا۔ اندر جانے کے لئے بھی سیلن زدہ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور کمرے کا فرش نشیب میں تھا۔ دیواروں اور فرش پر بھی سیلن اور کائی جمی ہوئی تھی۔ سامنے کی دیوار میں نیچے کی جانب ایک چوکور خلا تھا جس پر نوکدار سلاخوں کی گرل لگی ہوئی تھی۔ دوسری جانب گہری تاریکی تھی اس لئے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

لیکن انہیں یہاں آئے ہوئے چند لمحات بھی نہیں گزرے تھے کہ دفعتاً تاریک خلا روشن ہوگیا' یہاں ایک بڑا سا چوکور کمرہ نظر آرہا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ وہ دونوں حیرت زدہ نگاہوں سے اس روشن خلا کو دیکھنے لگے' دفعتاً ہی ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔

پہلے کھرکھراہٹ کی آواز ابھری تھی' اور اس کے بعد دولت خان کی آواز کسی اسپیکر پر سنائی دی تھی۔

"ہاں تو میری تایا زاد............ یہ جگہ تم سے گفتگو کرنے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ میں بہت زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا' صاف الفاظ میں تم سے مختصر سی گفتگو کروں گا' دراصل میری سوچ کا انداز بالکل ہی مختلف ہے میں کسی بھی رشتے کو نہیں مانتا' ہر شخص اپنے دل میں ہوس کا رشتہ رکھتا ہے' اور موجودہ دور میں یہی رشتہ سب سے طاقتور اور مضبوط ہے' ہر بات ایک ہی انداز میں سوچنے کا عادی............ تو ڈیئر تایا زاد' میں تم سے اس خزانے کے بارے میں مکمل تفصیلات چاہتا ہوں' جس کی نشاندہی تمہیں تمہارے باپ نے کی تھی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ایک چھوٹا سا مظاہرہ دیکھو' یہ مظاہرہ تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی فراہم کرے گا۔

دفعتاً ہی روشن خلا میں اوپر کی جانب سے ایک خونخوار موٹی تازہ بلی نیچے گر پڑی' بلی پنجوں کے بل نیچے گری تھی۔ وہ خوفزدہ نظر آتی تھی۔ گرتے ہی اس نے اِدھر اُدھر

دوڑنا شروع کردیا لیکن کوئی راہ فرار نہیں پائی۔ کئی بار اس نے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن پھسل کر نیچے آگری۔ اس وقت اس تاریک خلا کے چھوٹے چھوٹے خانوں سے ننھی ننھی تھوتھنیوں نے باہر جھانکا۔ یہ چوہے تھے۔ بھورے رنگ کے چپٹے چہرے والے چوہے۔

چوہے ایک ایک کرکے باہر نکلنے لگے۔ بلی ٹھٹک کر رک گئی تھی، تقریباً بیس بائیس چوہے باہر نکل آئے تو انہوں نے غول کی شکل میں بلی پر حملہ کردیا بلی نے اپنے نوکیلے پنجوں سے چوہوں کو زخمی کرنے کی کوشش کی، کئی چوہے زخمی ہوئے، لیکن باقی اس کے بدن کو چمٹ گئے اور چند ہی لمحات کے بعد انہوں نے بلی کا تیاپانچا کرکے رکھ دیا۔ وہ اسے نوچ نوچ کر کھا گئے تھے یہاں تک کہ بلی کی چھوٹی چھوٹی ہڈیاں بھی چبا گئے اب صرف بلی کا سر اور بدن کے کچھ ٹکڑے باقی رہ گئے تھے۔ یہ لرزہ خیز منظر بے حد خوف ناک تھا۔ پھر دفعتاً نہ جانے کیا ہوا............ ایک ہلکی سی سیٹی کی آواز فضا میں ابھری تھی اور تمام چوہے واپس اپنے بلوں میں گھس گئے اس کے بعد دولت خان کی آواز ابھری۔

"ڈیر تایا زاد، میں نے ان چوہوں کو بڑی مشکل سے یہ تربیت دی ہے، یہ افریقہ کے ایک مخصوص علاقے کے گوشت خور چوہے ہیں اور فطرتاً وحشی جانوروں سے متاثر ہیں۔ یہ خلا جس میں گرل لگی ہوئی ہے ایک میکنزم سسٹم کے ذریعہ کھل جائے گا اور پھر یہ گوشت خور چوہے تم دونوں کے پاس آجائیں گے اور اس کے بعد کیا ہوگا اس کا اندازہ تم دونوں کو ہو ہی چکا ہے۔ چنانچہ فیصلہ کرلو، میں تمہیں تین گھنٹوں کا وقت دیتا ہوں۔ ان تین گھنٹوں میں تم اگر صحیح فیصلہ کرلو تو یہیں اپنی جگہ مجھے اطلاع دے دینا، تمہاری آواز مجھ تک پہنچ جائے گی!" کھرکھراہٹ کی آواز کے ساتھ ہی دولت خان کی آواز بند ہوگئی۔

شہزاد اور گوریا کے چہروں پر خوف کے آثار منجمد ہوکر رہ گئے تھے، یہ ہولناک دھمکی دونوں کی آنکھوں میں موت بن کر چمک رہی تھی۔ کافی دیر گزر گئی۔ کوئی فیصلہ نہیں کرپارہے تھے وہ دونوں، فرار کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا اور وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھے، دفعتاً ہی کچھ آہٹیں سنائی دیں اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ دونوں دھڑکتے دل کے ساتھ کسی کی آمد کا

انتظار کرنے لگے۔ پتہ نہیں کون تھا لیکن جب کافی دیر تک اور کوئی آواز نہ آئی تو شہزاد نے کہا۔

"یہ کیا تھا؟ آؤ دیکھیں کون ہے۔" گوریا تیار ہوگئی وہ سرنگ کے کھلے دروازے سے باہر نکلے اور کسی دقت کے بغیر سیڑھیاں طے کرکے اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں سے اس زمین دوز تہہ خانے میں داخل ہوئے تھے۔ آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا چاروں طرف موت کا سا سناٹا طاری تھا شہزاد متحیرانہ انداز میں بولا۔

"تعجب ہے، یہ دروازے کیسے کھل گئے، یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے............ آؤ ذرا دیکھیں۔" وہ کمرے سے نکل کر آسانی راہداری میں آگئے، اور ہال کی سمت بڑھنے لگے لیکن دفعتاً ہی انہیں ٹھٹک جانا پڑا ان کے سامنے ہی زمین پر دو پہریدار منہ کے بل پڑے ہوئے تھے اور ان کی پشت میں پیوست خنجر صاف نظر آرہے تھے۔ وہ متحیرانہ انداز میں آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچ گئے۔ شہزاد نے جھک کر انہیں دیکھا اور خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"کسی نے............ کسی نے انہیں ہلاک کردیا ہے۔"

"لل لیکن کیوں۔ کس نے؟" گوریا تعجب سے بولی۔

"میرا خیال ہے گوریا تقدیر نے ہمیں موقع دیا ہے اور ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔" وہ تیز تیز قدم رکھتے ہوئے ہال میں داخل ہوگئے۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا ہر سو مکمل سکوت طاری تھا۔ دفعتاً ہی ایک آواز ابھری اور گوریا بری طرح چونک پڑی۔ پھر اسی جھلملی والے دروازے سے انہوں نے دولت خان کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور چہرہ دہشت سے سفید ہورہا تھا گوریا پاگلوں کی طرح دولت خان کو دیکھ رہی تھی۔ دولت خان لڑکھڑایا اور اس کے بعد زمین پر گر پڑا۔

گوریا نے شہزاد کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے شہزاد۔ یہ کیا ہے؟" وہ کانپتے ہوئے لہجے میں بولی اور دفعتاً ہی شہزاد نے دولت خان کی پشت کی جانب اشارہ کیا جس میں ویسا ہی خنجر پیوست تھا جیسا انہوں نے ان دونوں آدمیوں کی پشت میں پیوست دیکھا تھا۔

دولت خان نے دو چار بار ہاتھ پاؤں مارے اور اس کے بعد دم توڑ دیا۔ گوریا

پاگلوں کی طرح کبھی اس کو دیکھتی کبھی شہزاد کو.......... شہزاد نے آہستہ سے کہا۔
"آؤ گوریا' کوئی عجیب سی بات ہوئی کوئی بہت ہی انوکھی گڑبڑ۔"
"چلو.......... چلو.........." گوریا گوریا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ہال سے نکل کر وہ باہر آئے تو انہیں چند لاشیں اور نظر آئیں حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان سب کو خنجر ہی کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔ ایک لاش کے نزدیک ایک پستول پڑا ہوا تھا جو یقیناً انہی محافظوں میں سے کسی ایک کا تھا۔ شہزاد نے نہ جانے کس خیال کے تحت پستول اٹھا کر دیکھا اس کے چیمبر بھرے ہوئے تھے۔ شہزاد نے اسے ہاتھ میں تھام لیا اور گوریا کا بازو پکڑ کر باہر نکل آیا لیکن یہاں بھی کئی لاشیں نظر آئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی پورے گروہ نے ان پر حملہ کیا ہو اور خاموشی سے انہیں ہلاک کر دیا ہو۔
باہر نکل کر وہ جب صحن میں پہنچے تو انہیں ہر سمت سناٹا ہی محسوس ہوا۔ لاشیں البتہ جگہ جگہ پڑی ہوئی تھیں یوں لگتا تھا جیسے یہاں موجود تمام لوگوں کو قتل کر دیا گیا ہو۔ شہزاد بمشکل تمام خود کو سنبھالے ہوئے تھا' گوریا کا چہرہ دہشت سے بے جان سا ہو رہا تھا اگر شہزاد اسے سنبھالے نہ ہوتا تو شاید وہ زمین پر گر ہی پڑتی.......... شہزاد اسے ساتھ لئے ہوئے وہاں سے آگے بڑھتا رہا اور پھر وہ کافی دور نکل آئے اور گنجان آبادی میں داخل ہو گئے۔ جو جگہ انہوں نے اپنے قیام کے لئے منتخب کی تھی' وہاں پہنچ کر شہزاد نے گوریا کو بستر پر بٹھا دیا اور پھر اس کی حالت سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔
یہ سب کچھ شہزاد کے لئے بھی ناقابل یقین تھا اور اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی بہرطور کافی وقت گزرنے کے بعد گوریا کی حالت کچھ بہتر ہو گئی تو اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔
"شہزاد میرا تایا زاد بھائی دولت خان ہلاک ہو چکا ہے۔ یقیناً اسے ہلاک کرنے والے معمولی لوگ نہیں ہوں گے میں یہ سمجھتی ہوں کہ دولت خان کو میری ہی وجہ سے ہلاک کیا گیا' لیکن مجھے اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح مجھ سے آنکھیں پھیرے گا۔"
"اس نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی' گوریا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں' کیا ہم اپنی تفصیلات کے مطابق خزانے تک چلیں۔ فرض کرو اگر خزانہ ہمیں حاصل ہو بھی گیا تو ہم اسے منتقل کیسے کریں گے؟ اوہ میں سمجھ گیا گوریا' میں صورتِ

حال سمجھ گیا' میرے خدا اب تک یہ بات میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی تھی۔"
گوریا سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی' پھر شہزاد نے کہا۔
"یقیناً کوئی اور شخصیت بھی خزانے کے حصول میں سرگرداں ہے بلکہ میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم اس شخصیت کو نہ بھولی ہو گی' جو یہ چاہتا تھا کہ ہم اپنی منزل کی جانب سفر کریں' یقیناً یہ وہی خوفناک چہرے والا شخص ہے اور اب بھی وہ ہماری ہی تاک میں ہے اس نے ہمیں دولت خان کے چنگل سے اس لئے نکالا ہے کہ ہم خزانے تک جائیں اور وہ ہمارا تعاقب کرے یقیناً یہی بات ہے گوریا' یقیناً یہی بات ہے۔"
گوریا کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
"یوں لگتا ہے شہزاد' جیسے یہ خزانہ ہماری تقدیر میں نہیں ہے' بھلا ہمارے پاس ایسے وسائل کہاں کہ ہم اتنے خوفناک دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے خزانے کے حصول میں کامیاب ہو جائیں؟"
"ایک اور نام میرے ذہن میں ہے گوریا' آخری کوشش کے طور پر حکیم شاہ سے ملاقات کر لو ہو سکتا ہے وہ ہماری کچھ مدد کریں۔" گوریا پُر خیال نگاہوں سے شہزاد کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا..........
"ٹھیک ہے' حکیم شاہ کا پتا تو ہمارے پاس محفوظ ہے' کیوں نہ ہم ابھی ان کے پاس چلیں..........؟"
شہزاد تیار ہو گیا۔ حکیم شاہ کا مکان بستی کے دوسرے سرے پر تھا' لوگوں سے معلومات حاصل کرتے ہوئے وہ پتھروں سے بنے ہوئے اس مکان کے پاس پہنچ گئے جو بہت زیادہ بڑا نہیں تھا' لیکن بہرصورت اچھی حالت میں تھا۔ دروازے پر دستک دی گئی تو ایک دبلے پتلے آدمی نے دروازہ کھولا اور گوریا اور شہزاد کو اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
"حکیم شاہ صاحب سے ملاقات کرنی ہے انہیں ہماری آمد کی اطلاع دو۔" اس شخص نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا.......... بڑے سے صحن میں پتھر کی نشستیں بنی ہوئی تھیں' وہ ان پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے' تھوڑی دیر کے بعد ایک باریش لیکن صحت مند بزرگ اندر سے برآمد ہوئے اور ان لوگوں کے قریب پہنچ گئے۔ پہلے انہوں

نے شہزاد کی طرف اور پھر گوریا کی طرف دیکھا' اور پھر دفعتاً ہی وہ آگے بڑھے اور انہوں نے گوریا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اگر میری یادداشت اور میری بوڑھی آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے رہیں تو' تُو خان عظیم خان کی بیٹی ہے۔" گوریا نے گردن خم کردی تھی۔

"بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ' عظیم خان کی بیٹی' مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن تم اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے ترکے کو حاصل کرنے کے لئے یہاں واپس آؤ گی۔ بیٹھ جاؤ بیٹی اور تم بھی بیٹھ جاؤ نوجوان............!" حکیم شاہ نے شہزاد سے کہا اور شہزاد بیٹھ گیا۔ حکیم شاہ کہنے لگے۔

"خان عظیم خان نے بڑی جدوجہد کے بعد تیرے لئے جو کچھ محفوظ کیا تھا وہ آج بھی اپنی جگہ محفوظ ہے اور میں بڑے دعوے سے کہتا ہوں کہ کوئی اس خزانے تک نہیں پہنچ سکا' خان عظیم بے وقوف آدمی نہیں تھا' یہاں کس کس نے کوششیں نہ کرلیں' دولت خان نے نہ جانے کیا کیا کھدوا کر پھنکوا دیا لیکن وہ بھی دولت کے حصول میں ناکام رہا۔"

"حکیم شاہ صاحب کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کرسکتے ہیں' یہاں آنے کے بعد تو ہم اتنے دشمنوں کے درمیان گھر گئے کہ ہماری تمام امیدیں پست ہوگئیں۔ میں تو واپس جانا چاہتی تھی لیکن میں نے دل میں سوچا کہ جب میرے باپ نے آپ کی نشاندہی کی تھی تو میں آپ سے کیوں نہ مل لوں' چنانچہ میں آپ کے پاس آگئی۔"

"میں خان عظیم خان کے بارے میں کیا کیا بتاؤں تم لوگوں کو............ وہ اپنے نام کی طرح عظیم تھا' بلاشبہ اس نے ایک فرنگی عورت کے ساتھ شادی کرلی تھی لیکن وہ عورت مسلمان ہوچکی تھی' ہم نے اس کے ساتھ اختلافات ختم کرلئے لیکن بیٹی خاندانی اختلافات بہت عجیب ہوتے ہیں۔ عظیم خان کو اپنی بستی میں جگہ نہ مل سکی اور وہ دیرپور سے چلا گیا۔ میں تمہاری جو کچھ بھی خدمت کرسکتا ہوں اس کے لئے حاضر ہوں' بولو مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"حکیم صاحب کیا آپ کو اس خزانے کے راستے معلوم ہیں؟"

"نہیں' لیکن اس بستی کا ایک ایک نشان میری نگاہ میں ہے اگر تمہارے باپ نے تمہیں کوئی ایسی چیز دی ہے جس سے اس خزانے تک تمہاری رہنمائی ہوسکتی ہے تو میرا

خیال ہے میں تمہیں وہاں تک پہنچا سکتا ہوں۔"

حکیم شاہ کے بارے میں شہزاد بھی کچھ نہیں جانتا تھا اور نہ ہی گوریا لیکن خان عظیم خان نے اس کا نام یوں ہی نہیں لیا ہوگا' چنانچہ ساری تفصیلات حکیم شاہ کے حوالے کردی گئیں۔ حکیم شاہ صاحب بہت دیر تک غور کرتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں اس جگہ تک لے جاسکتا ہوں' بیٹی تم تیاریاں کرلو بہتر ہے کہ تم لوگ آج میرے مہمان رہو اور علی الصبح ہم اس علاقے کی طرف چلیں گے جہاں یہ خزانہ موجود ہے۔"

انہوں نے حکیم شاہ صاحب کی ہدایت پر عمل کیا رات کو سونے کے لئے انہیں ایک کمرہ دے دیا گیا' حکیم صاحب نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ شہزاد کا گوریا سے کیا رشتہ ہے۔ وہ خلوص دل سے ان کی مدد کرنے پر آمادہ تھے اور دوسری صبح وہ ان کی رہنمائی میں چل پڑے۔ وہ عہد قدیم شہر کے کھنڈرات کی طرف جارہے تھے۔ حکیم صاحب نے سڑک کی بجائے پہاڑی سے جانے والے راستوں کو اختیار کیا تھا۔ صبح کا جھٹپٹا دن کی روشنی میں تبدیل ہوتا جارہا تھا' کافی سفر طے کرنے کے بعد ایک کھنڈر کے قریب قیام کیا گیا اور حکیم شاہ صاحب نے بتایا یہی وہ جگہ ہے جہاں خزانہ موجود ہوسکتا ہے۔ حکیم شاہ صاحب' خان عظیم خان کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق آگے بڑھتے رہے' ایک بارہ دری جو بوسیدہ ہوکر ٹوٹ پھوٹ چکی تھی' پھر ایک دالان' اور اس دالان میں بنا ہوا ایک بوسیدہ سا دروازہ' دروازہ کھول کر سب اندر داخل ہوئے تو ایک تاریک کمرے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ حکیم صاحب نے دونوں کو وہیں رکنے کے لئے کہا۔ پھر اندازہ لگا کر پانچ قدم آگے بڑھے اور پھر وہیں رک گئے' اس کے بعد انہوں نے چھٹا قدم آگے بڑھایا............ زمین پر قدم رکھتے ہی ایک گڑگڑاہٹ سی سنائی دی اور کمرے کے بائیں سمت ایک دروازہ جو پتھر کا بنا ہوا تھا کھل گیا............ حکیم صاحب نے اپنے تھیلے سے مٹی کے تیل سے جلنے والا ایک لیمپ باہر نکالا۔ وہ ایک تھیلا اپنے ساتھ لائے تھے جس میں نہ جانے کیا کیا چیزیں موجود تھیں پھر انہوں نے لیمپ روشن کرکے ان دونوں کی طرف دیکھا اور اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا' شہزاد اور گوریا ان کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

کھلے ہوئے دروازے کے دوسری جانب ایک تنگ زمین دوز زینہ نظر آیا' اندر بالکل تاریکی تھی لیکن لیمپ کی مدہم روشنی ان تاریکیوں کو منور کر رہی تھی۔ حکیم شاہ کی رہنمائی میں وہ دونوں نیچے اترنے لگے۔ تقریباً تیس چالیس سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک ہموار جگہ پہنچ گئے۔ یہ ایک کنوئیں کی سی شکل تھی جس کی خشک تہہ میں وہ لوگ کھڑے ہوئے تھے' سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا' جب وہ اس دروازے سے گزر کر ایک اور کمرے میں داخل ہوئے تو یہاں ایک اور لکڑی کا دروازہ نظر آرہا تھا' جس پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ حکیم صاحب نے زور لگا کر یہ دروازہ بھی کھولا۔ تعجب کی بات تھی کہ اس نقشے کو انہوں نے سمجھ لیا تھا' کھلے ہوئے دروازے میں انہیں کئی صندوق نظر آئے جو اس جگہ رکھے ہوئے تھے۔ ان صندوقوں میں سے ایک صندوق کو کھول کر دیکھا تو تاریک کمرے میں جیسے نور کی بارش ہوگئی۔

رنگین شعاعیں پورے کمرے میں پھیل گئیں نفیس صندوق بیش بہا ہیروں اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ اتنی دولت کے لئے دنیا کا کوئی بھی شخص کچھ بھی کر سکتا ہے' بہرطور خزانے کے قریب پہنچ کر ان لوگوں کی حالت خراب ہوگئی تھی........... حکیم شاہ نے گردن گھما کر ان لوگوں کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میری راہنمائی میں تم اصلی جگہ پہنچ گئے' اب یہ بتاؤ کہ اس خزانے کو یہاں سے لے کر جانے کے لئے تم کیا کر سکتے ہو؟" شہزاد اور گوریا کی زبانیں گنگ تھیں اور ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا کافی دیر کے بعد وہ پتھر کے بت کی مانند ساکت و جامد کھڑے رہے پھر گوریا نے شہزاد کی طرف دیکھا اور اس کے بعد حکیم شاہ صاحب کی طرف۔ پھر وہ متاثر لہجے میں بولی۔

"حکیم شاہ صاحب اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ نقشہ میں نے آپ تک پہنچایا اور آپ نے اس کی رو سے اور اپنی واقفکاری کی وجہ سے ہمیں یہاں تک لے آئے........... لیکن آپ کی ذمہ داری یہیں تک ختم نہیں ہوئی خزانے کے ان صندوقوں کو یہاں سے نکال کر لے جانا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بھی آپ ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔"

"آہ میں اتنے وسائل نہیں رکھتا یہ کام تو بہت دقت طلب ہے۔ میں اس سلسلے

میں زیادہ سے زیادہ صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ مل کر خزانہ یہاں سے کہیں اور منتقل کرادوں۔ بعد کے کام تمہیں خود ہی انجام دینے ہوں گے........... یہ دنیا اتنی ہوس پرست ہوگئی ہے کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ میں آنکھوں سے اس عظیم الشان خزانے کو دیکھ چکا ہوں تو وہ میری آنکھیں نکال کر لے جانے کی کوشش کریں گے۔ تم لوگ اس خزانے کو یہیں محفوظ رہنے دو اور جب تک چاہو میرے ساتھ رہو اس کی منتقلی کا بندوبست کرلو' میں ہر لمحہ تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں اور اس بات کا بھی اطمینان رکھو کہ اگر میرے بدن کے ریزے ریزے بھی کردیئے جائیں' تب بھی میں اس کے بارے میں کبھی کسی کو نہیں بتاؤں گا یہ میرا وعدہ ہے تم سے..........."

حقیقت یہی تھی کہ شہزاد اور گوریا اس عظیم الشان خزانے کو منتقل کرنے میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے لئے تو بہت بڑے پیمانے پر کام کرنا ہوگا اور یہ معمولی بات نہیں تھی لیکن بہرطور اس کے علاوہ کچھ کیا نہیں جا سکتا تھا ان کا ذہن عجیب سے احساسات کا شکار ہوگیا۔

حکیم صاحب نے انہیں واپسی کے لئے کہا اور دونوں لڑکھڑاتے قدموں سے واپس جانے والے راستے طے کرنے لگے لیکن ابھی وہ سیڑھیوں سے گزر کر اس ہال نما کمرے تک ہی پہنچے تھے جس میں سے گزرنے کے بعد یہ راستے آتے تھے کہ دفعتاً ہی ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان کے قدم رک گئے' ان کے سامنے آٹھ آدمی کھڑے تھے' جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور ان رائفلوں کا رخ انہی کی جانب تھا۔

سب سے آگے نظر آنے والا شخص زمرد خان تھا جو اپنے ہولناک چہرے اور بھوکی نگاہوں کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا' اس نے حکیم شاہ کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"حکیم شاہ' تم اس عمر میں...........؟ مجھے سب سے زیادہ تم پر حیرت ہے۔"

"کیا کہنا چاہتا ہے زمرد خان؟" حکیم شاہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"تم اس خزانے کا کیا کرو گے حکیم شاہ؟"

"یہ بعد میں بتاؤں گا پہلے تُو بتا زمرد خان' تُو یہاں کیسے آگیا؟" حکیم شاہ نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال تھا حکیم شاہ، میں بیوقوف ہوں۔ میں نے اپنی آدھی زندگی اس کی تلاش میں گزار دی ہے۔"

"اس خزانے کا تجھ سے کیا تعلق ہے؟"

"خزانہ صرف ان کے لئے ہوتا ہے جو اسے حاصل کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ یہ چوہیا اور اس کا ساتھی اس خزانے کو نہ سنبھال سکیں گے۔"

"کیا تُو نے خزانہ دیکھا؟"

"کیوں نہیں۔ جب تم لوگ اسے دیکھ رہے تھے میں بھی تم سے دور نہ تھا۔"

"اب تُو کیا چاہتا ہے؟"

"تم تینوں کی موت اور پھر خزانہ۔" زمرد خان نے شیطانی مسکراہٹ سے کہا۔

"ٹھیک ہے، تو اب اپنا وہ سوال دہرا سکتا ہے جو تُو نے کیا تھا۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تم تو بڑے دیندار اور قناعت پسند آدمی ہو۔ تمہیں خزانے کا لالچ کیوں کر ہوا؟"

"یہ لوگ موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لے کہ میں نے اس خزانے میں سے ایک پیسے کا بھی مطالبہ کیا ہے ان سے۔ دراصل زمرد خان، پہاڑوں کی مٹی سے جو تخلیق ہوتی ہے، اس میں اور کوئی خوبی ہو یا نہ ہو، ایک خوبی ضرور ہوتی ہے اور وہ ہے وفاشعاری۔ اور کسی کے احسان کا صلہ ادا کرنا۔ خان عظیم خان نے دیرپور کے لوگوں پر جو احسانات کئے ہیں وہ آج بھی سب کو یاد ہیں۔ اس نے بڑی خاموشی سے میرا قرض ایک ایسے وقت پر ادا کیا تھا جب میری عزت خطرے میں تھی اور آج اس کی بیٹی کی یہ مدد کر کے میں اس کا قرض اتار رہا ہوں۔"

"اوہ شکر ہے مجھ پر عظیم خان کا کوئی احسان نہیں ہے۔ ورنہ اس مٹی کی آبرو مٹ جاتی۔" زمرد خان نے قہقہہ لگایا۔

"اتفاق ہے زمرد خان۔ اتفاق ہے کہ میرے دل میں ایک بار یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اس مٹی کا امتحان لے کر دیکھوں۔ یہ صرف روایت ہے یا اس میں کوئی حقیقت بھی ہے۔ آج تقدیر نے حیرت انگیز طور پر مجھے یہ موقع فراہم کیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا حکیم شاہ؟"

"سمجھا دوں گا میرے بچے۔ زمرد خان تجھے یاد ہے کہ تیری نمود کیسے ہوئی

تھی؟"

"مطلب بتا حکیم شاہ۔"

"بارش کی ایک سرد رات تیری ماں بستی کے ایک گندے نالے کے پاس پڑی تھی۔ وہ درد سے تڑپ رہی تھی اور تجھے جنم دے رہی تھی۔ پوری دنیا میں اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ کیونکہ تیرا باپ مر چکا تھا۔ اس وقت کسی کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ احترام سے اس عورت کو اٹھا کر لے گیا۔ اس نے بھائیوں کی طرح اس کا احترام کیا اور تیری ولادت ہوئی۔ اس نے تیری ماں کو ہر سہولت فراہم کی اور اس سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس کے بیٹے کے جوان ہونے تک اس کی کفالت کرے گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ کیا اس شخص کا تجھ پر احسان نہ ہوا؟"

"اس بکواس کی اس وقت کیا ضرورت ہے حکیم شاہ؟" زمرد خان غرا کر بولا۔

"غور سے سن زمرد خان، ہو سکتا ہے تجھے تیری ماں نے وہ بات بتائی ہو کیا کبھی اس نے بتایا کہ وہ کتنے افراد تھے۔"

"دو۔" زمرد خان نے بے اختیار کہا۔

"کیا اس نے یہ بتایا کہ ان کی صورتیں کیسی تھیں؟"

"ان کے چہرے کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔" زمرد خان بولا۔

"کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری ماں نے ضد کر کے اپنا ہار اس شخص کو دیا تھا کہ وہ اسے ایک بہن کی نشانی سمجھے، اور اس ہار میں تیرے باپ کی تصویر تھی۔"

"تجھے کیسے معلوم؟" زمرد خان کسی قدر خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ اس کے بعد تیری ماں کو سر چھپانے کا ٹھکانا اور تیری پرورش کے لئے وظیفہ ملتا تھا۔"

"تُو یہ سب کچھ کیسے جانتا ہے شاہ؟ مجھے بتا۔"

"میں ہی نہیں۔ بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ دو آدمی خزانے کے حصول کے لئے دیوانے ہو رہے ہیں۔ دولت خان اور زمرد خان۔ ان دونوں نے اس خزانے کے حصول کے لئے کیا نہیں کیا۔ تم دونوں ہی اس کے لئے پاگل ہو رہے تھے۔ دولت خان کے لئے تو میں کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن تیرے لئے میں نے کچھ یادداشتیں محفوظ کی تھیں۔ سن زمرد خان، تجھ پر یہ بھوت سوار رہا ہے کہ اپنے اس محسن کے بارے میں

معلوم کرلے جس نے تیری ماں کی مدد کی۔ تُونے مجھ سے بھی اس بارے میں سوال کیا تھا اور میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ساری دنیا میں' ساری کائنات میں اگر مجھے کسی سے عقیدت ہے تو وہ میری ماں کا وہی گمنام محسن ہے۔ میں اسے کیا سمجھتا ہوں' تُو نہیں جانتا مگر اس وقت تُونے اس کا تذکرہ کرکے مجھے پریشان کردیا ہے حکیم شاہ زندگی چاہتا ہے تو مجھے بتا کہ اس وقت تُونے یہ تذکرہ کیوں کیا ہے؟" زمرد خان نے بے چینی سے کہا۔

"بتا رہا ہوں زمرد خان پریشان نہ ہو' تجھے علم ہے کہ خان رحمت کے سربراہ نے قتل کیا تھا اور عظیم خان اور صورت خان تیرے خاندان کے دشمن تھے۔ گو اس دشمنی نے کبھی خونریز شکل اختیار نہیں کی تھی لیکن دونوں خاندان ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ البتہ عظیم خان انسان دوست تھا اور جب اسے ایک ایسی عورت بے کسی کے عالم میں ایک جگہ پڑی ملی جو ماں بننے والی تھی اور اس کا پُرسانِ حال کوئی نہیں تھا۔ تو وہ اپنی دشمنی بھول گیا۔ اسے صرف یہ یاد رہا کہ اس کے سامنے ایک پریشان حال عورت ہے حالانکہ وہ اصلیت جانتا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ صرف اس لئے چھپا لیا کہ وہ عورت یہ جان کر شرمندہ نہ ہو کہ اس کا مددگار اس کا دشمن ہے۔ ہاں زمرد خان وہ خان عظیم خان تھا۔ اس لڑکی کا باپ۔"

"بکو مت۔ میں تمہارے پورے بدن میں سوراخ کردوں گا۔" زمرد خان دہاڑا۔ اس کا چہرہ انگارے کی طرح دہکنے لگا تھا۔

"اور اس کا دوسرا ساتھی میں تھا صرف ہم دو تھے جو یہ راز جانتے تھے۔ عظیم خان نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ راز کبھی زبان پر نہ لاؤں گا تاکہ تیری ماں شرمندہ نہ ہو۔"

"حکیم شاہ تُو جھوٹ بول رہا ہے۔" زمرد خان بولا۔

"میں اب بھی زبان نہ کھولتا لیکن پہاڑوں کی مٹی سے جو تخلیق ہوتی ہے وہ اپنی الگ روایات رکھتی ہے اور میں اپنے تجربے کی تکمیل چاہتا ہوں۔" حکیم شاہ بولا۔

"کیا ثبوت ہے تیرے پاس؟"

"وہی ہار جو تیری ماں نے اپنے نادیدہ بھائی کو دیا تھا اور لندن سے بھیجی ہوئی رقومات کی رسیدیں جو تیری ماں وصول کرتی تھی۔ یہ لے دیکھ لے۔" حکیم شاہ نے

اپنے سامان سے وہ چیزیں نکال کر زمرد خان کو دے دیں اور زمرد خان پاگلوں کی طرح انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن گھمائی ماں کے ہار کو اس نے اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ اب اس کی نظریں گوریا کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے کہا۔ "تیرے باپ کا دل تو بہت بڑا تھا گوریا کیا تجھے بھی اس بڑے دل کا کچھ حصہ ملا ہے؟ مجھے معاف کرسکتی ہے میرے محسن کی بیٹی مجھے مُعاف کرسکتی ہے اس گناہ پر آقا زادی۔ ایسے لاکھوں خزنے میں اپنے محسن کے نام پر قربان کرسکتا ہوں۔ ایسے لاکھوں خزانے تجھے مبارک ہوں۔ میں تیرا غلام ہوں۔ میں اپنے ہاتھوں سے یہ خزانے جہاں تُو کہے پہنچاؤں گا۔ مجال ہے کوئی تجھے ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ جائے۔ بول مجھے معاف کرسکتی ہے تُو آقا زادی۔ میرے خون کے ایک ایک قطرے میں تیرا نمک ہے۔" زمرد خان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

حکیم شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ "اسی طرح تو خون کی پرکھ ہوتی ہے۔ زمرد خان تُونے اس مٹی کی آبرو رکھ لی۔ گوریا بیٹی اسے معاف کردے۔"

"ضرور۔ ایک شرط پر۔" گوریا نے کہا۔

"شرط کیسی شرط؟" حکیم شاہ نے پوچھا۔

"زمرد خان مجھے بہن کہے۔ میرا بھائی بن جائے اور میرے ساتھ لندن چلے۔" گوریا نے کہا اور زمرد خان بری طرح رو پڑا۔

"میں اس قابل نہیں ہوں آقا زادی۔ میں اس قابل نہیں ہوں۔ تم سب احسان کرنے والے ہو۔ یہ درجہ بھی میرے اوپر احسان ہے۔ مجھے اپنا غلام بنا کرلے چلو میں تیار ہوں۔"

"معافی کی صرف ایک ہی شرط ہے مجھے بہن بنالو۔" گوریا مسکرا کر بولی۔

"میری بہن۔ میری بہن۔" زمرد خان اس کے سامنے جھک گیا۔ پھر اس نے خزانے کے پاس اپنے مسلح آدمی تعینات کئے اور سب کو لے کو چل پڑا۔

☆------☆------☆

گوریا واپس لندن جا رہی تھی۔ شہزاد تمام تیاریاں مکمل کرکے گیا۔ "اب مجھے اجازت دو گوریا۔ چند روز کے بعد مجھے اپنی ڈیوٹی جوائن کرنی ہے۔"

"اوہ۔ ہاں یہ تو ہے لیکن آپ بھول گئے کہ آپ میرے شوہر ہیں اور یہ لوگ

اسی حیثیت سے آپ کو جانتے ہیں۔" گوریا نے کہا۔

"تم ان کی غلط فہمی دور کر دینا۔"

"اس کے علاوہ آپ نے اپنے لئے ایک حسین ہم سفر کی دعا مانگی تھی اور مجھے دیکھ کر آپ کو افسوس ہوا تھا کہ اس وقت آپ نے اپنے لئے دولت کیوں نہ مانگ لی۔"

"نہیں گوریا۔ وہ صرف مذاق تھا۔"

"یہ میرا مذاق ہے۔ آپ کو میرے ساتھ لندن چلنا ہے۔ میرے شوہر کی حیثیت سے۔ لندن میں ہم باقاعدہ نکاح کرلیں گے۔"

"گوریا پلیز۔ اب میری اور تمہاری حیثیت میں بہت فرق ہے۔" شہزاد بولا۔

"ایک فرق ضرور ہے۔ وہ یہ کہ میں ایک خطرناک بھائی کی بہن ہوں اور اگر میں اسے اشارہ کردوں گی کہ میرا شوہر مجھے چھوڑ کر بھاگ رہا ہے تو.........."

"گوریا پلیز۔"

"نہیں شہزاد میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ بس اب کچھ نہ بولنا۔" گوریا نے کہا۔
اور شہزاد اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

☆======ختم شد======☆